"لاہور کے چشتی خاندان کی اُردو خدمات"

مقالہ نگار

فضل میراں گوہر نوشاہی

نگران

ڈاکٹر وحید قریشی

پی ایچ ڈی کے لیے بحوالہ چٹھی نمبر ۱۶۵۵/جی ایم

مورخہ ۱۵/۱۲/۷۷ منظور ہوا

لاہور کے چشتی خاندان
کی اُردو خدمات

تحقیقی مقالہ برائے پی۔ ایچ۔ ڈی

1983ء

از
گوہر نوشاہی

نگران
ڈاکٹر وحید قریشی

بحوالہ مراسلہ نمبر 1605/GM ۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور۔

4/12/84

مقدمہ :

لاہور کے چشتی خاندان پر میرے تحقیقی سفر کی داستان بہت طویل ہے۔ مولوی نور احمد چشتی
کی تصنیف تحقیقات چشتی کا مطالعہ میں نے 1960ء میں اپنے والد صاحب قبلہ کے ارشاد پر
کیا تھا۔ اور اسی وقت سے اس اہم علمی کارنامے کی عظمت میرے دل پر نقش تھی۔ 1968ء
میں مجلس ترقی ادب لاہور کی ملازمت کے دوران اسی مصنف کی ایک گمنام کتاب "یادگار چشتی"
کی ترتیب و تدوین کا کام میرے سپرد ہوا۔ اس وقت اندازہ ہوا کہ مولوی نور احمد چشتی
اور ان کے خاندان کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے کوئی بھی مستند ماخذ
دستیاب نہیں ہے۔ تلاش و جستجو کی طویل مسافت طے کرنے کے بعد 1972ء میں اس کا مقدمہ
لکھا گیا اور 1975ء میں یہ کتاب چھپ کر منظر عام پر آئی۔ مولوی نور احمد چشتی اور
ان کے خاندان کے سوانحی کوائف سوائے تحقیقات چشتی میں شامل مصنف کے خود نوشت
چند نکات کے مطبوعہ صورت میں کہیں دستیاب نہ تھا۔ اتفاق سے میری ملاقات اس
خاندان کے ایک ایسے فرد سے ہو گئی جسے اس خاندان کے بارے میں معلومات کا
جیتا جاگتا خزانہ کہا جا سکتا تھا۔ یہ بزرگ مولوی نور احمد چشتی کے بھائی مولوی محمد علی
مہر دل چشتی کے پڑپوتے تھے۔ خدا نے ان سے بصارت چھین کر انھیں بصیرت سے
مالا مال کر رکھا تھا۔ ملاقات کے بعد اندازہ ہوا کہ وہ غیر معمولی ذہانت کے ساتھ ساتھ
غیر معمولی شخصیت کے بھی مالک ہیں۔ صمیم القلب، کریم النفس اور دریا دل، ایسے
خوش وضع انسان کم دیکھنے میں آئے ہیں۔ انہوں نے اپنا سارا علمی خزانہ میرے
حوالے کر دیا۔ چونکہ کئی سال پہلے بصارت سے محروم ہو گئے تھے، لہٰذا ان کا پورا کتب خانہ
سالہا سال سے بند رہنے کے سبب حوادث گرد و خاک کی نذر ہو چکا تھا۔ میں کامل دو ماہ
زہر آلود گرد و خاک ہٹا کر اوراق بوسیدہ اور مخطوطات آب دیدہ کا مطالعہ کرتا
رہا۔ نتیجتاً مجھے اس قدر مواد مل گیا کہ اس نے نہ صرف یہ کہ میں یادگار چشتی کا مقدمہ
لکھنے کے قابل ہو گیا بلکہ وہ اس قدر زیادہ تھا کہ میں نے اس خاندان کی ادبی خدمات
پر ایک مستقل کتاب لکھنے کا ارادہ کر لیا۔ یادگار چشتی کی اشاعت کے کچھ عرصہ بعد
میں نے اس خاندان پر وسیع تر تحقیقی کام کے لئے پنجاب یونیورسٹی سے پی۔ایچ۔ڈی کا
مقالہ لکھنے کی اجازت چاہی۔ میرے خاکے کو منظور کرتے ہوئے پنجاب یونیورسٹی
نے مجھے مقالہ لکھنے کی اجازت دے دی۔ لیکن جب نئی صورت حال کے مطابق کام شروع ہوا تو اندازہ
ہوا کہ میرے پاس اب بھی میری ضرورت کے مقابلے میں مواد بہت کم ہے۔ لہٰذا از سر نو
خاندان چشتی کے متعلقین اور پسماندگان سے رجوع کیا گیا۔ اس دفعہ میرے پرانے ہمدرد
مولوی مسعود علی چشتی صاحب نے اپنے کتب خانے کو دیکھنے چھان بین کرنے کی اجازت کے ساتھ ایک اور شخصیت

کی طرف بھی رہنمائی کی جو کہ اس چشتی خاندان کے اسلاف کا علمی ذخیرہ تھا۔ چنانچہ میں محترمہ
پروفیسر قرۃ العین چشتی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے بتایا کہ اس خاندان کی بعض اہم
دستاویزات قرآن کے پاس موجود ہیں لیکن ان تک رسائی ممکن نہیں۔ میں نے ہمت نہیں
ہاری اور اپنی قرۃ العین کے ساتھ پیوستہ رہی۔ چنانچہ چار پانچ سال کی مسلسل جدوجہد کے بعد اب
اس بات کو وثوق سے کہہ سکتی ہوں کہ چشتی خاندان کے بارے میں جس قدر مواد میرے پاس ہے کسی
اور کے پاس موجود نہیں ہے۔ مولوی مسعود علی چشتی صاحب کے وسیلے سے اس خاندان کے بلند فکر
بزرگ مولوی احمد بخش یکدل کے چالیس سالہ روزنامچے بیاض یکدل کا اقتباس۔ علاوہ مصنف
کے پوتے اور مولوی مسعود علی صاحب کے دادا مولوی حامد علی چشتی صاحب نے جو تیار کیا تھا۔ اس کے علاوہ مولوی
نور احمد چشتی کی دو ایک نایاب کتابیں بھی دستیاب ہوئیں لیکن تلاش نو کے سے تو یکدل کی بیاض و
کے مواد کی تفصیل اور اس خاندان کے تقریباً تمام علمی اور ادبی آثار پر دسترس ہو گئی۔ بے شمار نئے
نام اور ان کے ادبی آثار دستیاب ہوئے۔ گویا پہلے اگر مواد کی کمی مسئلہ تھی تو اب مواد کی فراوانی مشکل
پیدا کر رہی تھی کہ تنظیم و ترتیب کے وقت کن کن پہلوؤں کو نظر انداز کیا جائے۔ چشتی خاندان کا
ایک بہت بڑا علمی و ادبی ذخیرہ مرحوم مولوی محرم علی چشتی (ایڈیٹر رفیق ہند لاہور) کے فرزند
ارجمند مولوی محمد ابراہیم علی چشتی کی وفات کے بعد گراں قدر م۔ش صاحب کے پاس آ گیا تھا۔
م۔ش۔ موصوف نے بزرگواری کا ثبوت دیا اور ازراہ ادب پروری مجھے اس ذخیرے سے استفادہ کرنے کی
اجازت مرحمت فرمائی۔ اخبار رفیق ہند کے متعدد فائل اور مولوی محرم علی چشتی اور ان کے بارے
میں لکھا گیا بہت سا مواد اس میں موجود تھا۔ میں نے ان میں سے اکثر کی مکمل فوٹو سٹیٹ حاصل کر لی۔
غرضیکہ اسی حاصل شدہ مواد کو بروئے کار لاتے ہوئے مولوی ضیاء الحق چشتی سے مولوی مسعود علی
چشتی تک چشتی خاندان کے چودہ مصنفین کے اردو ادب سے متعلق کارہائے نمایاں پر مشتمل زیر نظر
مقالہ پیش خدمت ہے۔ یہ مقالہ اس خاندان کی سوا دو سو سالہ ادبی کاوشوں کی
مکمل داستان ہے۔ اردو ادب کے فروغ کے سلسلے میں اس خاندان کی ان دو سو سالہ کاوشوں
کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

زیر نظر مقالہ چھ ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں پنجاب / لاہور کے سیاسی اور معاشرتی
ماحول کو پس منظر میں رکھ کر وسیع تر مفہوم میں زیر بحث لایا گیا ہے۔ اس سلسلے میں مروجہ تاریخوں کے
ساتھ ساتھ بعض ایسے مخطوطات کو استعمال کیا گیا ہے جو نہ صرف پہلی مرتبہ دنیائے تحقیق سے متعارف
ہو رہے ہیں بلکہ اپنے استناد اور وثوق کے اعتبار سے بے حد اہم ہیں۔ مثلاً مولوی
احمد بخش یکدل، فقیر محمد ضیاء الدین، اور فقیر سید غلام محی الدین نوشاہ ثانی کی بیاضیں اور مولوی احمد بخش
یکدل کی تصنیف تحفہ یکدل اور سید احمد شاہ بٹالوی کی تاریخ پنجاب وغیرہ۔ اس سے اس دور کی
غیر جانبدار تصویر ہمارے سامنے آ گئی ہے۔

دوسرا باب میں چشتیہ خاندان کے ادبی ماحول پر بحث کرتے ہوئے، شاعری اس دور کے اہم
قلمی ماخذ مثلاً فقیر سید عزیز الدین کے اور مولوی احمد بخش یکدل کے روزنامچوں کو سامنے
رکھا گیا ہے بلکہ پیر غلام دستگیر نامی کی بازیافت کتاب "تاریخ جلیلہ" سے بھی استفادہ کیا گیا ہے
جس میں ملتان کے پیر خاندان کی اردو خدمات پر بالواسطہ بحث کی گئی ہے۔ یہ خاندان اس عہد
میں چشتیہ خاندان کا حریف اور معاصر تھا۔ اس سلسلے میں لطف بے حد مفید اور اہم ناموں کے
بارے میں پہلی دفعہ مستند تحقیقی مواد پیش کیا گیا ہے۔ مثلاً حضرت علی الدین بن حضرت خیرالدین
مصنف عبرت نامہ کے بارے میں، جن کی تصنیف تاریخ میں ایک بڑا اہم دستاویز ہے لیکن ان
کے حالات پر کسی کو دسترس نہ تھی۔ ایسی اور شخصیات بھی مقالے میں نظر آئیں گی۔

تیسرا باب خاندان چشتی کے سوانحی کوائف پر مشتمل ہے۔ اس باب کے لئے بیشتر تمام ماخذ
قلمی اور غیر مطبوعہ ہیں۔ چشتی خاندان کے متعدد افراد کو خوش قسمتی سے روزنامچے
لکھنے کا شوق تھا چنانچہ ان روزنامچوں سے جو تمہید کی جا چکی تفصیل ہیں، اس خاندان کے بارے
میں بیش قیمت معلومات فراہم ہو جاتی ہیں۔ یہ روزنامچے بہت مفصل ہیں۔ مولوی احمد بخش یکدل
کا روزنامچہ تین جلدوں میں، مولوی حامد علی چشتی کا روزنامچہ چار جلدوں میں اور
سب سے مختصر مولوی امام زمان چشتی کا روزنامچہ جو اردو میں ہے اور معقول ضخامت
رکھتا ہے۔ ان بزرگوں کی روحیں شاد رہیں کہ ان کی کاوشوں سے ان کے سوانح کی ترتیب میں پورے
طور پر استفادہ کر لیا گیا ہے اور یہی ان کی آرزو تھی۔

چوتھا باب میں چشتی خاندان کے اہم مصنفین کو زمانی ترتیب کے ساتھ اہم تاریخی ادوار کے
ماخذ کی مدد سے متعارف کیا گیا ہے اور ان کے ادبی کارناموں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

پانچواں باب چشتی خاندان کی اہم اردو تصانیف پر تنقید اور تبصرے کے لئے وقف ہے
کوشش کی گئی ہے کہ ان میں سے ہر تصنیف کو اس کے اہم عناصر کی روشنی میں سمجھا اور پرکھا جائے۔
تصانیف کی تلاش اور بازیافت خود ایک بہت بڑا مرحلہ تھا۔ خدا تعالیٰ نے توفیق دی اور یہ مرحلہ کامیابی
سے ہمکنار ہوا۔ بہت کم تصانیف مطبوعہ ہیں۔ ورنہ اکثر و بیشتر قلمی ہیں۔ قلمی نسخوں کی قرأت
متون کی صحت کا اطمینان ایک بہت مشکل کام ہے خدا نے آسان کر دیا۔ الحمدللہ۔

چھٹا باب۔ چشتی خاندان کے تبلیغی اثرات کا ہے۔ یہ بہت وسیع مفہوم اور مضمون ہے
اسے اشارتاً بیان کرنے اور مختصراً احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے کیونکہ متعلقہ اور منکشف
مواد کی روشنی میں اس سے زیادہ تفصیل ناممکن ہے۔ اس کے علاوہ مقالے کی ضخامت اور
موضوع کا تقاضا بھی یہی تھا۔

مقالے کی ترتیب اور تکمیل کے سلسلے میں اپنے دیرینہ کرم گستر اور استاد گرامی قدر جناب
ڈاکٹر وحید قریشی کی رہنمائی کا شکرگزار ہوں۔ پنجاب اور ملتان کے ادبی موضوعات پر

ڈاکٹر وحید قریشی صاحب اپنی ذات میں ایک مکتب تحقیق ہیں اور دانشوری کا درجہ رکھتے ہیں
میری خوش نصیبی ہے کہ مجھے ڈاکٹر صاحب محترم کی رہنمائی میسر آئی، یہی میری دیرینہ
آرزو تھی جو خدا نے پوری کی۔

اس کام کی تکمیل کے سلسلے میں میرے گھر والوں اور میرے اہل خاندان نے جو قربانی
اور عملی اعانت کی مجھے ہمت بندھی رہی جس سے میرے لئے کام کی ہر منزل آسان ہو گئی، میں ان
سب کا فرداً فرداً سپاس گزار ہوں۔

جناب مولوی مسعود علی حقی، محترمہ پروفیسر قرۃ العین طاہرہ، جناب م۔ ش اور جناب فخرالدین
صدیقی صاحب کا شکرگزار ہوں کہ انہوں نے حتی الامکان میری مدد کی اور مجھے مطلوبہ مواد مہیا کیا۔

گوہر نوشاہی

باب اول : تاریخی اور سیاسی پس منظر

اٹھارویں صدی کا لاہور ایک ایسے پُر آشوب دور کا شاہد ہے جس نے اس تاریخ ساز شہر کو پوری ایک صدی تک سیاسی اعتبار سے افراتفری بدامنی اور عدم استحکام میں مبتلا رکھا۔ مغلیہ سلطنت کے دَور زوال کے ساتھ ہی پنجاب میں دہشت گردی کا دور شروع ہو گیا تھا اور دلی کی مرکزی حکومت میں خانہ جنگیوں اور ضعفِ سیاست کے باعث اتنا دم نہیں رہا تھا کہ وہ پنجاب کو غاصبوں اور اجنبی حملہ آوروں سے بچا سکے۔

1707ء میں اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے فوری بعد بندہ بیراگی نے پنجاب کا رخ کیا۔ ستلج اور بیاس کے دوآبے کے متعدد شہروں کو لوٹنے کے بعد وہ لاہور پر حملہ کرنے ہی والا تھا کہ شاہی فوجوں نے سرہند کے قریب اسے شکست دے کر مدہ گرداس کے قلعے میں محصور ہونے پر مجبور کر دیا۔ جہاں سے موقع پاتے ہی وہ فرار ہو گیا۔ بہادر شاہ کی موت یعنی 1712ء کے بعد مغل شہزادوں کی خانہ جنگیوں نے بندہ بیراگی کی عسکری قوت کو تنظیم نو کا موقع دیا۔ چنانچہ بندہ بیراگی کوہستانی پناہ گاہوں سے نکلا، پہلے سرہند کو آگ لگائی، پھر بٹالہ اور کلانور پر یورش کی۔ یہ زمانہ مغل بادشاہ

فرخ سیر کا ہے. فرخ سیر نے اس پرورش کو دبانے کے لئے نواب عبدالصمد خاں

کو پنجاب کا گورنر مقرر کیا. بندہ بیراگی کی گرفتاری اسی جوانمرد کے ہاتھوں ہوئی۔

اس زمانے میں لاہور کے ممتاز خاندانوں میں ایک خاندان اپنے علمی اور روحانی

شرف کے باعث خاص اہمیت کا حامل تھا اس خاندان کے تمام افراد اپنے نام

کے ساتھ چشتی لکھنے کو اپنے لئے نشانِ امتیاز تصور کرتے تھے. اس خاندان کے

ایک بزرگ مولوی ضیاء الحق چشتی تھے، نواب عبدالصمد کی مدبرانہ انتظامی صلاحیتوں

اور اہلِ لاہور کے درمیان ان کی ہر دل عزیزی کے شاہد ہیں اور ان کے تاثرات اس

دور سے متعلق بعض تاریخوں میں محفوظ ہیں. اسی طرح میاں آفرین لاہوری بھی

جو شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک درویش بھی تھے، نواب عبدالصمد خاں کے مداحوں میں

سے تھے. بندہ بیراگی کی گرفتاری پر آفرین لاہوری نے شعر کہا:

بندہ را عبدالصمد خاں بند کرد
آفریں، صد آفریں، صد آفریں [۲]

نواب عبدالصمد خاں ۱۱۳۹ھ میں فوت ہوئے، مولوی ضیاء الحق چشتی نے مادہ تاریخ

موزوں کیا: "صمد ماند عبدالصمد نماند" [۳]

---

[۱] وہرنا و پیرو دست دعائی بی تاخیر لعمرو و دولت نواب بی نظیر درازی سال خشت گر چینی دید بی پیر وابستہ بیر اسیرو

[۲] مولوی احمد بخش یکدل: تحفۂ چشتی ص ۳۳ قلمی. [۳] ایضاً ص ۳۳

نواب عبدالصمد خان کے بعد اس کا بیٹا زکریا خان کو وزیرالممالک کی کوشش سے محمد شاہ بادشاہ کی طرف سے اعزالدولہ نواب زکریا خان بہادر جنگ کا خطاب اور لاہور کی نظامت عطا ہوئی۔ کچھ مدت کے بعد اسے سیف الدولہ کا مزید خطاب اور صوبہ دار ملتان کا عہدہ بھی عطا ہو گیا۔ نواب زکریا خان کے دور حکومت کا اہم واقعہ پنجاب پر نادر شاہ درانی کا حملہ ہے۔ یہ واقعہ 1739ء میں رونما ہوا۔ پنجاب کے غیور اور وطن پرست عوام نے نادر شاہ کے حملے کے خلاف جس غم و غصے اور نفرت کا اظہار کیا، اس کا اندازہ اس دور کی بعض تصانیف سے لگایا جا سکتا ہے۔ عوام تو ایک طرف اس دور کے صوفیا اور اہل اللہ نے بھی نادر شاہی حملے کو فتنۂ دجال سے تشبیہ دی ہے۔ مولوی ضیاء الحق چشتی نے نادر شاہ کو منحوس اور چیند قدم کہا اور اس واقعہ نامبارک کا مادۂ تاریخ مندرجہ ذیل موزوں کیا ہے:

نادر آمد بہند در یکدم | کرد بر خلق جور و ظلم و ستم
سال تاریخ او چو دید آمد | نجم عام است و نیز چیند قدم [1]

لاہور پر نادر شاہی حملے کی ایک اور تاریخی شہادت بیبر کال لاہوری کی تصنیف

---

[1] مولوی احمد بخش یکدل چشتی: تحفۂ یکدل ص ۵۲ قلمی، یکدم کے لفظ سے ظاہر ہے کہ نادر شاہ کے حملے سے نواب زکریا خان بے اطلاع تھا، سید احمد شاہ بٹالوی نے بھی زکریا خان کی سستی اور بے خبری کا ذکر کیا ہے (سید احمد شاہ بٹالوی: تاریخ ہندوستان ورق ۹۱۰ ب، قلمی)

مثنوی تحائف قدسیہ سے ملتی ہے ۔ اس کے مطابق لاہور کے صوفی درویش اپنے مرشد حضرت شہید قلندر لاہوری (متوفی ۱۱۶۹ھ) کی خدمت میں بیٹھے ہیں ۔ اس وقت نادر شاہ پنجاب میں داخل ہو چکا ہے اور لاہور پر اس کا حملہ یقینی نظر آ رہا ہے ۔ اسی محفل میں حکیم ضیا جو لاہور کے نامور طبیبوں میں سے تھے ، حضرت شہید قلندر سے نادر شاہ کے حملے کے بارے میں آپ کا ردعمل دریافت کرتے ہیں ، آپ فرماتے ہیں ، اللہ سے کہوں گا تو نادر شاہ کی قتل و غارت سے لاہور محفوظ رہے گا ۔ تحائف قدسیہ کے متعلقہ اشعار درج ذیل ہیں ۔

چو آمد شد نادر سوی پنجاب　　ضیا کرده سوال از ذات خوش ناب
که یا شیخ ای بلا آمده پیش　　چه خواهد گشت حال خلق دلریش
بفرموده که ضمیر این غم ندارید　　امان گردید با حق دل سپارید[1]

نواب زکریا خان نے بیس لاکھ روپے اور ایک سو ہاتھی[2] دے کر نادر شاہ سے اہل لاہور کی عزت و آبرو خرید لی ۔ زکریا خان کے پاس اور کوئی چارہ بھی نہ تھا ۔ شاہ دہلی نے اس کی درخواست کے باوجود اسے کسی قسم کی فوجی کمک (اخلاقی اعانت) بھی روانہ نہیں کی تھی ۔ نادر شاہ نے اس رقم کو تاوان کے نام پر وصول کیا اور دہلی میں قتل عام کے لئے روانہ ہو گیا ۔ یہ واقعہ ۲۶ شوال ۱۱۵۱/ 6 - فروری 1739 کا ہے ۔

۱۔ پیر کمال لاہوری ؛ تحائف قدسیہ قلمی

۲۔ میرزا مہدی خان ؛ تاریخ نادری ص 107 ، چاپ تبریز ۱۲۶۸ھ / 1852ء

لاہور میں نادر شاہ کا پڑاؤ شالامار باغ کے قریب تھا۔ ایک روز جبکہ بادشاہ شالامار کی سیر میں مصروف تھا، نواب زکریا خان نے اپنے ارشاد مولوی محمد ابراہیم چشتی بن مولوی جیو ضیاء الحق چشتی کو شاہ کی خدمت میں پیش کیا اور ان کے علم و فضل کی تعریف کی۔ مولوی صاحب نے اس موقع پر اپنا کہا ہوا مندرجہ ذیل قطعہ پیش کیا:

ایا اہل ذوق و خرد و من لسانی — کلاماً لطیفاً کدر ثمینا
که چون شاه ایران شهنشاه گیتی — ملیکاً قدیراً قصیراً معینا
کمر بست در حفظ عالم چون گردون — برب شدید القوی مستعینا
شدش والی ما چو شاهان دیگر — مطیعاً سمیعاً رهینا مهینا
بتاریخ این سال گردید ناطق — سیاق فتحنا لک فتحاً مبینا [1]

مختصر یہ کہ نادر شاہ کے حملے نے مغلیہ سلطنت کے زوال کو بے نقاب کر دیا اور مغل اعظم کی سیاسی طاقت کا بھرم توڑ دیا۔ نادر شاہ کی مراجعت ایران پنجاب میں مغلیہ حکومت کے خلاف باغیانہ سرگرمیوں کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ جس کے نتیجے میں پورا پنجاب سکھوں کی تخریبی سرگرمیوں کی زد میں آگیا۔ زکریا خان اہل لاہور کے درمیان جو محبوبیت رکھتا تھا، وہ بہت کم حاکموں کو نصیب نہ ہوئی۔ نواب زکریا خان سیف الدولہ کی وفات ۱۲ جمادی الاول ۱۱۵۸ھ

---

[1] مولوی احمد بخش یکدل چشتی: تحفۂ یکدل ص ۲۳ قلمی

ملاقی کو ہوئی۔ مولوی محمد ابراہیم چشتی نے مندرجہ ذیل قطعہ تاریخ موزوں کیا:

حیف صد حیف کہ مشہور لاہور | زیر و بالا شد و آخر معدوم
رونق از وجہ پنجاب برفت | گر بہا کرد کلان و معصوم
گشت امروز بخارا ویران | صد شرف داشت بہانو در بہ روم
دامن لطف جناب ناظم | امن ہا داد ز ہر چغند و بوم
روز سہ شنبہ جمادی الثانی | خاک بنگم بودہ گردش منظوم
سال او از سر ابجد گفتہ | ہاتفم: خان بہادر مرحوم ۱۱۵۸ھ

نواب زکریا خان کے بعد اس کا بیٹا یحییٰ خان ناظم لاہور مقرر ہوا، لیکن اس کے چھوٹے بھائی شاہ نواز خان حاکم ملتان نے اس کے عہدے کو تسلیم نہ کرتے ہوئے بھائی سے باپ کی جاگیرداری میں حصہ طلب کیا۔ ۱۷۴۶ء کے قریب دونوں فوجوں میں جھڑپ ہوئی یحییٰ خان کو شکست ہوئی۔ شاہ نواز خان نے فتح کی سرشاری میں مرکزی حکومت سے منظوری حاصل کئے بغیر ہی اپنی نظامت کا اعلان کر دیا۔ یحییٰ خان بھی شاہ نواز خان کی قید سے فرار ہو کر دہلی پہنچ گیا۔ شاہ نواز خان نے مرکز کی سرزنش کے خوف سے اور مرتبۂ اقتدار کو بحال رکھنے کے لالچ میں افغانستان کے بادشاہ احمد شاہ ابدالی کو لاہور پر حملہ کرنے کی دعوت دی۔ ابدالی کے آنے سے پہلے قمر الدین خان وزیر نے شاہ نواز خان کو غلطی کا احساس دلاتے ہوئے احمد شاہ ابدالی کے مقابلے پر رضامند کر لیا۔ لاہور میں داخل ہونے سے پہلے احمد شاہ ابدالی نے لاہور کے ایک روحانی بزرگ سید صابر شاہ چشتی کو اپنا سفیر بنا کر شاہ نواز خان کے پاس

گفت و شنید کے لئے روانہ کیا۔[1] مولوی احمد بخش یکدل نے صابر شاہ کو احمد شاہ ابدالی کا مرشد لکھا ہے۔ شاہنواز خان نے سفارت کے آداب بالائے طاق رکھتے ہوئے صابر شاہ کی جرأت مندانہ گفتگو پر اسے قتل کروا دیا۔ احمد شاہ ابدالی یہ سن کر غضبناک ہو گیا، یکدل نے لکھا ہے:

"چون این خبر جانگاہ بگوش احمد شاہ در دوران آشنا شد، گریبان پارہ کرد۔ سماخوشت نئی لے بر دو لب ماوی پیوند کردہ لشکر را آوازہ دادہ حکم بغارت و قتل لاہور داد"[2]

شاہنواز خان نے شکست کھا کر راہ فرار اختیار کی، لاہور کے تاجروں نے بارہ لاکھ روپیہ، چند ہاتھی اور چند نفیس لاہوری کمانیں نذر کر کے بادشاہ سے پناہ حاصل کی۔[3] احمد شاہ نے اہل لاہور کو خوب لوٹا، بیگم پورہ کی دولت مال غنیمت سمجھ کر سمیٹی اور اہل لاہور کو مالی بحران اور اقتصادی فاقہ کشی میں مبتلا کرتا ہوا دہلی کی طرف کوچ کر گیا۔ ڈاکٹر محمد باقر نے سیر المتاخرین، عبرت نامہ، تاریخ مظفری، بیان واقع، تاریخ احمد شاہی اور تاریخ حسین شاہی کے حوالے

---

[1] محمد علی نے تاریخ مظفری (F-74) میں سفیر کا نام شیخ عمر لکھا ہے جو احمد شاہ ابدالی کا بیٹا تھا، مفتی علی الدین نے عبرت نامہ میں کا بیان ہے کہ سید صابر شاہ سے پہلے شاہ نے لیغرا خان کو سفیر بنا کر بھیجا تھا۔ جس کے توہین آمیز لہجے سے شاہنواز خان ناراض ہو گیا۔ عزیز الدین وکیل فوفلزئی نے درۃ الزمان میں احمد شاہ ابدالی کے بیٹوں کی جو فہرست دی ہے اس میں شیخ عمر کا نام موجود نہیں ہے۔ (دیکھئے درۃ الزمان ص) یکدل نے بھی احمد شاہ کے سات بیٹوں میں شیخ عمر کو شامل نہیں کیا (دیکھئے تحفۂ یکدل ص ۵۶)

[2] مولوی احمد بخش یکدل: تحفۂ یکدل ص ۳۵ قلمی۔ [3] ایضاً ص ۳۶

میں لکھا ہے کہ احمد شاہ ابدالی نے لاہور سے جاتے ہوئے جہان خان کو جو قندھار کے معتمدوں میں سے تھا، لاہور کا ناظم مقرر کیا۔[1] مولوی یکدل نے بھی اس سلسلے میں میر مومن خان کا نام لیا ہے، جو قرین صحت نہیں ہے۔[2] یکدل نے یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ احمد شاہ ابدالی جب لاہور سے نکل کر چک رام داس پہنچا تو اس نے وہاں کے معبد کو بارود سے اڑا دیا اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ اس کے علاوہ سکھوں کے قتل عام کا حکم دے کر اس شہر کو قبرستان میں بدل دیا۔[3] غرض یہ کہ احمد شاہ کے حملے نے لوگوں کے دلوں میں اس مسلمان بادشاہ کے احترام کا کیا نقش چھوڑا۔ اس کی ایک جھلک میر کمال لاہوری کی تصنیف تحفۂ قدسیہ میں دیکھی جا سکتی ہے۔ نادر شاہ درانی کے ضمن میں لاہور کے درویشوں کی جس محفل کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے، اس محفل میں حکیم ضیا اپنے مرشد سے احمد شاہ ابدالی کے حملے کے بارے میں بھی استفسار کرتا ہے۔ جس کے جواب میں آپ فرماتے ہیں:

---

[1] غلام حسین: سیر المتاخرین، مفتی علی الدین: عبرت نامہ، محمد علی: تاریخ مظفری، عبدالکریم کشمیری: بیان واقع، سید امام الدین حسینی: تاریخ حسین شاہی،
DR. M. BAQIR: LAHORE—PAST AND PRESENT. P79, LAHORE 1952.

[2] و [3] مولوی احمد بخش یکدل: تحفۂ یکدل ص ۳۶ قلمی۔

"میں نے بھی خواب میں دیکھا ہے کہ منحوس ستارے کھیتوں میں گھس آئے ہیں

اور میں نے انہیں مار کر بھگا دیا ہے"۔ تحفۂ شاہیہ کے متعلقہ اشعار درج ذیل ہیں:

چون از احوال احمد شاہ پرسید　　بفرمودہ کہ این خود عبث گردید

چو شد تکلیف بسیار از امان جان　　بپرسیدش آن حکیم نیک از جان

بفرمودہ کہ شب در خواب دیدم　　کہ خوکان در زراعت من دویدم

برون کردم از آن جا آن ستمگار　　همی بینند تعاقب بارہا بار

چنین شد تکیہ کردہ قدم روزی　　درون شاہدرہ شد خانہ سوزی [1]

احمد شاہ ابدالی دہلی کی طرف پیش قدمی کر رہا تھا کہ قمر الدین خان وزیر نے

کرنال کے قریب اس کا راستہ روکا۔ قمر الدین خان کا پلہ جنگ میں بھاری

تھا لیکن احمد شاہ ابدالی کے گولہ انداز جاسوسوں نے حیلہ سازی سے

وزیر کی جان لے لی[2]۔ میدانِ جنگ کا تو یہ حال تھا کہ قمر الدین خان وزیر

کے دلیر بیٹے میر منو نے سچی ہمت اور مردانگی سے جنگ کا پانسہ پلٹ دیا

اور احمد شاہ ابدالی کو حیلہ و فن کے باوجود شکست کا سامنا ہوا اور وہ

اپنے لشکر کو سمیٹتا ہوا قندھار روانہ ہو گیا۔ میر منو کو اس جوانمردی

---

[1] در این اثنا خبر آمد کہ نواب قمر الدین خان با فوجی شایستہ و جمعیتی بایستہ

در حدود کرنال متوجہ مقابلت است ۔۔۔ خبر رسید کہ شاہزادہ احمد شاہ ولی عہد

محمد شاہ بطریق منقلہ مدعوی داد رادمردی دادن مستعد است و نواب معین الدولہ

معین الملک فرزند نواب قمر الدین خان بمقابلہ صفوف احمد شاہی صفوف بست۔

و هنگامۂ توپ و بان و رہکلہ و بندوق گرم گردید۔ معشوق از توپ اعراض

باقی

([illegible] ص ۱۰)

کے عوض بادشاہ دہلی سے معین الملک، رستم ہند کا خطاب اور

لاہور کی نظامت عطا ہوئی۔ بعض مورخین نے اس لڑائی کا محل وقوع سرہند کی بجائے سرہند

کے قریب لکھا ہے۔ یہ واقعہ 1748ء کا ہے۔

میر منو نے اپریل 1748ء کے وسط میں ناظم لاہور کا عہدہ سنبھالا

اور دیوان کوڑا مل کو اپنا نائب مقرر کیا اور آدینہ بیگ کو جالندھر دوآبہ

کی فوجداری پر مستقل رکھا۔ یہ دونوں شخصیت سرہند کی لڑائی میں میر منو کے

شانہ بشانہ تھیں۔ سرہند کی شکست کی خفت مٹانے کے لئے احمد شاہ ابدالی

نے لاہور پر دوبارہ حملے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ میر منو کے لئے لاہور کی نظامت

پھولوں کی سیج ثابت نہ ہوئی۔ احمد شاہ ابدالی کے حملے کے بعد پنجاب میں سکھوں

کے حوصلے بلند ہو گئے تھے اور انہوں نے جسا کلال کی سرکردگی میں امرتسر کے

(تفصیل صفحہ گزشتہ)

[8] ... ظاہر گردید کہ بہ ہدف گولہ زود ہی جای نرفت۔ میر شاہ در آن اثنا حضرت وزیر بادشاہ
در ظل حراست الہی محروس گردیدہ۔ چون ہنگامہ سخت پیدا آمد دو گولہ ... از
از دولت احمد شاہی بہ رخصت چند روز نیز وزیر الممالک رسیدہ، نوکر شد و
... نشست و ... در یافتہ ... وقت وظیفہ و نماز فجر معلوم کردہ برد و
بلشکر ... گرویدہ گولہ زدند و بہ لعنت وزیر الممالک رسیدہ کارش تمام گردد۔
مولوی احمد بخش یکدل: تحفہ یکدل ص ۳۶ و ص ۳۷ قلمی

[9] پروفیسر ... : لاہور کی سیاسی اور ثقافتی تاریخ، مقالہ مطبوعہ
نقوش لاہور نمبر۔ ...

DR. M. Baqir. Lahore Past and Present P. 179. Lahore 1952.

نزدیک اپنا ایک قلعہ بھی بنا لیا تھا۔ چنانچہ میر منو نے لاہور میں پاؤں جما کر
ہی سکھوں پر یلغار کی، ان کے قلعے کو تباہ کر دیا اور ان کی تنظیم بالکل منتشر
ہو گئی۔ اس کے بعد میر منو لاہور کے نظم و نسق و درست کرنے میں مصروف
ہو گیا۔ ادھر احمد شاہ ابدالی نے 1752ء میں لاہور کی طرف پیش قدمی
کی۔ ادھر محمد شاہ کی وفات کے بعد اس کا بیٹا احمد شاہ مغلیہ سلطنت کا وارث
ہوا۔ احمد شاہ آئین حکمرانی سے عاری اور حسن تدبیر سے خالی تھا۔ میر منو
نے امداد کے لیے کئی خطوط لکھے مگر کئی درخواست صدا بصحرا ثابت ہوئی۔ اب میر منو
دو محاذوں پر نبرد آزما تھا، ایک سکھوں کی بغاوت، قتل اور غارت
اور دوسرے احمد شاہ ابدالی کے حملے کا خوف۔ میر منو نے پنجاب کے چار محال
کا مالیہ ابدالی کو دینے کے معاہدے کے ساتھ صلح کر لی اور دیوان کوڑا مل کو سکھوں
کے ساتھ اچھے تعلقات قائم کرنے پر مامور کیا۔ سکھ عہد داد و ستد
کے لیے کوڑا مل پر منحصر تھے۔ میر منو احمد شاہ ابدالی کے ساتھ گفت و شنید کر ہی رہا تھا
کہ ادھر سکھوں نے موقع پا کر لوٹ مار شروع کر دی۔ چنانچہ ابدالی کی روانگی کے بعد
میر منو پھر سکھوں کی تادیب کی طرف مائل ہو گیا۔

احمد شاہ ابدالی نے چار محال کے مالیے کی ادائیگی میں میر منو کی طرف سے سستی

کو سبب ٹھہرا کر 1751ء میں پھر لاہور پر حملہ کر دیا۔ میر منو نے مرکز کو اطلاع

دی لیکن صفدر جنگ وزیر دربار کے سازشی ماحول کو میر منو کا یہ اقدام پسند نہ تھا کہ ابدالی کو

چار محال کا مالیہ پیش کر دیا جائے، چنانچہ مرکز سے کوئی جواب موصول نہیں ہوا

اور میر منو کو تن تنہا اس وحشیانہ قوت کا مقابلہ کرنا پڑا۔ یہ پنجابیوں اور

افغانوں کے درمیان اہم ترین جنگ تھی۔ اس جنگ میں پنجابیوں نے جان کا کردار

ادا کیا اور ابدالی اور میر منو کی مٹھی بھر عوام پر وہ فتح یاب ہو گیا۔ حتیٰ کہ احمد شاہ

ابدالی بھی میر منو کی مٹھی بھر فوج پر عش عش کر اٹھا۔ اس جنگ میں ابدالی کو

فتح ہوئی اور اس وفادار بادشاہ نے لاہور کے گلی کوچوں میں لوٹ مار اور

قتل و غارت کا وہ بازار گرم کیا کہ تاریخ اس کے بیان سے لرزہ بر اندام ہے۔

فتح کی خوشی میں ابدالی نے لاہور میں سکھوں کے دو قلعہ مینار بنائے جن سے

ہلاکو خان اور چنگیز خان کی یاد تازہ ہو گئی۔ چنانچہ یکدل کا بیان ہے:

”شاہ مذکور (ابدالی) در گذر مرگ نخاس متصل مزار حضرت شیخ کاکو چشتی شهید
منبرہ موج دریا فرزند گنج شکر رحمہم اللہ بر لب مسجد ارا و مکان کہ علیز است گشتہ
و متصل مزار شیخ مغفور از مفارق سر ان دو مینا کلان ساختہ است
کہ حیل کفار می نمود۔“ [1]

---

[1] مولوی احمد بخش یکدل چشتی: تحفہ یکدل ص 46 قلمی

مراجع کوڑا مل کے مارے جانے کے بعد دراصل میر منو کا حوصلہ بلند ہو گیا تھا اور اس نے افغانی حملہ آور سے صلح کی درخواست کر دی تھی۔ احمد شاہ ابدالی اس کی رعونت سے اس قدر خفا تھا کہ اسے اپنے سامنے زندہ دیکھنا چاہتا تھا۔ چنانچہ میر منو گرانبہا جواہرات، ایک کروڑ روپیہ نقد، تین سو حلقہ کمان لاہوری، پانچ سو نقرہ بندوقیں، دو سو ایرانی تلواریں، اکیس عراقی گھوڑے اور گیارہ ہاتھی لے کر بادشاہ افغانستان کے سامنے پیش ہوا۔ [1] بادشاہ نے تاجرانہ طریقے سے رقم وصول کی اور میر منو کو اپنی طرف سے لاہور کا ناظم مقرر کر دیا۔ اس طرح وہاں لاہور احمد شاہ ابدالی کی رعایا بن کر ایک طرف قحط سے بے معاش اور دوسری طرف میر منو کو سکھ غارت گروں کی سرکوبی پر توجہ دینے کا موقع ملا۔ چنانچہ میر منو نے سکھوں کی وہ تادیب کی کہ وہ اس کے نام سے کانپنے لگے۔ اس زمانے میں یہ مصرعہ سکھوں کی زبان پر عام تھا :

---

[1] مولوی احمد بخش یکدل ؛ تحفۂ یکدل ص 45۔ یکدل نے اس جگہ احمد شاہ ابدالی اور میر منو کے درمیان ہونے والے مکالمے کو درج کیا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے :
" احمد شاہ درانی بجانبش نگریستہ فرمود کہ اگر من بدست تو می آمدم چہ میکردی ؟ عرض کرد در پنجرۂ آہنی نشانیدہ روانۂ جہان آباد پیش شاہ می کردم۔ احمد شاہ گفت اکنون من برای تو چہ تجویز کنم ؟ گفت اگر تاجری بفروشی و اگر قصابی بکشی و اگر بادشاہی ببخشی۔ پس حضور بدولت بادشاہی آمدہ بہ بغل کشیدہ فرزند خود خواندہ ایالت لاہور بہ معین الملک مفوض و متعلق داشتند۔ "

میر منو ساڈی داتری اسیں اوہدے سوئے
جوں جوں سانوں وڈھدا اسیں دُونے دُونے ہوئے

یا

میر منو دے سوئے
اُتوں اُتوں لاہیرے ہیٹھوں دونے دونے ہوئے

جب جب احمد شاہ ابدالی پنجاب پر حملے کے لئے پیش قدمی کرتا تو سکھوں کی
تخریبی سرگرمیوں سے اہل پنجاب کو بچانے اور جذبہ اسلام سے سرشار ہو کر
جہاد کے لئے پنجاب کا رخ کرتا تھا۔ اس کار ثواب میں قندھار میں اس کے
خالی خزانے کی کمی بھی پوری ہو جاتی تھی۔ ظاہر ہے یہ دولت صرف کفار کی جیبوں
سے ہی اکٹھی نہیں ہوتی تھی بلکہ ہر حملہ پر تقریباً تمام اہل پنجاب کا خون پسینہ
نچوڑ لیا جاتا تھا۔ پنجابی کا یہ مصرعہ جو اشتہارِ عام سے زبان زد عوام تھا، اہل پنجاب
کی بے بسی کا اظہار کرتا ہے: ع: کھادا پیتا لاہے دا باقی احمد شاہ دا

احمد شاہ ابدالی پنجاب پر حملہ کرتا تو سکھ بکھر جاتے یا پہاڑی پناہ گاہوں
میں چھپ جاتے لیکن جونہی بادشاہ واپس جاتا، جمع ہو کر مسلمانوں کو لوٹ لیتے
اور لاہور کے گرد و نواح کو ویران کر دیتے تھے۔ معین الملک میر منو کے زمانے
میں پنجاب پر دو سلطنتوں کا دعویٰ تھا۔ مغل بادشاہ اسے اپنی
حکومت میں اور افغان بادشاہ اسے اپنی حکومت میں سمجھتے تھے۔

یہ تو میر منو کی مدبرانہ سیاست تھی کہ ظلم کے ان دو پاٹوں کے درمیان اہل لاہور کو پسنے سے بچائے رکھا۔ میر منو 1753ء میں شکار کھیلتے ہوئے گھوڑے سے گر کر ہلاک ہو گیا۔ اہل لاہور نے کئی روز تک اپنے اس محبوب رہنما کا ماتم کیا۔ نخاس محلے میں اس کا جسد خاکی سپرد خاک کیا گیا اور اس پر ایک گنبد تعمیر ہوا۔ یکدل نے لکھا ہے:

"تا در قید حیات بود بنا بر جود و سخا و خلق، خوشی و رنگ تسخیر قلوب جہانی می ریخت"۔ [1]

مولوی مشیر محمد فرزند حافظ عبداللہ لاہوری نے مندرجہ ذیل تاریخ کہی:

بہر کاب یرای برق شتاب — بود میر وزیر عالی جاہ
عالم و عادل و معین الملک — غازی و اہل سنت و خوش راہ
چون بنظم جہان باقی رفت — در بہا لور گشت وا ویلا
تف اندر خطاب او تاریخ — سعید الہند گفت و رستم شاہ [2]

احمد شاہ ابدالی نے ۱۱۸۶ھ مطابق 1772ء میں وفات پائی۔ اس کی ناک میں ناسور پیدا ہو گیا تھا۔ محمد عبدالغفار خان نے وفات کی تاریخ اس کے بیٹے تیمور شاہ کی خدمت میں پیش کی جو مندرجہ ذیل ہے:

---

[1] مولوی احمد بخش یکدل چشتی: تحفۂ یکدل ص 53 قلمی [2] ایضاً ص 53

میر منو کی وفات کے بارے میں اطلاعات متضاد ہیں، طہماس بیگ مسکین کا بیان ہے کہ میر منو کو زہر دیا گیا تھا۔ مسکین، میر منو کے متوسلین میں سے تھا۔ اس کی کتاب "تذکرہ طہماس بیگ مسکین"، برٹش میوزیم لندن میں محفوظ ہے۔ اس کے بیان سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ شاید یہ زہر اسے بھکاری خان کے ذریعہ دیا گیا تھا۔

مغلانی بیگم، میر مومن خان، بھکاری خان، آدینہ بیگ وغیرہ

جیسے صاحب اثر حاکم نے لاہور کی تباہی میں اور پنجاب میں مسلمان حکومت

کے زوال میں حصہ لیا۔ دوسری طرف خود احمد شاہ ابدالی اور اس کے جانشینوں

نے یہ دیکھتے ہوئے کہ اب پنجاب کے پاس لڑوانے کو کچھ نہیں رہا، مسلمانوں

امراء کی بجائے سکھ سرداروں پر اعتماد کرنا شروع کر دیا۔ 1762ء میں جب

احمد شاہ ابدالی لاہور سے قندھار روانہ ہوا تو کابلی مل نام ایک ہندو کو

لاہور کا ناظم مقرر کیا۔ مگر ابھی بادشاہ واپس اٹک تک ہی پہنچا تھا کہ بھنگی سرداروں

نے حملہ کر کے کابلی مل کو شکست دی اور سرہند کے حاکم کو قتل کر کے شہر کی

اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ 1765ء کے حملے کے بعد افغانی بادشاہ جب وطن

روانہ ہوا تو اس کے ٹھیک ایک ماہ بعد سکھوں نے لاہور پر قبضہ کر لیا۔

1766ء میں ابدالی نے جب لاہور پر حملہ کیا تو تینوں سکھ سردار گوجر سنگھ،

لہنا سنگھ اور سوبھا سنگھ لاہور میں موجود تھے جو افغانی بادشاہ کی

آمد کا سن کر فرار ہو گئے۔ انہی واقعات کے بارے میں پنجاب میں یہ شعر

زبان زد عوام ہوا:

مجو مجے دی سوگیا گئی، گجر دا گیا مال
لہنے نوں دنیا آیا، تینوں ہوئے کنگال

1767ء کو سرہند کے قریب کالا مل کے بھتیجے پھولکیاں مثل کے سردار

امر سنگھ کو ابدالی بادشاہ کی طرف سے خلعت، علم، راجۂ راجگان کا

خطاب اور سرہند کی صوبہ داری عطا ہوئی۔ اس کی تفصیل درۃ الزمان

میں موجود ہے۔ اس کے مطابق امر سنگھ نے احمد شاہ ابدالی کو راجگی کے خطاب

اور خلعت کے عوض ایک لاکھ روپیہ پیش کیا۔ امر سنگھ کو یہ سودا مہنگا نہیں

پڑا کیونکہ اس نے نذر کے ساتھ ہی بادشاہ کو راضی کر لیا کہ سہارنپور اور

متھرا کے قرب و جوار سے جو سکھ قید کئے گئے ہیں چھوڑ دئیے جائیں۔ قوم

نیکی کے بدلے سکھوں نے اسے "بندی چھوڑ" کا خطاب دیا[1] جو ابدالی کے دئیے ہوئے

راجۂ راجگان کے خطاب سے اس کے لئے زیادہ قیمتی تھا۔ امر سنگھ کابلی

کی غیر حاضری میں حاکم لاہور تھا کہ سکھ سرداروں لہنا سنگھ اور گوجر سنگھ

قلعے کے مسلمان پاسبانوں کو انعام و اکرام کا لالچ دے کر ساتھ ملا

لیا اور قلعے کی دیوار میں سوراخ کر کے اندر داخل ہو گئے۔[2] امر سنگھ کو گرفتار کر لیا

گیا اور شہر پر دوبارہ تینوں حاکم گوجر سنگھ، لہنا سنگھ اور سوبھا سنگھ کی حکومت

۱۔ عزیز الدین وکیل پوپلزئی: درۃ الزمان ص ۱۲۲ طبع کابل ۱۳۳۷ھ

۲۔ مفتی علی الدین: عبرت نامہ ص

کرنے لگے - گویا اس زمانے کا لاہور ایک ایسی گردن تھا جس پر تین تلواریں لٹک رہی تھیں -
احمد شاہ ابدالی کی وفات کے بعد اس کا بیٹا تیمور شاہ تخت نشین ہوا،

جس نے ۱۲۰۷ھ میں ~~[illegible]~~ فالج اور لقوے کے مرض سے وفات پائی

~~[illegible]~~ تیمور شاہ کے بعد اس کا بیٹا زمان شاہ تخت پر بیٹھا -

مولوی سید محمد لاہوری نے ایک کی وفات اور دوسرے کی تخت نشینی کو ایک

ہی مادۂ تاریخ میں بڑی خوبصورتی کے ساتھ موزوں کر دیا؛

دو نقش چو جانگداز و جہاں خواہ نشست
خورشید برآمد زافق ماہ نشست
از گردش مہر و ماہ تیمور ز تخت
برخاست و نواب زمان شاہ نشست [۱]

تخت کے اعداد ۱۴۰۰ میں سے تیمور کے اعداد ۶۵۶ خارج کر دیئے جائیں
تو باقی ۷۴۴ بچیں گے - ان میں زمان شاہ کے ۴۶۳ اعداد جمع کرنے سے
وفات اور تخت نشینی کا سال ۱۲۰۷ برآمد ہوتا ہے۔

تیمور شاہ اپنے باپ کے مقابلے میں بے حد نرم دل اور صلح جو تھا۔ اس

کے دورِ حکومت میں پنجاب افغانی آشوب سے محفوظ رہا - اور بادشاہ نے

---

[۱] مولوی احمد بخش یکدل چشتی: تحفۂ یکدل ص۵۹ قلمی - مولوی یکدل نے لکھا ہے
تیمور شاہ کی وفات کا سن کر لاہور کے مشہور دانشمند میر منصور شاہ ان کے دادا مولوی
محمد ابراہیم چشتی کے پاس آئے اور کہا " رہا الشیخ تیمور شہ بمرد - مولوی صاحب نے کہا
تاریخ کہنے والا تھا، میر منصور شاہ " تیمور شہ بمرد " موزوں کیا تو یہی مادہ تاریخ تھا
یعنی کہ تیمور شہ بمرد کے اعداد درست ۱۲۰۷ تھے - مولوی محمد ابراہیم چشتی نے میر منصور شاہ
کو حافظ الحکیم کہا اور بے حد تعریف کی -

بھی زیادہ وقت اپنے ملک کے حالات سنوارنے میں صرف کیا۔ اس عرصہ

میں سہ حاکمان لاہور بغیر کسی مخالفت کے لاہور پر حکومت کرتے رہے۔ اس زمانہ

تک پنجاب میں برائے نام مغلوں یا افغانوں کا سکہ رائج تھا، اصل حکومت سکھوں

کی تھی جو مختلف ریاستیں قائم کر کے پنجاب کے گوشے گوشے میں مطلق العنان

حاکموں کی طرح رہتے تھے۔ ان ریاستوں کو مسلوں کا نام دیا گیا تھا۔

یہ مسلیں بارہ کی تعداد میں بیان کی جاتی ہیں۔

پر مشتمل [illegible] مجموعاً سکھ سرداروں کے جتھوں یا [illegible] پر مشتمل ہوتی تھی۔

شاہ زمان نے تخت نشین ہوتے ہی پنجاب پر حملے کا ارادہ کیا۔ اس نے

پہلے 1895 میں پنجاب کا رخ کیا لیکن قلعہ رہتاس سے ہی واپس

چلا گیا۔ 1798ء میں دوسری بار لاہور آیا، سہ حاکمان شہر چھوڑ

کر فرار ہو گئے؟ اور وہ بلا روک ٹوک شہر میں داخل ہو گیا۔ اسی دوران

میں اسے اپنے بھائی شاہ محمود کی بغاوت کی خبر ملی جس پر وہ [illegible]

واپس چلا گیا۔ [illegible] ایک تو شاہ زمان جلدی میں تھا اور دوسرے

سیلاب کے باعث دریائے جہلم پر واقع کشتیوں کا پل ٹوٹ گیا، جس کی

وجہ سے بادشاہ کی بارہ توپیں دریا میں گر گئیں۔ جنہیں سکھ چپکے [illegible]

کے صوبہ دار رنجیت سنگھ نے نکلوا کر کابل بھیج دیا۔ شاہ زمان کے لاہور سے نکلتے ہی کچھ عرصہ حاکمان نے دوبارہ لاہور پر قبضہ کر لیا لیکن اس کے باوجود شاہ زمان نے رنجیت سنگھ کو اس خدمت کے صلے میں لاہور کی حکومت کا پروانہ بھیج دیا۔

عزیز الدین وکیلی فوفلزئی نے لکھا ہے کہ رنجیت سنگھ اور شاہ زمان کے درمیان دوستی اور اطاعت کا رشتہ ایک عرصے سے استوار تھا، اور یہ اقرار شاہ زمان کی مدبرانہ اور دوراندیش حکمت عملی کا نتیجہ تھا۔ فوفلزئی کا بیان یہ ہے:

> در حین ورود موکب همایونی در پیشاور چون قبل از آن عزم داشت
> که منصب راجه امرسنگه شخصی را از آن طایفه لقب مهاراجه بخشد، درین
> فرصت استرضاء خاطر خطیر شهنشاه زمان برین قرار یافت
> تا رنجیت سنگه را که چند بار در لاهور بحضور اعلیحضرت موصوف
> بشرف رکاب بوسی حاضر شده ... لازم فرمود که از میان
> نفر زعیم مشهور موجوده سکهان آن جوان صاحب رشادت و فراست
> را در قطار آنها امتیاز بخشیده بحکومت لاهور و بلقب مهاراجه سرگیانی
> سرفراز فرماید۔ [1]

فوفلزئی کی عبارت میں رسمی اور مبالغہ آمیز باتیں زیادہ ہیں، ورنہ نہ تو رنجیت سنگھ اس زمانے میں اتنا اہم تھا کہ اسے تمام سکھ مثلوں میں صاحبِ رشادت اور فراست سمجھا جاتا اور نہ ہی شاہ زمان کے خزانہ یا سند نامے میں ایسی جان

---

[1] عزیز الدین وکیلی فوفلزئی: درۃ الزمان، ص ۱۴۲، طبع کابل ۱۳۳۷ ھ

تھی کہ مسہ حاکمانِ لاہور سے چھین کر اپنے شاگرد کے ساتھ لگا دے اور رنجیت سنگھ

کی اطاعت میں سرِ تسلیم خم کر دیتے۔ وہ تو رنجیت سنگھ کی خوش بختی تھی کہ

لاہور کی سیاست میں ایسے حالات پیدا ہو گئے جنہوں نے رنجیت سنگھ کے

ستارۂ بخت کو چمکا دیا اور اس کے سر پر حکمرانی کا تاج رکھ دیا۔

ورنہ اس صورت حال کی موجودگی میں رنجیت سنگھ دوسروں کے مقابلے میں

لاہور کا قانونی وارث تھا۔

لاہور کے آخری نام نہاد مسلمان ناظم داؤد خان کو اکابرینِ لاہور

کے جس گروہ نے مسہ حاکمانِ لاہور یعنی لہنا سنگھ، گوجر سنگھ اور سوبھا سنگھ

کے حق میں دستبردار ہونے کا مشورہ دیا تھا، ان میں میاں محمد عاشق،

میر شکور شاہ، حافظ شاہ در بخش شاہ جی، لالہ بہار رائے اور حکیم حاکم رائے

کے نام تاریخ میں ثبت ہو چکے ہیں۔[1] ان کو اس خدمت کے عوض عہدے

وزارت، وظائف اور انعام و اکرام ملتے رہے۔ ان حاکموں میں

سے لہنا سنگھ نسبتاً انصاف پسند آدمی تھا، اس کی حکومت میں ہر مذہب و

ملت کے آدمی کو یکساں سمجھا جاتا تھا۔ لہنا سنگھ مسلمان شہزادوں

---

1. DR. M. BAQIR: LAHORE PAST AND PRESENT. P. 201
LAHOR. 1952.

11350

خصوصاً عید الضحیٰ پر مسلمان قاضیوں، مفتیوں اور اماموں کی دستار بندی کرواتا تھا اور انہیں مدد معاش کے طور رقمیں بھی دیا کرتا تھا۔

سکھ حاکمان لاہور کی وفات کے بعد ان کے جانشینوں میں وہ دم خم نہ تھا۔ وہ مسلمانوں کو شک کی نگاہ سے دیکھنے لگے تھے۔ شاہ زمان کے حملے کے بعد لاہور کے حاکم مسلمانوں پر کڑی نظر رکھتے تھے اور انہیں شاہ زمان کا جاسوس سمجھا جاتا تھا۔ شک کی بنا پر قید و بند کی اذیتیں مسلمانوں کو برداشت کرنا پڑتی تھیں۔ اسی قسم کا الزام میاں محمد عاشق کے داماد میاں بدرالدین پر لگایا گیا اور اسے قید و بند میں ڈال دیا گیا۔ اسی حوالے سے لاہور کے مسلمان زمینداروں خصوصاً ارائیوں اور راجپوتوں کو سزا تو بے حرمتی کے شکنجے سے گزارا جا رہا تھا۔ چنانچہ اہل لاہور ان مظالم سے تنگ آکر نواب قطب الدین خان والی قصور کو لاہور پر حملہ کرنے کی درخواست کی، مگر اس کوشش کی تکمیل بروقت مخبری کے سبب سکھ حاکمان ہوشیار ہوگئے اور قطب الدین خان کا منصوبہ پایہ تکمیل تک نہ پہنچ سکا۔

اس کے بعد مسلمانانِ لاہور نے رسول نگر جاکر رنجیت سنگھ کو دعوت دی کہ وہ لاہور پر حملہ کرے اس سے ساتھ ہی اسے وعدے اور اہل لاہور کی حمایت

رنجیت سنگھ کو جن محب وطنوں نے خط و کتابت کر کے بلایا تھا، ان میں
میاں محمد عاشق[1]، مولوی محمد سلیم، میر امیر بخش مشہور شہسوار و رئیس لاہور، حکیم
حکم دین باغبان رئیس کوٹ، عابد خان اناری والا، محمد عظیم،
حافظ محمد[2]، مہر شادی گنڈار بند، احمد خان ڈھینڈا، لاہوری اور میاں جان محمد
شامل تھے۔ انہوں نے محمد عظیم باغبان کو یہ پیغام دے کر رنجیت سنگھ
کے پاس روانہ کیا کہ حملے کی صورت میں لوہاری دروازہ کھلا رکھا جائے گا۔

چنانچہ رنجیت سنگھ ۱۵۔ ماہ صفر ۱۲۱۵ھ مطابق ۱۵۔ خرداد ماہ (مطابق)
۱۸۵۶ بکرماجیت کو لوہاری دروازے سے وارد لاہور ہوا۔ تینوں
حاکموں نے راہ فرار اختیار کی۔ رنجیت سنگھ خود محمد عاشق اور محمد سلیم کے
پاس گیا اور انہیں جوڑے کی تسلی اور دلاسا دے کر اپنی سرپرستی کا
یقین دلایا۔ مہر حکم دین کو کوٹ کی جاگیر، سونے کے کڑے[1]
اور بابا کا خطاب دیا گیا۔ اس کے علاوہ اسے لاہور کا مدار المہام یعنی
چیف ایڈمنسٹریٹر بھی مقرر کیا گیا۔[2] اس کے بعد وہ قلعہ، شہر کی فصیل اور
شالامار کی تعمیر اور مرمت کی طرف راغب ہوا۔ اس کے بعد شہر کے نظم و نسق

۱۔ مولوی احمد بخش یکدل چشتی: تحفۂ یکدل، ص ۲۰۳ قلمی۔
2. DR. M. Baqir: Lahore Past and Present Page 206, Lahore, 1952.

ماخذ —— مخطوطات

تحفۂ یکدل، سکھ شاہی کی سیاسی اور تمدنی تاریخ، مولوی احمد بخش یکدل حسینی
بخط یکدل، مخزونہ کتب خانہ گوہر نوشاہی، سنہ تصنیف ١٢٣٣ھ

تاریخ سیر و شکار: سید احمد شاہ بٹالوی، مکتوبہ ١٢٨٣ھ
بخط سید رجب علی بن سید حاجی شاہ ساکن بٹالہ، بپاس خاطر
سید حسین شاہ بٹالوی۔ مخزونہ دیال سنگھ لائبریری لاہور

روزنامچہ یکدل: مولوی احمد بخش یکدل حسینی
مرقومہ یکم محرم ١٢٤٩ھ / ا مئی 1833ء تا غایت (اختتام) ربیع الاول ١٢٥٠ھ
بخط یکدل، مخزونہ کتب خانہ گوہر نوشاہی

بیاض اشعار: مولوی احمد بخش یکدل حسینی
بخط یکدل، مخزونہ کتب خانہ گوہر نوشاہی

حکایات شریفہ: پیر کمال لاہوری، بخط سید رشید علی، حلوکہ دیال سلامت علی ...

مطبوعات

درۃ الزمان: عزیز الدین وکیلی فوفلزئی: مطبع کابل ١٣٣٧ھ

تحقیقات چشتی: مولوی نور احمد چشتی، مرتبہ مولوی انشاء اللہ خان ایڈیٹر وطن
حمیدیہ سٹیم پریس لاہور ١٣٢٤ھ

اسرار محمدی: مصنف نامعلوم، مرتبہ پروفیسر محمد شجاع الدین،
مطبع لاہور

تاریخ نادری: میرزا مہدی خان، مطبع تبریز ١٢٦٨ھ / 1852ء
تاریخ نادر شاہی: محمد شفیع تہرانی، چاپ تہران شہریور ماہ ١٣٤٩۔
محبت نامہ: مفتی علی الدین بن خیر الدین، مرتبہ ڈاکٹر محمد باقر
مطبوعہ پنجابی ادبی اکیڈمی، لاہور

واقعات درانی ، منشی عبدالکریم ، ترجمہ : میر وارث علی سیفی
پنجابی ادبی اکیڈمی لاہور، 1963ء

رنجیت سنگھ : سر لیپل گرفن ، ترجمہ : مولوی نظیر حسین
مطبع سرکاری حیدرآباد دکن 1922ء

کمپنی کی حکومت : باری علیگ
سویرا آرٹ پریس لاہور 1969ء

لاہور کی سیاسی و تمدنی تاریخ (مقالہ) : پروفیسر محمد شجاع الدین مرحوم ، نقوش لاہور نمبر

تاریخ پنجاب : کنہیا لال ہندی : مرتبہ کلب علی خان فائق
مجلس ترقی ادب لاہور۔ 1981ء

ENGLISH BOOKS.

History of the Panjab, Syed Mohammad Latif,
Calcutta 1891.

Lahore, Past and Present, Dr. Mohammad Baqir,
Lahore. 1952

Events at the Court of Ranjit Singh. 1810–1817.
Lt. Col. H.L.O. Garrett. Lahore: 1935.

——— Chronology of Modern India,
Reggers, Lahore.

اور امن و امان بحال کرنے پر توجہ دی۔ رعایا کے دل سے خوف و ہراس
دور کیا اور ہر مذہبی شخص کو آزادی کی ضمانت دی۔ رنجیت سنگھ نے جلد ہی اردگرد
کے چھوٹے چھوٹے راجواڑوں اور جاگیرداروں کو اپنے ماتحت بنا لیا اور
بکرمی سمت ۱۸۵۸ مطابق ۱۲ اپریل 1801 کو لاہور میں ایک دربار منعقد
کیا جس میں رنجیت سنگھ نے سرکار کا لقب اختیار کیا۔ 1802 میں اس نے
سردار فتح سنگھ اہلووالیہ سے امرتسر میں پگڑی بدلی کی اور دونوں میں
بھائی چارہ قائم ہوا۔ اسی سال یعنی 1802ء میں ہی بھنگیوں سے امرتسر
خالی کرایا اور ان کے مقبوضات الحاق کر لیے۔ 1805 میں مرہٹہ سردار
جسونت راؤ ہلکر ساٹھ ہزار سوار اور ایک لاکھ پیادہ فوج لے کر امرتسر میں
وارد ہوا۔ اس کے تعاقب میں انگریزی فوج تھی۔ مہاراجہ نے ہلکر سے صلح کی
اپنی مدبرانہ اور سیاست مندانہ طرز عمل سے اگر ایک طرف اسے انگریزوں
کے ساتھ صلح پر آمادہ کر کے اپنی سرحدوں سے مرہٹوں اور انگریزوں دونوں
کی یلغار کا خطرہ دور کیا تو دوسری طرف ہلکر سے حکمرانی اور کشور کشائی
کے بھید سے وصول بھی سیکھ لیے۔ [illegible]
اس ملاقات میں [illegible]

رنجیت سنگھ نے ہلکر کی تباہی، انگریزوں کی سیاست اور عسکری تنظیم

کے قبضے میں آئے۔ سید احمد شاہ بٹالوی کے بقول اسی دن سے رنجیت سنگھ

کے دل میں انگریزوں کی طاقت کے خوف نے جگہ حاصل کر لی۔ سید احمد شاہ

کی متعلقہ عبارت درج ذیل ہے:

"در سمت ۱۸۶۲ (1805ء) مرہٹہ جسونت راؤ از فرنگیان گریختہ
با جمعیت شصت ہزار سوار و یک لک پیادہ بہ ملک پنجاب آمدہ و بیرون
شہر امرتسر گردیرہ انداخت۔ و متعاقب او یکی از امرای فرنگ
جنرل لیک نام داشتہ ... رسیدہ، و در دوآبہ بست
جالندھر در دریای بیاہ مقابل جلال آباد فرود آمدہ و وکیلان طرفین
باہم آمد و رفت نمودہ باہم سخن مصالحہ در میان آوردند۔ و عرصہ
دو ماہ در میان گذشت۔ و رنجیت سنگھ در امر شہ با امداد جسونت راؤ
ملحق شدہ بسیاری از قواعد ریاست و ملک گیری، از ہر قسم واقعات
و حکایات محاربات با فرنگی شنیدہ بغایت تعجب نمود۔ و از
آن روز بابت بیم و ہراس فرنگیان در دل رنجیت سنگھ مستحکم شد۔"[1]

1806ء میں لدھیانہ اور گھونگھر کے اضلاع پر قبضہ کیا۔ 1807ء میں

مہاراجہ سنگھ کی جاگیر واقع ہوشیارپور، متصور اور گوگیرہ الحاق کر لی گئی۔

اسی سال نارائن گڑھ، دونی، مرنڈا، زیرا وغیرہ کی ریاستیں بھی

فیروزپور کے گرد و نواح میں لے لی گئیں۔ 1808ء میں انگریزوں نے

---

[1] سید احمد شاہ بٹالوی، تاریخ ہندوستان حصہ ۱۰۲۲ و حصہ ۱۰۲۳ قلمی

مٹکاف کی سرکردگی میں ایک مشن روانہ کیا جس کا مقصد راجہ کو اپنے اور

انگریزوں کے درمیان سرحدی حدود کے تعین اور احترام کی طرف توجہ

دلانا تھا۔ اسی سال سرہند کے سکھوں نے رنجیت سنگھ کے خلاف سرکار

انگریزی سے حفاظت کی درخواست کی۔ 1809ء میں مہاراجہ اور انگریزوں

کے درمیان ایک معاہدے پر دستخط ہوئے جس کی رو سے ستلج کے اس پار

مہاراجہ اور دوسرے کنارے پر انگریزی حکومت کے زیر حمایت راجہ ہوں گے۔

اور مہاراجہ ان کی جاگیروں میں مداخلت کرنے کی کوشش نہیں کریں گے۔ پھر تو

مہاراجہ اپنی مشرقی سرحدوں سے مطمئن ہو کر مغرب اور شمال کی

طرف فتوحات کا سلسلہ شروع کیا۔ اور جہاں کہیں پہنچا فاتح بن کر

چھا گیا۔ پشاور، ملتان، کشمیر وغیرہ سب زیر نگیں آ گئے۔

مہاراجہ نے سیاسی اعتبار سے پنجاب کو ایک ایسا قلعہ بنا دیا جس کی

دیواروں کو اگر مہاراجہ کے نا اہل جانشین اور انگریزوں کی مشاطرانہ حکمت عملی

کمزور نہ کرتی تو پنجاب کو کبھی انگریزی حکومت کا منہ دیکھنا نہ پڑتا۔

مہاراجہ نے اپنی وفات یعنی 1839ء تک تقریباً چالیس سال حکومت کی۔

اس عرصے میں لاہور صحیح معنوں میں عروس البلاد کی حیثیت اختیار کر گیا۔

والی دور کے تمدنی کوائف اور ... حصے میں پیش کئے جا رہے ہیں۔ سیاسی اعتبار
سے دربار لاہور ہندوستان بھر میں سب سے اہم ترین طاقت سمجھی
جاتی تھی، جسے انگریز بھی خطرہ محسوس کرتے تھے۔

رنجیت سنگھ کی وفات سے کئی سال پہلے انگریزوں نے پنجاب میں تخریبی کارروائی
سرگرمیوں کا آغاز کر دیا تھا۔ مہاراجہ نے انگریزوں سے دوستی کا معاہدہ تو
کر لیا تھا لیکن وہ ان کی دوستی پر کبھی بھی پوری طرح اعتماد نہ کرتا تھا۔ خود
بھی انگریزوں اور مہاراجہ کے درمیان معاہدے کو دس سال گزر چکے تھے کہ
۱۸۱۹ء میں انگریزوں کی پنجاب میں ایک اقدام کے خلاف مہاراجہ نے اپنے نمائندے
کی خفیہ رپورٹ میں انگریزوں کی نیت پر شبہ کرتے ہوئے اپنے احساسات کا
جو اظہار کیا وہ خالصہ دربار کے ریکارڈ میں محفوظ ہے۔ ۱۴ جون
۱۸۱۹ء کو دینا نگر میں منعقدہ دربار میں رنجیت سنگھ نے بھائی گوربخش سنگھ
دھنا مالوائی اور بعض دوسرے نمائندوں کو ہدایات میں کہا:

"با وجود چندین دریافت شد که هر چند چندین بار سرکار و صاحبان انگریز
بہادر دوستی دارند۔ لیکن از طرف ایشان حرکت ظاہرداری بکار می برد۔
لهذا اینجانب خود همین تجویز می داشتم که هرگاه صاحبان انگریز بہادر سوال
و جواب نوع دیگر بعمل خود آورند کسی را فهمیده رفیق خود خواهم
کرد۔ هرگز نه برده چیزی که به رو سرکار کرده قلعه گوبندگڑھ با دوستان داده

روشناں را رونق خود کردہ خواہند شد۔[1]

ظاہر ہے یہاں گورنر کی مراد جسونت راؤ ہلکر سے ہے، جو اس زمانے

میں انگریزوں کا بدترین دشمن تھا۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ ابتدائی فتوحات کے بعد بہ کثرت مے نوشی اور عیش و عشرت

میں مشغول ہو گیا تھا۔ وہ زندگی کے ہر شعبے میں جرأت مند اور جری تھا، اس نے

عیش کوشی میں بھی کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ اس سبب سے پہلے

1826ء میں وہ سخت بیمار ہوا، درباری طبیبوں کے علاوہ بیرونی ڈاکٹروں

نے بھی علاج کیا۔ اس کے بعد 1833ء کے آخر میں مہاراجہ پر فالج کا شدید حملہ ہوا

جس کی تفصیل مولوی احمد بخش یکدل کے روزنامچے میں موجود ہے۔[2] یکدل کے

مطابق مسٹر کھاری مارٹن ساشتری کی زبانی جو بیماری کی حالت میں مہاراجہ کے

طبیبوں کو مشورے دیا کرتا تھا، یکدل کو معلوم ہوا کہ مہاراجہ اسہال کے

مرض میں مبتلا ہے۔ چونکہ یکدل کے نزدیک افیون کے سبب اسہال رک

جاتے ہیں اور مہاراجہ افیون کا عادی تھا، اس لئے یہ مرض، فالج کا

1- LT. COL. H.L.O. GARRETT; Events at the Court of Ranjit Singh 1810-1817. LHR 1935.

2- مسٹر لیپل گرفن نے فالج کے حملے کا سال 1834 لکھا ہے۔ لیکن مولوی یکدل کے روزنامچے میں اس واقعے کا اندراج کاتک 1890 مطابق نومبر 1833 میں ہوا ہے۔
مسٹر لیپل گرفن؛ رنجیت سنگھ صفحہ ۱۴۰۔ مولوی احمد بخش یکدل؛ روزنامچہ سال 1833 قلمی

میں حکیم مانا جا سکتا تھا۔ مسٹر کلارک نے یہ اطلاع بھیجی کہ مہاراجہ کے

بازو اور گلے اور ٹانگ تک سختی پیدا ہو رہی ہے اور فقیر عزیز الدین و موسیو ہانگ برگر تجویز کی

ہے۔ فقیر و دیگر حکیم مہاراجہ کو ہنسی خوشی تسلی دے رہے ہیں فی الحقیقت مہاراجہ پر

فالج کا حملہ ہو چکا ہے۔[1] یہ مرض معمولی نہیں بلکہ خطرناک تھا اور مہاراجہ

صاحب فراش ہو گئے۔ طبیبوں نے جان کی بازی لگا کر علاج کیا جس سے

چند دنوں میں رنجیت سنگھ کو خاص افاقہ ہوا اور وہ دوبارہ امور سلطنت انجام دینے

لگا۔ طبیبوں نے مہاراجہ کو سختی سے منع کیا کہ وہ آئندہ شراب نہ پیے۔

مہاراجہ کی بیماری اگر ایک طرف خالصہ حکومت کے خیر خواہوں کے لیے

حکومت کی بنیادیں کھوکھلی تھی تو دوسری طرف ارکان سلطنت کے لیے سنہرا موقع۔ کیونکہ انہیں

سلطنت کے لیے سازشیں کرنے کا موقع فراہم کر رہی تھی۔ چنانچہ مہاراجہ کی بیماری

کے ساتھ ہی اندرونی اور بیرونی سازشوں کا عمل شروع ہو گیا۔ ایک طرف

انگریزوں نے مہاراجہ کے بعد ہی سلطنت پر ڈورے ڈالنے شروع کیے اور خود

مہاراجہ کے بڑے فرزند کھڑک سنگھ سے دوستانہ راہ و رسم بڑھانے شروع کیے تو

دوسری طرف داخلی امور کے ذمہ دار ارکان نے استحکام سلطنت کی بجائے قتل

---

[1] مولوی احمد بخش چشتی: روزنامچہ سمت ۱۸۹۰/1833ء قلمی

طرف مکمل اختیار کرنے کی سفارش کی۔

مہاراجہ پر فالج کا دوسرا حملہ 1834ء کے موسم سرما میں ہوا۔ اسی سال
سرکار انگریزی کا فوجی مرکز افغانی مہم کے لئے فیروزپور میں قائم ہوا۔ گورنر جنرل
لارڈ آکلینڈ فیروزپور میں مہاراجہ سے ملنے آیا۔ انہیں علم تھا کہ طبیبوں نے مہاراجہ کو
شراب منع کر رکھی ہے۔ اس کے باوجود وہ اپنے ہمراہ ولایتی شراب لائے اور
خود پینے کے ساتھ مہاراجہ کو عمداً کثرت سے شراب پلائی۔ بعض مورخین
کا خیال ہے کہ فالج کا یہ حملہ 1837 میں نونہال سنگھ کی شادی کی تقریب
میں کثرت شراب نوشی کے سبب ہوا۔ یہ کنور نونہال سنگھ کی شادی پر
انگریزی حکومت کی نمائندگی انگریزی فوج کے کمانڈر انچیف سر ہنری فین
کر رہے تھے۔ وہ بھاری مقدار میں ولایتی شراب مہاراجہ کے تحفہ کے طور پر
لائے تھے اور شراب نوشی کی نجی محفل میں ہنری فین نے مہاراجہ سے اس قدر
بے اعتدالی کرائی کہ اس کے لئے جان لیوا ثابت ہوئی۔

بہر حال انگریزوں یا مہاراجہ کے دیگر حریفوں کی چالوں کا سبب جو بھی
ہو مہاراجہ مفتخر ہندو اور مسلمان مذہبی جماعات میں ۲۵ لاکھ روپیہ خیرات
بھیجنے کے بعد بستر چھوڑ کر زمین پر لیٹ گیا اور بالآخر ۱۵ ہاڑ سمت ۱۸۹۶ بکرمی ۲۷ جون 1839ء کو

اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔[1]

مہاراجہ کے عہد کا اہم واقعہ سید احمد شہید کا جہاد تھا، جو 1829 میں شروع ہوا اور چند برسوں تک رہا اور بعض نا عاقبت اندیش علماء کی غداری سے ناکام ہو گیا۔[2]

مہاراجہ رنجیت سنگھ کی وفات کے بعد اس کا سب سے بڑا بیٹا کھڑک سنگھ تخت نشین ہوا۔ اس نے بھی باپ کی سیاست جاری رکھنے کا اہتمام کیا۔ اس کا زمانۂ سلطنت بہت مختصر تھا کیونکہ کھڑک سنگھ ذہنی ارادے کا مضبوط اور امور جہانداری کے لئے موزوں نہ تھا، تاہم اس نے داخلہ اور خارجہ پالیسیوں کو مجروح نہیں ہونے دیا۔

غرضیکہ مہاراجہ کی وفات کے تھوڑا عرصہ بعد ہی مہاراجہ کھڑک سنگھ نے [illegible] میں گورنر جنرل آکلینڈ کی [illegible] کے لئے فقیر [illegible] وفد روانہ کیا جس میں دیگر ممتاز افراد کے علاوہ سردار لہنا سنگھ سردار [illegible] سنگھ، راجہ [illegible] اور فقیر سید عزیزالدین قابل ذکر تھے۔ اس ملاقات میں آکلینڈ نے ان سرداروں کی [illegible] کی اور دل کھول کر ان سے [illegible]۔ اس ملاقات میں جن [illegible]

---

[1] سید لطیف، تاریخ پنجاب 30 جون 1839ء، تاریخ لاہور (انگریزی) میں 27 جون 1839 درج ہے اور سر لیپل گریفن نے رنجیت سنگھ میں 27 جون 1839 لکھا ہے جو درست ہے۔

[2] سید احمد شہید 1831ء میں بالاکوٹ کے مقام پر شہید کر دیئے گئے۔ سکھوں کے علاوہ [illegible] غداری ان کی شہادت پر منتج ہوئی۔

پر گورنر جنرل کی طرف سے سوالات ہوئے، ان کا تعلق زیادہ تر سید احمد شہید کے جہاد
میں سکھوں کی فوجی حکمت عملی، ڈیرہ کی جنگ میں افغانوں کے خلاف کس طرح لڑائی
کی گئی؟ شب خون اور جرود کے ہنگامے کی تفصیلات وغیرہ۔ اس کے علاوہ پنجاب میں
عدالتوں کا طریق انصاف، اور معاشرتی زندگی میں طوائف نوروزی پر سوالات
کئے گئے؟۔ جو سوال اپنے ~~[illegible]~~ اندر ایک واضح سیاسی مفہوم لئے ہوئے تھا،
وہی ملاقات میں گورنر آکلینڈ نے سید احمد شہید کو شرارت پیشہ کہا جو کہ
خالص سیاسی نزاکتوں کے پیش نظر فقیر سید عزیز الدین کو چونکا دینے کو کافی تھا[1]
اس ملاقات کی مکمل تفصیلات فقیر سید عزیز الدین کی سیاسی ڈائری میں
موجود ہیں ~~[illegible]~~

راجہ دھیان سنگھ کی ہوس اقتدار، نونہال سنگھ کی سرکشی اور درباری امراء
کی باہمی سازشوں نے مہاراجہ کھڑک سنگھ کو تخت سے کنارہ کشی پر مجبور کیا اور تمام
امور سلطنت نونہال سنگھ کے ہاتھ میں آ گئے۔ جنہوں نے باپ پر ظلم و ستم روا رکھنے میں
کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ کھڑک سنگھ جب کنارہ کش ہو کر قلعہ بند ہوا تو بیٹے
نے سخت بیماری کی حالت میں اس پر ٹھنڈا پانی ڈلوا دیا۔ مہاراجہ کی وفات کے چند روز
پہلے نونہال سنگھ اور (مہاراجہ) دھیان سنگھ جب مہاراجہ سے ملنے گئے؟ تو انہوں نے
نونہال سنگھ سے مخاطب ہو کر کہا "اے کنور تو جیوڑ ہے" یعنی ناخلف ہے۔ اس کے
علاوہ بیٹے کو سراپ دیا اور کہا کہ تجھے سلطنت نصیب نہیں ہوگی۔
مہاراجہ کھڑک سنگھ کی دعا پوری ہوئی چنانچہ ۱۸۴۰ء میں مہاراجہ کھڑک سنگھ
کی وفات پر ماتم کی ارتھی جلا کر جب کنور نونہال سنگھ واپس ہٹتے ہوئے

---

[1] فقیر سید عزیز الدین: روزنامچہ سیاسی مخزونہ محمد علی بک گھر لاہور۔ تحریر کا
اس حصہ کے فوٹوسٹیٹ سے استفادہ کیا گیا ہے۔

سے شہزادہ اصفہان سے واپس آ رہا تھا تو سلامی کی توپوں کی گھن گرج کے باعث شاہی قلعہ کی دیوار سے ایک شہتیر گرا اور سیدھا نونہال سنگھ اور اس کے دوست اودھم سنگھ کے اوپر آن پڑا۔ دونوں کنور بے ہوش ہو گئے اور قلعے تک زندہ جانا نصیب نہ ہوا۔

اس واقعے کی تاریخ کنہیا لال نے ۵۔ نومبر ۱۸۴۰ درج کی ہے۔[1]

نونہال سنگھ کی وفات کے بعد کچھ دیر اس کی والدہ مہارانی چند کور نے انتظام حکومت اپنے ہاتھ میں لیا۔ پھر راجہ دھیان سنگھ کے ایما پر مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ایک بیٹے کنور شیر سنگھ کو تخت لاہور پر بٹھایا گیا۔ شیر سنگھ مہاراجہ کے زمانے سے ہی بٹالہ کا حکمران تھا۔ مہاراجہ شیر سنگھ نے حکمت عملی سے لاہور کا تخت حاصل کیا، مہارانی چند کور کو کنیزوں کے ہاتھوں مروا ڈالا، انتظام سلطنت جرأت اور مردانگی کے ساتھ انجام دیتا تھا۔ مہاراجہ شیر سنگھ کی تخت نشینی کے واقعے کو اس دور کے مشہور پنجابی شاعر مولوی غلام حسن خرم نے نظم کیا۔ اس منظومے کا پہلا شعر درج ذیل ہے:

سکھا راج نے جب نام دتا شاہ طرف کا مارا
لکھیو بادشاہ اور شہزادے کو سچ منتر لیا
تم اب تشریف لاؤ جو تمہارا تخت سنبھالا
الا یا ایہا الساقی ادر کاساً و ناولہا
کہ عشق آساں نمود اول ولی افتاد مشکل ہا[2]

راجہ شیر سنگھ سرداران سندھانوالیہ کے ہاتھوں قتل ہوئے، اور پنجاب میں تاریخی اور قابل راجوں کی حکومت ختم ہو گئی۔ نکلسن نے ایک جگہ لکھا ہے:

---

[1] کنہیا لال: تاریخ پنجاب، ص ۳۶۳، مرتبہ کلب علی خان فائق، مطبوعہ مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۸۱ء۔ کتاب مذکور کے نسخہ مطبوعہ ۱۸۸۱ء میں تاریخ وفات واقعہ مذکورہ نہیں ہے۔ دیکھیے کتاب مذکور نولکشور سٹیم مطبوعہ ۱۸۸۱ء میں کنہیا لال

[2] مولوی غلام حسن خرم: مضحکات خرم، قلمی مخزونہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری۔

و شیر منگو ششم ماگو سمت ۱۸۹۷ آمده بود و باز غره اسو چ سمت ۱۹۰۰ کشته شد - نونہال منگو را خدا گشت و حیز کور را کنیزان کشتند"۔ [۳]

---

۳ - مولوی احمد بخش یکدل: روزنامچہ یکدل (بیاض) نمبر 12 - مملوکہ راقم الحروف -

[illegible]

مہاراجہ رنجیت سنگھ کی وفات کے بعد پنجاب میں خون کی جو ہولی کھیلی گئی، اس کا محل وقوع لاہور تھا۔ جن معاصرین نے ان خونی مناظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھا، ان میں مولوی نور احمد چشتی، ان کے والد مولوی احمد بخش یکدل اور مفتی غلام سرور لاہوری قابل ذکر ہیں۔ نامی گرامی سکھ سردار حصول اقتدار کے لئے بساط سیاست پر آتے تھے اور مہروں پیادوں کی طرح پٹتے اور کٹتے چلے جاتے تھے۔ ایک طرف انگریزی شاطرانہ چالیں اور دوسری طرف راجہ دھیان سنگھ کی ہوس اقتدار، نا عاقبت اندیش سکھ فوج اپنے سرداروں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی کی طرح ناچ رہی تھی۔ تاریخ پنجاب کے تحقیقی مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ راجہ دھیان سنگھ اور اس کا خاندان نہ قوم پرست تھا نہ وطن پرست۔ یہ دربار لاہور کے اہم ترین رکن ہونے کے باوجود در پردہ انگریزوں کے ساتھ ملے ہوئے تھے۔ تاریخ سے یہ بات ثابت ہے کہ خالصہ سلطنت کے خاتمے اور پنجاب پر انگریزوں کے قبضے میں راجہ دھیان سنگھ اور اس کے بھائی گلاب سنگھ کی خود غرضی اور موقع پرستی کا ہاتھ تھا۔ نونہال سنگھ کی اپنے باپ کھڑک سنگھ سے بدسلوکی، نونہال سنگھ کا عروج و زوال، رانی سداکور اور راجہ شیر سنگھ کی فتح و شکست، کشمیر کی ویرانی اور دربار لاہور سے علیحدگی، یہ سب اس سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ انگریز اس ساری صورت حال سے بے خبر نہیں تھے، بلکہ وہ دست غیب بن کر ہر حال اور ہر حرکت و عمل میں برابر شریک نظر آتے ہیں۔

راجہ دھیان سنگھ کے ہاتھ میں رنجیت سنگھ نے مرتے دم کھڑک سنگھ کا ہاتھ دیا تھا۔ اس وقت کے بعد سے اپنی موت تک راجہ دھیان سنگھ اپنے آپ کو لاہور دربار کا امین اور بادشاہ گر سمجھتا رہا۔ جب تک راجہ کھڑک سنگھ قابو میں رہا، دھیان سنگھ اس کے گن گاتا رہا لیکن جب اس نے ذرا سی من مانی کرنی چاہی، دھیان سنگھ نے کنور نونہال سنگھ کو باپ کے خلاف بھڑکایا اور یہاں تک گستاخ کر دیا کہ اس نے نہ صرف باپ کے جیتے جی اس سے حکومت چھین لی بلکہ اسے جس بے دردی اور بے رحمی سے موت کے منہ میں دھکیلا وہ تاریخ پنجاب کا ایک عبرت ناک واقعہ ہے۔ نونہال کی اچانک موت پر راجہ دھیان سنگھ نے رانی چند کور کو صرف اس لئے گدی پر بٹھایا کہ وزارت عظمیٰ کا قلمدان اپنے ہاتھ میں رہے گا، لیکن جب اسے معلوم ہوا کہ رانی سندھانوالیہ سرداروں کی طرف جھک رہی ہے تو بٹالے سے راجہ شیر سنگھ کو لاہور پر حملہ کرنے کی دعوت دے دی۔ اور آخر کار لاہور اور اہل لاہور کی اینٹ سے اینٹ بجا کر راجہ دھیان سنگھ نے رانی کو راجہ شیر سنگھ کے سامنے ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا۔ اس موقع کو

دوسرے بھائی راجہ گلاب سنگھ نے قلعہ کی ساری دولت لوٹ لی اور راجہ شیر سنگھ کے ہاتھ تخت اور ہیرے کی نحوست کے سوا کچھ نہ آیا۔ راجہ شیر سنگھ اچھا سیاست دان ہو یا نہ ہو وہ علم دوست اور اہل علم و ادب کا قدردان تھا۔ نثار علی نکہت اور مولوی غلام حسن خرم کی شیر سنگھ کے دربار سے وابستگی کے شواہد موجود ہیں۔ مولوی غلام حسن خرم نے راجہ شیر سنگھ کی تخت نشینی کا واقعہ ایک نہایت خوبصورت تضمین میں پیش کیا ہے جس کی بنیاد حافظ شیرازی کی ایک فارسی غزل ہے۔ یہ تضمین خرم کے دیوان اشعار میں موجود ہے جس کا مخطوطہ مخطوطات خرم کے نام سے پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ ہے۔ یہ نظم اس جگہ تاریخ پنجاب کے ایک اہم ماخذ کے طور پر درج کی جاتی ہے۔

لکھا راجہ[1] نے جب نامہ وٹالے[2] طرف کا ملہا — کیا ہے بادشاہ[3] اور ست ہزادے[4] کو جو قتل لہا
تم اب تشریف لاؤ ہے تمہارا تخت سا ملہا — الا یا ایہا الساقی ادر کاساً و ناولہا
کہ عشق آساں نمود اول ولی افتاد مشکلہا

کہیں امراؤ کی مسند راج کی رانی[5] کو جو پایا بد! — کہا راجہ نے صورت بادشاہی کو نہیں شاید
مناسب ہے یہ بدنامی شیر سنگھ کو خوب جو آید — ببوی نافہ ای کآخر صبا زان طرہ بکشاید
ز تاب جعد مشکینش چہ خون افتاد در دلہا

سنا جب شاہ عالم[6] نے کہ رانی راج کی جوید — وٹالے سے چڑھا اس دم کہ دست از طلب کی شوید
کہا راجہ کے گفتہ پیر دلم بسیار می پوید — بمی سجادہ رنگین کن گرت پیر مغان گوید
کہ سالک بے خبر نبود زراہ و رسم منزلہا

غرض جب قلعہ بند امراء ہوئے لاہور میں باہم — رہ دن بندوق بیرون توپ سے عالم ہوا برہم
کیا سرداروں نے آپس میں مسلم یہ سخن محکم — مرا در منزل جانان چہ امن و عیش چون ہر دم
جرس فریاد میدارد کہ بربندید محملہا

ستم قلعہ کشا کچھ شیر سنگھ کا فضل شامل — ہوئے فتح و ظفر سے قلعہ لاہور میں داخل
عطر سنگھ[7] پار ستلج کے پکارے درد سے گھائل — شب تاریک و بیم موج و گردابی چنین ہائل
کجا دانند حال ما سبکباران ساحلہا

غرض جب شاہ عالم کو ہوئی فتح و ظفر آخر — کئی امراء ملے اور کئی پڑے قید شد آخر
جمعدار اس گھڑی بولا کہ جب نیکی ندید آخر — ہمہ کارم ز خود کامی بہ بدنامی کشید آخر
نہاں کی ماند آن رازی کزو سازند محفلہا

---

(۱) راجہ دھیان سنگھ (۲) بٹالہ (۳) راجہ کھڑک سنگھ (۴) کنور نونہال سنگھ
(۵) رانی چند کور (۶) راجہ شیر سنگھ (۷) سردار عطر سنگھ سندھانوالیہ

بڑے اقبال سے ہے بادشہ لاہور کا حافظ ۔۔۔ سری سنگھ ہوئے اس بادشہ کے جابجا حافظ

اور خورم چلو دربار میں کہہ کر خدا حافظ ۔۔۔ حضوری گر ہمی خواہی ازو غایب مشو حافظ

حتیٰ ما تلق من تہوی دع الدنیا و اہملہا (۱)

۱۸- جنوری ۱۸۴۱ء (۵- ماگھ سمت ۱۸۹۷ بکرمی) (۲) کنور مہاراجہ شیر سنگھ تخت پر بیٹھا (۳) اور ۱۲- ستمبر ۱۸۴۳ء کو سرداران سندھانوالیہ نے مہاراجہ اور اس کے وزیر اعظم راجہ دھیان سنگھ کو قتل کر دیا۔ اس روز شہزادہ پرتاپ بھی قتل ہو گئے، مہاراجہ، وزیر اعظم اور راج کنور پرتاپ سنگھ کا قاتل سردار اجیت سنگھ سندھانوالیہ تھا۔ نونہال سنگھ، رنجیت سنگھ کے پوتے کھڑک سنگھ کے اور شیر سنگھ رانی مہتاب کور کے سراپ سے کشمیر کرتار کو پہنچا۔ اب لاہور دربار کا راج اکثر جنبش سنگھ کے نام نہاد بچے دلیپ سنگھ تک پہنچا۔ یہ برائے نام مہاراجہ اپنی ماں رانی جنداں اور اپنے ننھیالی رشتہ داروں کے لئے تو محض ایک کھلونا تھا، ان اقتدار کے بھوکوں سے سلطنت چھیننا انگریزوں کے لئے مشکل نہ تھا۔ چنانچہ انھوں نے اپنے اس دیرینہ منصوبے کو عملی شکل دی جس کا نقشہ انھوں نے ۱۸۰۹ میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ساتھ امن معاہدے پر دستخط کرنے کے ساتھ ہی تیار کر لیا تھا۔ سکھوں کے سامنے ایسے حالات پیدا کر دیئے گئے تھے، جن کے پیش نظر معاہدہ شکنی اور جنگ کے سوا ان کے لئے اور کوئی چارۂ کار رہ نہ تھا، ورنہ ۱۸۴۶ کے قریب انگریزوں کو پنجاب کی سرحد پر بتیس ہزار فوج جمع کر دینے کی کیا ضرورت تھی (۴)۔ مفتی علی الدین نے لکھا ہے کہ سکھوں کے ستلج عبور کرنے کی خبر لارڈ ہارڈنگ کو دفعتہً اور غیر متوقع طور پر ملی۔ مفتی کے بقول سکھوں نے اکتیس ہزار فوج اور بھاری توپ خانے کے ساتھ ستلج کو عبور کیا تھا۔

اور ۱۹- دسمبر ۱۸۴۵ کو دوپہر کے وقت موضع مدکی کے قریب جنگ شروع ہوئی، اور حیرت کا مقام یہ ہے کہ لارڈ ہارڈنگ کی بے خبر اور غیر متوقع فوج نے ایک حملے سے سکھوں کے جم غفیر کو پسپا کر دیا۔ اس حملے کی کمانڈ فیلڈ مارشل گف کر رہے تھے جو اس زمانے میں انگریزی فوج کے کمانڈر انچیف تھے (۵)۔

---

(۱) مولوی غلام حسن خرم: مضحکات خرم مخطوطہ نمبر 2006، پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور۔

(۲) مفتی علی الدین: عبرت نامہ، مطبوعہ پنجابی ادبی اکیڈمی لاہور 1961۔ ص 510/1

(3) KHAZAN SINGH: HISTORY AND Philosophy of the Sikh Religion, LAHORE, 1914, P. 313.

(۴) باری علیگ: کمپنی کی حکومت، نیا ادارہ لاہور 1969ء۔ ص 355۔

(5) 1779-1869, See Buckland, C.E. Dictionary of Indian Biography London 1906, P. 172.

19-دسمبر 1845ء سے 10-فروری 1846 تک سکھ اور انگریز آپس میں دست و گریبان رہے اور بالآخر پانچ جنگوں میں شکست دے کر انگریز سکھوں کے دارالسلطنت لاہور میں [struck out] ڈاکٹر محمد باقر کے بقول 20-فروری 1846 کو فاتحانہ شان کے ساتھ داخل ہوئے (1) سید محمد لطیف نے لاہور میں انگریزوں کے داخلے کی تاریخ 22 فروری 1846 بیان کی ہے (2) لیکن مولوی احمد بخش یکدل جن کا یہ چشم دید واقعہ ہے اس سے اختلاف کرتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ

"22-فروری 1846 - 12-[struck out] پھاگن سمت 1902 (مطابق) 27 صفر المظفر ہجری روز شنبہ بہ میاں میر رسیدند و روز سہ شنبہ داخل قلعہ شدند"۔ (3)

اس اعتبار سے انگریزوں کے قلعہ لاہور میں داخلے کی تاریخ 25-فروری 1846 مطابق 27-صفر 1262ھ مطابق 15 پھاگن سمت 1902 بروز منگل وار قرار پاتی ہے۔

مفتی علی الدین نے اس واقعہ کی تاریخ 23-فروری 1846 بیان کی ہے۔ لیکن یہ جنگ سبھراؤں کے سکھوں اور انگریزوں اور دربار لاہور کے درمیان صلح نامے کی ترتیب کی تاریخ ہے (4) مفتی علی الدین نے یہ بھی لکھا ہے کہ راجہ گلاب سنگھ نے اپنے ذاتی اثر و رسوخ کو بروئے کار لا کر انگریزوں سے سکھوں کا قصور معاف کروا دیا اور ایک طرف رانی جنداں یا مہاراجہ دلیپ سنگھ سے دربار لاہور کی وزارت عظمیٰ اور دوسری طرف انگریزوں سے خیر خواہی کا خطاب حاصل کیا۔ [struck out] اور انگریزوں اور دربار لاہور کے درمیان ایک عارضی صلح نامے پر دستخط ہوئے یہ اوائل مارچ 1846 [struck out] کا ذکر ہے۔ اس عہدنامے کے ذریعے انگریزوں نے مہاراجہ دلیپ سنگھ کی ساری فوجی طاقت ختم کر دی اور اقتصادی [struck out] طاقت پر قبضہ کر لیا تھا۔ چنانچہ اس کی رو سے مہاراجہ دلیپ سنگھ پر لازم تھا کہ وہ مبلغ ڈیڑھ کروڑ روپیہ نانک شاہی تاوان جنگ کے طور پر ایسٹ انڈیا کمپنی کو ادا کرے جس میں سے مبلغ پچاس لاکھ روپیہ نقد اور باقی جلد از جلد ادا کرنے کی شرط تھی۔ اس کے ساتھ ہی راجہ اس بات پر مجبور تھا کہ لاہور دربار کا تمام سامان [struck out] حرب یعنی توپ خانہ اور دیگر اسلحہ سرکار انگریزی کے حوالے کر دے اور اس کی رقم

---

(1) DR. M. Baqir: Lahore Past and Present, Lahore, 19 , P. 217.

(2) S.M. Latif: History of The Panjab. [struck out] New Dehli, 1964, P. 552.

(3) یکدل، بیاض یکدل (قلمی) شمارہ 10 (4) مفتی علی الدین: عبرت نامہ، لاہور 1961، جلد اول ص 543

باقی ماندہ ایک کروڑ روپے میں سے وضع کر لی جائے ۔ راجہ گلاب سنگھ نے معاہدے کے بعد چاہا کہ
انگریزی فوج لاہور سے نکل جائے لیکن گورنر جنرل ہارڈنگ نے یہ عذر کیا کہ جب تک مہاراجہ
کے بلوغت معاہدے کی تمام شقوں کی تعمیل نہیں ہو جاتی ، انگریزی فوج لاہور میں ہی رہے گی ۔ چنانچہ ۸ مارچ
1846ء کو معاہدہ لاہور کی تمام شرطوں کی مہاراجہ دلیپ سنگھ کی طرف سے تصدیق کے بعد گورنر جنرل نے
لاہور پہنچ کر سر ہنری لارنس کو لاہور میں اپنا ریزیڈنٹ مقرر کر دیا ۔ اس سے قبل ہی ریزیڈنسی کی
حفاظت کے لئے لاہور میں انگریزی فوج کا ایک دستہ بھی لاہور میں مستقل رکھنا ضروری قرار دیا گیا ۔

27 ۔ فروری 1846 سے 29 ۔ مارچ 1849 تک انگریز مہاراجہ دلیپ سنگھ کے
نام نہاد سرپرست اور حکومت پنجاب کے معاملات کے امین رہے ، اس دوران میں
لاہور میں انگریز اپنی فوجی قوت بڑھاتے رہے ۔ 29 ۔ مارچ کو امانت داری کا
یہ ڈرامہ ختم ہو گیا (۱) اور لارڈ ڈلہوزی نے فیروزپور کیمپ سے پنجاب کی رعایا کے نام
بطور اشتہار ایک فرمان جاری کیا جسے سن کر پنجاب کے بے بس عوام خون کے آنسو پی کر رہ
گئے ۔ اس فرمان کا خلاصہ مفتی علی الدین کی کتاب عبرت نامہ اور ڈاکٹر محمد باقر کی
انگریزی تصنیف تاریخ لاہور میں موجود ہے ۔ اس فرمان کی رو سے سرکار انگریزی
اور دربار لاہور کے درمیان 1809 میں دستخط شدہ عہدنامہ لغو قرار دے دیا گیا اور تمام
ملک پنجاب کو انگریزی سلطنت میں شامل کر لیا گیا ۔ فوجی طاقت تو لاہور میں پہلے ہی
انگریزوں کے پاس تھی ، 1846ء کے صرف ایک انگریزی دستے نے 1849 میں تقریباً دو لاکھ
کی تعداد اختیار کر لی تھی (۲) اس صورت میں اہل پنجاب کے لئے سر تسلیم خم کرنے کے سوا اور کوئی
چارہ کار نہ تھا ۔ مہاراجہ دلیپ سنگھ کو معزول کر کے انگریزی حکومت کی سرپرستی
میں لے لیا گیا اور اس کی مفسدہ پرداز ماں رانی جنداں کو ملک بدر کر دیا گیا ۔
اہل پنجاب نے دلیپ سنگھ کی معزولی اور حکومت پنجاب کے خاتمے کا سوگ منایا ۔ اور
معاصر شعراء نے دردناک تاریخیں موزوں کیں (۳) ۔ اور یوں پنجاب کا ایک اہم سیاسی دور ختم ہو گیا ۔

---

(۱) Major Evans Bell, Annexation of the Punjab, London 1882, P. 3.

(۲) مولوی احمد بخش یکدل ، بیاض نمبر 13 ۔ (1848 تا 1849) قلمی

ز انگریز و فوجش گر فتم شمار ۔۔۔ بہ نُہ ماہ کوشش شدہ چہل ہزار
سواران سکھان شمشیر زن ۔۔۔ بہ شمشیر حرف آمدہ سوئے جنگ
ہمہ چون درآوردم اندر شمار ۔۔۔ بقیہ تمام کشتہ دو صد ہزار

(۳) مفتی غلام لاہوری ، گنج تاریخ ، لکھنؤ 1877 ، ص 210 ۔
(بقیہ دیکھئے حاشیہ صفحہ مابعد)

(۲)

اٹھارویں صدی کا پنجاب، معاشرتی اور تمدنی اعتبار سے عجیب و غریب صورت حال سے دوچار نظر آتا ہے۔ مغلیہ سلطنت کے ضعف اور مرکز کے عدم استحکام نے پنجاب میں جس جاگیردارانہ نظام کو جنم دیا اس میں مروجہ اقدار کا شیرازہ بکھر چکا تھا۔ اہل پنجاب نہ صرف تہذیبی اور تمدنی انحطاط کا شکار ہوئے بلکہ اخلاقی اعتبار سے بھی انہیں ایک ایسے آشوب کا سامنا کرنا پڑا جس میں اہل پنجاب کئی اعلیٰ انسانی اقدار سے بھی محروم ہو گئے۔ یوں تو یہ سلسلہ اورنگ زیب کی وفات سے پہلے یعنی اٹھارویں صدی میں ہی شروع ہو چکا تھا[1] لیکن اٹھارویں صدی میں اس کے نقوش بالکل واضح ہو چکے تھے۔ نادر شاہ کے حملوں نے اگر مغلیہ سلطنت کی سیاسی کمزوری کو بے نقاب کیا تھا تو احمد شاہ اور اس کے جانشینوں کے حملوں نے پنجاب میں مسلمانوں کے تہذیبی اور سیاسی وقار کی جڑیں کھوکھلی کر دیں۔ اہل پنجاب کی معیشت بالکل تباہ ہو گئی۔ اٹھارویں صدی کے آخر میں پنجاب کے ایک شاعر شاہ مراد لاہوری نے احمد شاہ کے پوتے شاہ زمان کے لاہور پر حملے کے بارے میں اپنے تاثرات یوں بیان کئے ہیں[2]:

زہے شاہے کہ از کابل بلاہور — چون وحشی آمد و دیوانہ سان رفت
نمی زیبد مرا او را شاہ گفتن — چو سوداگر بنام سلطانی بر آن رفت
نہ ذوق سکہ نے پرواے خطبہ — بر اندیشہ کہ مسعود آمد زیان رفت
براہ غارت و تاراج پنجاب — چون دزد آہستہ تر آمد دوان رفت
ز دست جور آن مغول بیباک — عجب حالت بجان شہریان رفت

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

چون شہ پنجاب از پنجاب رفت — چشمہ سان از چشم مردم آب رفت
عالمی در چشم مردم شد سیاہ — چون ز چشم آن غیرت مہتاب رفت
گل در ہجر او خوردند گل — بلکہ از نرگس خمار خواب رفت
بلبلان در فرقتش نعرہ زدند — چون ز بستان صحبت احباب رفت
گفت سرور از سر درد این سخن — "نو گلے از گلشن پنجاب رفت"

(۱) عبدالکریم غنیمت کنجاہی کی مثنوی نیرنگ عشق اورنگ زیب عالمگیر کے ہی زمانہ کی تصنیف ہے، جس میں عزیز و شاہد کے تمثیلی قصے میں اس دور کے جاگیردارانہ نظام کی اخلاقی گراوٹ کا نقشہ پیش کیا گیا ہے۔

(۲) شاہ زمان 1797 میں لاہور پہنچا۔

زمانی بہ رز مینی کس نیاسود زعالم راحت و امن و امان رفت
کجا در بتکدہ ناقوس ماندی کہ اکثر از مساجد ہم اذان رفت

اس نظم میں پیر مراد شاہ لاہوری نے اہل پنجاب کی زبوں حالی اور شاہ زمان لوٹ مار اور قتل و غارت سے پیدا ہونے والی تباہی اور ویرانی کا بھرپور نقشہ کھینچا ہے اور شاہ زمان کے لاہور سے واپس جانے کا سال ۱۲۱۱ھ بیان کیا ہے، اہل لاہور کی بے چارگی اور سپاہ درانی کی دست درازیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

نہ از مردانیان آمد بعالم ہر آن جوری کہ از درانیان رفت
بہر یک بود یک منزل مقامی چون وقت کوچ شد غارت کنان رفت
لباس زندگان بردند بیک سو کفن اکثر ز جسم مردگان رفت (۱)

شاہ مراد لاہوری نے فارسی کے علاوہ اردو زبان میں بھی ایک شہر آشوب لکھا ہے، جس میں شہر لاہور کی عظمت اور زیب و زینت بیان کرتے ہوئے، آخر میں احمد شاہ اور شاہ زمان کے ہاتھوں اس کی ویرانی اور تباہی کا نقشہ کھینچا ہے۔ یہ نظم اٹھارویں صدی میں لاہور کی معاشرتی زندگی پر بیش بہا دستاویز ہے۔ بے محل نہ ہوگا اگر یہ نظم پوری یہاں درج کر دی جائے:

شہر لاہور ہے مصر اسلام روشن آفاق میں ہے جس کا نام
خوبی اس کی تھی شہرۂ آفاق حسن کا اس کے تھا جہاں مشتاق
اصفہاں ہے جو ایک نصف جہاں خوبیوں میں نہ تھا کچھ اس کے کلاں
دور تک دیکھ تھا یہی مشہور اپنے نزدیک تھا بہشت سے دور
تھا عمارت سے یہ قوی بنیاد سبع مسکون میں از تمام بلاد
تھا بہشت بریں بروے زمیں عجب انسان ہے اس مکاں کے مکیں
ایک سے ایک تھے دو صد چنداں سب ملائک صفت وے انسان
اولیاء و مشائخ و سادات علما ایک سے ایک ستودہ صفات

---

(۱) شاہ مراد لاہوری: دیوان شاہ مراد (خطی) مخزونہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری۔
بحوالہ غلام دستگیر نامی: تاریخ جلیلہ، طبع دوم لاہور 1960، ص ۱۹۹

شاعر و شعر فہم و شائق شعر — طبع موزوں، فہیم لائق شعر
شہر تھا گو کہ کان علم و ادب — کان کیا بلکہ جان علم و ادب
کیا بیاں اس کی میں کروں تحریر — شہر تھا یا مرقع تصویر (1)
گلعذاروں پہ حسن کی تھی بہار — گل تھے ہر ایک کے گلے کا ہار
کھینچتے تھے دکھا کے رخ، دل کو — خانہ خانہ میں تھے کمال رہرو
عقل قبضے میں کس کے رہتی تھی — جان سے قربان دل سے کہتی تھی
خوبرو تھے حیا سے سب موصوف — اور عاشق وفا سے تھے معروف
رہرو تھے سبھی طریقت پر — تھا جو منظر الحقیقت پر
رشک آبادی جہاں تھا یہ — الغرض خوب ہی مکاں تھا یہ
سو زمانے نے ایسی زشتی کی — خوبی اس قطعہ بہشتی کی
کوئی اس میں پڑا جو بوم قدم (2) — ہے اب اس کا وجود رشک عدم
ہے مکاں کو شرف مکینوں سے — نہ کہ دوں معتبر مکینوں سے
نہ وہ رونق نہ وہ صفائی ہے — مکھیوں کی غرض دکھائی ہے
دور تو شاہ و زماں سدھارے [?] — مکھیوں کو گئے اجاڑ دے [?]
وہ اسی عہد سے آگے احمد شاہ — تھا گیا چھوڑ چیونٹیوں کی سپاہ" (3)

ایک طرف افغانوں کی غارت گری اور دوسری طرف سکھوں کی لوٹ مار اور مسلم کشی پورا پنجاب بالعموم اور لاہور بالخصوص اس تباہی کی زد میں تھا۔ اس زمانے میں لاہور سے گزرنے والے بعض غیر ملکی سیاحوں نے بھی اس ویرانی کا ذکر کر کے معلوم تحریر کیا تھا کہ شہر کے گرد و نواح میں ویرانے کثرت سے دکھائی دیتے ہیں جن میں شہر کا عالم یہ اور کوئی متنفس نظر نہیں آتا۔
اس دور کی معاشرتی اور تمدنی ابتری کا نقشہ مولوی احمد بخش یکدل نے ان الفاظ میں کھینچا ہے:
"یاد دارم کہ چون کشتی مغلیہ و سلطنت چغتائیہ غرق شد و برہم خورد و شد بیرون

---

(1) اس شعر کو پڑھ کر میر تقی میر کا وہ مشہور شعر یاد آ جاتا ہے:
دلی کے نہ تھے کوچے اوراق مصور تھے — جو شکل نظر آئی، تصویر نظر آئی
(2) ماشہ نادر شاہ مراد ہے۔ یکدل کے بقول شعرائے ... نے نادر کے حملہ کی تاریخ "جغد قدم" کے الفاظ سے موزوں کی تھی۔ (مولوی احمد بخش یکدل: تحفۂ یکدل، قلمی)
(3) بحوالہ نامی: تاریخ جبلیہ طبع دوم لاہور 1960، ص 197۔

شده و اجداد تمام شرفا و سادات عظام و علمائے کرام وغیره هر گروه سفید پوشان
ظلم پرست چه هندو چه مسلمان چادر سوگواری پوشیدند، از آنکه تسلط خودسران
یعنی سکهان دهقان هزار 2 زانو برهنه [struck through] ... و جمعیکه خورد و بعده
مال مردم خوار و آتش زن و دزد، شده شده سلطنت شد۔ آن بزرگان
بعضی روانهٔ شاهجهان آباد و حیدرآباد و لکهنؤ و مکه و مدینه و مصر و
روم و شام و بعضی بخراسان و بهاولپور و حیدرآباد سنده و آنانی
که قوت نداشتند و شرفا بودند، در همین لاهور نگو نشسته بعضی بافندگی
و بعضی صدف چینی و بعضی معماری و بعضی سنگ برداری و بعضی معلمی و بعضی
تره فروشی و بعضی گدائی دیهات۔ همین طور خلق افتاده ماند و حیران
و پریشان، تا آنکه در همان غم از جهان رفتند" (۱)

اس افراتفری، ہراسانی اور کس مپرسی کے ماحول میں اہل لاہور جب شدید بد امنی اور
زبوں حالی کا شکار تھے، اس کا اہم تقاضا یہ تھا کہ ظلم و استبداد کی ان طاقتوں کے
خلاف عملی بغاوت منظم کیا جاتی ہو سکی۔ جو ان سکھ حکمرانوں کی شکل میں مسلط
تھیں۔ چنانچہ اہل لاہور نے رنجیت سنگھ کو قبضے کی دعوت اس لئے بھی دی تھی کہ
راحتیں خیر و سلامتی کی اتفقد۔ آئندہ نئی تبدیلیوں کی توقع تھی بلکہ اس لئے کہ ممکن ہے
نظام سیاست کی تبدیلی خیر و سلامتی کی کوئی نوید لے کر آئے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا
رنجیت سنگھ نے لاہور پر قبضے کے فوری بعد یہاں کے معاشرتی اور تمدنی تقاضے میں
بعض اہم اور خوشگوار تبدیلیاں پیدا کر دیں۔ یکدل کا کہنا ہے کہ رنجیت سنگھ نے
لاہور میں داخل ہوتے ہی اہل شہر کے مایوس اور بے جان جسموں میں زندگی کی
ایک تازہ لہر دوڑا دی۔ چنانچہ لکھا ہے:

" در ترمیم قلعه و فصیل شهر و شالامار که تمام منهدم شده بود سعی کماشته
مردم لاهور از اهل کسب را که از مدت مدید در بیکاری و قرضداری
مضمحل شده نفس شماری می کردند جانی تازه در قالب دمید و شبانگاه
که بنوبت در هر محله بندوق بدست بوده شب بسحر آورده از خوف دزدان
روز نمی آسودند، در عهد عدالت باستراحت پرداختند۔ رنجیت قبل سواری
بعد هر هفته بسیار اسراق صره های ده هزار روپیه بدست بر آمده بر رعایا
می انداخت و هر یکی را بلباس سفید و عمارات بیوت و دکاکین باسلوب خوش
موکد میشد و تمام دزدان خوسیر جوق در جوق آمده نوکر شده با سپ و سلاح
و دوش لم گرانمند و اسپ ولایتی و حلقهٔ طلا مخترع گردیده، باعث امن

(۱) مولوی احمد بخش یکدل: بیاض یکدل شماره 12 مملوکه راقم الحروف

وامانِ خلق اللہ شدند و ترتیب دفتر بوضع و لایت پسندیدہ هریکی از اہل قلم را بقلمدان ہای و خلعتِ ثمین و مشاہرۂ کثیر ارجمند ساخت۔ جملہ اہل پیشہ سرگرم کار بخوشنودی و گرم گوشی و عشرت بیل و بہار متمتع شدہ و شکرانۂ آں بدرگاہ کردگار گزاردند۔" (۱)

رنجیت سنگھ کے اس اقدام نے نہ صرف اہل لاہور کے ستم زدہ دلوں کی تالیف کی بلکہ وہ تھوڑی دیر کے لئے رنجیت سنگھ کے ذاتی کردار اور نصب العین کو بھی فراموش کر گئے جس میں تعصب، خود غرضی اور موقع پرستی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ زمانے کے نشیب و فراز اور حصول اقتدار کی جد و جہد نے نہ صرف رنجیت سنگھ کو مرد آہن بنا دیا تھا بلکہ اس مادر زاد بے سواد کے اندر بعض ایسے جوہر بھی پیدا کر دیئے تھے جو ایک مہاراجہ کے واقعی شایان شان ہوتے ہیں۔ معاملہ فہمی، تدبر، موقع شناسی، قوت فیصلہ، سیاسی سوجھ بوجھ اور مردم شناسی غرضیکہ یہ تمام خوبیاں تھیں جن کے اظہار کا موقع اسے سلطنتِ پنجاب کے استحکام کے بعد میسر آیا۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ نے لاہور کی تمدنی اور معاشرتی زندگی کو جن اصولوں پر از سر نو ترتیب دیا اس میں ہرچند کہ اس کے فرقہ وارانہ اور مذہبی تعصبات کو امتیاز حاصل تھا اس کے باوجود ان میں کس حد تک مساوات اور اہل شہر کے معاشرتی اور شخصی حقوق کا تحفظ موجود تھا۔ اس حکمت عملی نے اہل لاہور کو نہ صرف جینے کی امید دلائی بلکہ ان میں احساس امنیت بھی پیدا کر دیا۔ انیسویں صدی کے آغاز میں اہل پنجاب اور بالخصوص اہل لاہور کے لئے احساس امنیت کوئی معمولی نعمت نہیں تھا۔

۱۸۰۹ء میں مرہٹہ سردار، جسونت راؤ ہلکر کی ملاقات کے بعد مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اپنی سلطنت کے لئے جو انتظامی ڈھانچہ نافذ کیا اس میں مغلیہ طرز حکومت کا اثر موجود تھا بلکہ بعض مورخین نے تو اسے مغلیہ طرز حکومت کا بے روح چربہ قرار دیا ہے۔ ہلکر کی ملاقات نے جہاں مہاراجہ کو انگریزوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات بڑھانے کی طرف متوجہ کیا، وہاں اس میں خود اعتمادی اور کشور کشائی کی ایک نئی روح بھی بیدار کر دی۔ مہاراجہ، ہلکر کی شخصیت کا بے حد احترام کرتا تھا اور اسے اپنا آئیڈیل تصور کیا کرتا تھا۔ اگر کوئی اسے ہلکر کے ساتھ تشبیہ دیتا تو مہاراجہ

---

(۱) مولوی احمد بخش یکدل: تحفۂ یکدل (خطی) مملوکہ راقم الحروف ص ۹۹ و ۱۰۰۔

بہت خوش ہوتا۔ مثال کے طور پر ۱۸۱۲ء میں ایک موقع پر نابت خاں افغان نے مہاراجہ کی توصیف کرتے ہوئے کہا کہ مہاراجہ سپاہ نوازی اور جوہر شناسی میں راجہ جسونت راؤ ہلکر کی طرح ہیں۔ جس پر مہاراجہ بے حد خوش ہوا۔ خالصہ دربار کے سرکاری ریکارڈ سے کرنل گیرٹ اور جی۔ ایل۔ چوپڑا نے اس واقعہ کو ان الفاظ میں ترجمہ کیا ہے:

"That dignitory replied that the late Maharaja Jaswant Rao Hulkar Bahadur was a true patron of Soldiers like him, and that now the most High God seemed to have created the noble Sarkar to act like him. This pleased the noble Sarkar." (1)

مہاراجہ کے دوستوں اور مخالفین دونوں نے اعتراف کیا ہے کہ وہ نہ صرف محض سپاہ اور لشکر کی حد تک ہی جوہر شناس نہیں تھا بلکہ وہ زندگی کے ہر شعبے میں کوئی جوہر قابل دیکھتا، حتی المقدور اور حسب استعداد اس کی قدر دانی ضرور کرتا تھا۔ یہ سلسلہ اس کی ابتدائے سلطنت سے لے کر وفات تک برابر نظر آتا ہے۔ مثال کے طور پر ۱۳۔ اکتوبر ۱۸۱۲ کو مستری میر محمد کے بارے میں بتایا گیا کہ اس نے گولہ پھینکنے کی ایک نئی جرثقیل ایجاد کی ہے۔ مہاراجہ نے اسے انعام کے ساتھ پشمینے کی ایک عمدہ شال بھی عنایت کی۔(2) ۲۸۔ ستمبر ۱۸۱۶ کو عبدل تابین بازی کے فن سے متاثر ہو کر اسے نیاز حسن کا بنا ہوا گھوڑے کا ایک دو شالہ بطور انعام دیا گیا (3) اسی طرح قاضی فقیراللہ کے علمی تقدس کے پیش نظر ۱۸۱۱ء میں عیدالاضحی کے موقع پر انعام کے علاوہ اسے پشمینے کی گراں قیمت شال پیش کی گئی۔(4)

مہاراجہ کی حکمت عملی نے لاہور کی معاشرے میں جب خوشحالی کی لہر دوڑائی اس میں ظاہری چمک دمک اور شان و شوکت زیادہ تھی، مقصد شاید یہ تھا کہ لوگوں کی توجہ ظاہرداری کی طرف رہے اور لوٹ کھسوٹ اور معاشرتی ناانصافیوں پر نہ جائے جو مہاراجہ کے دور حکومت کا خاصہ تھیں اور جن میں مہاراجہ کا ذاتی کردار مرکزی حیثیت رکھتا تھا۔ رنجیت سنگھ کی متنوع شخصیت نے اس دور کے پورے معاشرتی نظام کو یک رنگی سے بیگانہ کر دیا تھا۔ اس دور کا پورا معاشرہ کسی نہ کسی

---

(1) Lt-Col. Garrett and G.L. Chopra: Events at the Court of Ranjeet Singh 1810-1817, Lahore 1935, P. 41

(2) Ibid, P. 53.

(3) Ibid, P. 190.

(4) Ibid, P. 30.

حکومت

اعتبار سے ان انسانی مزاجوں کو جو دربار سے وابستہ ہوتا تھا، جو رنجیت سنگھ کی ذات اور اس کے ہمکاران
کی شخصیت میں موجود تھیں۔ اس لاہور اس دور کی ظاہری خوشحالی میں مست نظر آتے
ہیں۔ ماضی میں انھوں نے افغانوں اور سکھوں کے اس قدر مظالم دیکھے تھے کہ انہیں یہ معمولی سے
معمولی رعایت بھی بہت بڑا انعام نظر آتی تھی۔ چنانچہ اس دور کے مصنفین نے انیسویں صدی کے آغاز
میں لاہور کی معاشرت کا جو نقشہ کھینچا ہے، دلچسپی سے خالی نہیں۔ چند ایک مثالیں [illegible]
مولوی نور احمد چشتی مصنف تحقیقات چشتی بسنت کے دن، مہاراجہ رنجیت سنگھ کی
حضرت مادھو لال حسین کے دربار پر حاضری کا یوں نقشہ کھینچتے ہیں:

"جب اس طرح فوج جمع ہو جاتی تو بوقت دو بجے سواری مہاراجہ کی قلعہ سے نکلتی اور تمام مخلوقات
جو منتظر دیدار سرکار ہوتے تھے۔ جب آواز توپ ہا و شلک سلامی سنتے تو ہشاش بشاش ہو کر
خندہ زن ہوتے۔ جب مہاراجہ کی سواری دریا میں آتی تو یہ لطف ہوتا تھا کہ اب اس
کی یاد میں چشم آب ہوتی ہے۔ کم از کم ساٹھ ستر ہاتھی اور چار پانچ سو گھوڑے بازین ہائے
مرصع و تمام ڈیرہ سواران بار برداری اور دو رجمنٹ پیدل اردلی جلو میں ہوا کرتی تھیں۔
اور شاہ سے گدا تک ہر شخص بسنتی پوشاک ہوا کرتا تھا۔ بلکہ در و دیوار بسنتی نظر آتے
تھے اور مہاراجہ مٹھیاں روپیوں کی بھر بھر کر تصدق کرتے اور پھینکتے ہوئے تا مزار پر انوار
حضرت مادھو لال حسین کے پہنچتے اور بعدہ سواری سے اتر کر پیادہ مع بارگاہ تمام
مع روسائے عالی مقام پیر برہنہ خانقاہ کے دروازے سے اندر جاتے، پھر شلک سلامی
کی ہوتی۔ پھر گیارہ سو روپیہ نقد مع دو شالہ بسنتی خانقاہ پر نذر چڑھا کر جبین سائی کے بعد
رونق افزائے خیمہ شاہی ہوتے تھے۔ وہاں عرش سے فرش تک تمام بسنتی بسنتی اشیاء
موجود و حاضر ہوتی تھیں پھر حسب معمول خود، یعنی ایک ہر روز دو سہرہ اور دو شالہ بر روز
بسنت تمام معززین سے تذکرین عالی قدر مراتب لکھ کر با خلعت ہائے فاخرہ ہر ایک کو سرفراز
بخشتے تھے اور پھر عطر و عنبر، گلال بطور شروع جشن ہولی اڑتا تھا۔ پھر لاہور خان خودروش
یعنی طوائفان لاہور و امرتسر جو حسب الحکم اس روز وہاں حاضر ہوا کرتی تھیں، مجرائے شاہانہ
ادا کر کے نوبت بنوبت تقریب تفریح طبع سرکار ناچ میں مشغول ہو کر بانعامات گوناگوں
سرفراز ہوا کرتی تھیں۔ اور جو نذر [illegible] کا روپیہ وا شرفی اس روز مہاراجہ کی خدمت میں پیش ہوتا
تھا وہ تقریب انعام یوم بسنت خدمت گاران کو تقسیم ہو جاتا تھا، علاوہ ماسوا اس کے ایک ایک
ماہ کی تنخواہ تمام فوج سواری و پیادہ کو بطور انعام تقسیم ہوتی تھی۔ جب وقت غروب آفتاب
قریب ہو جاتا تو پھر سواری مہاراجہ کی بوضع سابقہ بر آمد ہوا کرتی تھی اور اس طرح روپیہ پھینکتے ہوئے
داخل قلعہ ہوتے تھے۔" (۱)

عنبر؟

(۱) مولوی نور احمد چشتی، تحقیقات چشتی، لاہور 1964 ص۔ 424

مولوی نور احمد چشتی کے والد مولوی احمد بخش یکدل چشتی نے کئی رنگین بیاضوں میں عہدِ رنجیت سنگھ کے بعض جشنوں اور دنوں کا ذکر کرتے ہوئے خواص اور عوام کی ان میں والہانہ مشغولیت کا حال بیان کیا ہے۔ مہاراجہ کی عیش پرستی نے سر لیپل گرفن کے بقول لاہور کے بازاروں کو گناہوں سے بھر دیا تھا۔ مہاراجہ اور اس کے امراء و سرداران رنگ رلیاں مناتے تھے، یہی وجہ ہے کہ سر لیپل گرفن نے اس زمانے کے لاہور کو پکاڈلی سرکس سے تشبیہ دی ہے (۱) مہاراجہ نے اہلِ لاہور کے گرد امن و خوشی کا ایک ایسا حصار قائم کر دیا تھا جس کے باہر رہنے دیکھنے کی خواہش ہی نہیں تھی۔ لوگ اس میں مگن اور عیش و نشاط سے کس قدر خوش تھے اس بات کا اندازہ بعض معاصر ادبی دستاویزوں سے کیا جا سکتا ہے۔ مہاراجہ کی قائم کی ہوئی یہ رسمیں یوں تو خالصہ دورِ حکومت کے آخر تک کسی نہ کسی صورت میں نظر آتی ہیں لیکن مہاراجہ اور اس کے ایک جانشین مہاراجہ شیر سنگھ کے دور میں ان کو جو عروج حاصل تھا، تاریخ اسے کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ مولوی غلام حسن خورم مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دور کا ایک اہم اردو شاعر ہے اور مہاراجہ شیر سنگھ کے دربار میں اسے خاص طور پر رسائی اور اہمیت حاصل تھی۔ خورم کے دیوان میں ہولی پر مندرجہ ذیل نظم اس دور کی معاشرت اور طرزِ زندگی کی دلچسپ تصویریں ہمارے سامنے پیش کرتی ہے۔ خورم لاہور میں ہولی کے جشن کا یوں ذکر کرتا ہے۔

حضورِ بلدۂ لاہور ہے خوشی کا مکان
عجیب شہر ہے دنیا میں اک بہشت نشان
خلائق اس میں ہے دن رات چین سے گزران
جب آ گئی ہولی کے دن سارے لوگ پیر و جوان
دکھائیں ایک عجائب بہار ہولی میں
کہیں اکھاڑے جوانوں کے بنے جاتے ہیں
کہیں جوان وطن گاتے ہیں بجاتے ہیں
وہ رنگ شوق سے سُر تال سے ملاتے ہیں
نہ پوچھو ہم سے عجب اک سماں بناتے ہیں
عجب اکھاڑوں کی ہوتی بہار ہولی میں
محلے والوں کی ہوتی ہے ان دنوں میں جنگ
گلال الٹے کو پھینکے ہیں ڈالتے ہیں رنگ
بجاتے ڈھولک طنبورا اور ستار و چنگ
بجانے گانے سے کرتے ہیں رنگ راگ کا ڈھنگ

---

(۱) سر لیپل گرفن، رولرز آف انڈیا "مہاراجہ رنجیت سنگھ" (اردو ترجمہ) ص 74.

جگہ جگہ میں کریں یہ شمار ہوری میں

عجب بہار سے ہوتا ہے عیش میں عالم

تمام خلق ہے ان روزوں میں پڑی بے غم

خوشی تو ہوتی بہت اور فکر ہوتی کم

تو اپنے ذوق سے خورسند ہو اے خرم

ترے یہ خمسے کی ہوگی بہار ہوری میں (۱)

اس خمسے میں خرم نے سوانگوں، نوشتکیوں، بہروپیوں اور بازی گروں کا ذکر کر کے جشنوارے کی ہما ہمی اور گہما گہمی کی جیتی جاگتی تصویریں پیش کی ہیں۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ اور اس کے جانشین ایسی رنگ رلیوں اور ہنگاموں کے بے حد شوقین تھے۔ خالصہ عہد میں اہل لاہور اکثر عیش و نشاط کے ایسے مواقع میں شریک نظر آتے ہیں۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ خود عیش و نشاط کا بے حد دلدادہ تھا طوائفوں، اہل سرود اور بازاری طبقے کے لوگوں کو اس کے عہد حکومت میں خاص اہمیت حاصل تھی۔ موراں طوائف کے نام پر سکہ ضرب ہوا تھا جس کا نام موراں شاہی رکھا گیا۔ امرتسر کی طوائف گل بیگم مہاراجہ کے دل و دماغ پر حاوی ہو گئی تھی۔ مہاراجہ اپنی سیاسی اور فوجی مہموں سے جو کچھ لوٹ مار کر کے لاتا اس کا ایک اہم حصہ عیش نشاط اور رنگ رلیوں پر صرف کر دیتا تھا۔ اس دور میں بازاری اور ارذل طبقے کو جو اہمیت حاصل تھی شاید اس کے پیش نظر مولوی احمد بخش یکدل نے رنجیت سنگھ کے دور حکومت کو "کنجر شاہی" کا نام دیا ہے۔

رنجیت سنگھ سے لے کر دلیپ سنگھ تک خالصہ عہد کی نصف صدی کا لاہور معاشرتی اور تمدنی اعتبار سے مختلف طبقوں میں بٹا ہوا نظر آتا ہے۔ اس میں اشراف کا طبقہ اور ارذل ہیں۔ طبقہ اعلیٰ میں امرائے سلطنت، نامور سردار، رؤساء، ایلچی اور مذہب و ملت کے علماء اور فضلاء شامل تھے۔ اس طرح ارذال طبقے میں کاسب، مستخدمین اور دیگر اہل حرفہ کا نام لیا جاتا تھا۔ ابیٹسن نے ۱۸۸۱ میں مردم شماری کی جو رپورٹ مرتب کی تھی اس کی رو سے لاہور مختلف پیشوں اور کاموں کے اعتبار سے ذاتوں اور گوتوں کا جنگل نظر آتا ہے۔ معاشرت کا یہ نقشہ انیسویں صدی کے آغاز ہی میں ایسا ہی تھا۔ اس دور کی معاشرتی زندگی کا بہترین مرجع مولوی نور احمد چشتی کی تصنیف "یادگار چشتی" ہے جس کو

(۱) مولوی غلام حسن خرم: مضحکات خرم (قلمی) پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور، ورق ۹۴ ا تا ۱۰۰ ب۔

اس دور کی معاشرتی زندگی کا اہم ترین حصہ کہا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ مولوی احمد بخش یکدل کے اردو ناولوں
میں اس دور کی معاشرت کی جو جھلکیاں ملتی ہیں، ان کے مطالعے سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے (۱)
ہیں کہ خالصہ عہد میں لاہور اپنی معاشرتی اور تمدنی شان و شوکت اور زیب و زینت کے اعتبار سے
عروس البلاد کی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔ اور اس میں کچھ شک نہیں کہ زندگی کے مختلف شعبوں
سے متعلق اہل فن کی تعداد مہاراجہ رنجیت سنگھ اور اس کے جانشینوں کے دور حکومت میں کم نہ
تھی۔ گو کہ رنجیت سنگھ اور اس کے جانشینوں کا زمانہ اہل فن کی قدر دانی اور حوصلہ افزائی
کا دور نہیں تھا۔ پھر بھی اس دور میں لاہور کا اہل علم اور اہل ہنر کا مرکز ہونا حیرت انگیز
ہے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ خود جاہل اور ان پڑھ ہونے کی وجہ سے اہل علم کے منصب
کو نہیں پہچانتا تھا تاہم چونکہ اسے کشور کشائی اور شہامت میں نبوغ کا درجہ حاصل تھا،
اس لئے درجہ نبوغ تک پہنچے ہوئے ہر میدان کے صاحب فن اسے اچھے لگتے تھے، اور
اس کا دل چاہتا تھا کہ ایسے لوگ اس کی مملکت میں موجود رہیں اور اس کی
شہرت کا باعث بنیں۔ لیکن ان کی سرپرستی کے بارے میں وہ کبھی نہیں سوچتا
تھا۔

خالصہ حکومت کی سرکاری اور دفتری زبان فارسی تھی۔ اس حوالے سے خالصہ دور حکومت
میں مسلمانوں کو ہمیشہ ہی برتری حاصل تھی۔ سکھ دور کے تمام وزراء اور عمائدین فارسی
زبان کی تعلیم سے آراستہ تھے۔ فارسی کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی دوسری اہم زبان
"اردو" بھی عام تھی۔ درس و تدریس کا سارا انتظام مسلمان علماء کے ہاتھ میں
تھا۔ یہی وجہ ہے کہ سکھوں کی مسلمانوں کے علاوہ سخت نفرت اور ریشہ دوانیوں
کے باوجود سکھوں اور مسلمانوں کے درمیان استاد اور شاگرد کے رشتے
سے عزت و احترام کا ایک تعلق موجود تھا۔ مسلمان علماء نے درس و تدریس
کے پردے میں سکھوں کی وحشت و بربریت کو اس حد تک نہ بڑھنے دیا کہ وہ
مسلمانوں کی ہلاکت کا سبب بن جائے۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ اور اس کے جانشین سکھ مذہب کے پیرو کار ضرور
تھے لیکن عقائد کے اعتبار سے وہ مذہبی کم اور توہم پرست زیادہ تھے۔ یہ
توہم پرستی انہیں ہمیشہ ایک مرنجانے خوف میں مبتلا رکھتی تھی۔ اور وہ اس
خوف سے نجات پانے کے لئے وہ ہمیشہ مندروں کے پروہتوں، گوردواروں کے
گیانیوں اور مزارات کے مجاوروں کے محتاج رہتے تھے۔ یہ توہم پرستی محض خالصہ
دربار تک ہی محدود نہ تھی بلکہ اس دور کا پورا معاشرہ اس روحانی اور نفسیاتی مرض
میں مبتلا نظر آتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اٹھارویں اور انیسویں صدی

میں پنجاب جب سیاسی اور معاشرتی صورتِ حال سے دوچار تھا، اس کے نتیجے میں توہم پرستی کے خیالات کا اس سرزمین میں کھلنا پھولنا ایک قدرتی امر تھا۔ گوردواروں اور مندروں پر کو لاکھوں روپے کا چڑھاوا بھیجنے کا سبب مہاراجہ اور اس کے جانشینوں کا مذہبی شعور نہیں بلکہ توہم پرستی کا نتیجہ تھا۔ مہاراجہ کی مسلمان صوفیاء اور اہل اللہ کی نسبت عقیدت بھی اسی زمرے میں آتی ہے۔

خالصہ دورِ حکومت میں لاہور کی معاشرت بے شمار سماجی واحدوں میں بٹی ہوئی نظر آتی ہے۔ یہ سماجی واحدے ذاتوں اور گوتوں کی شکل میں خاندان بنا کر رہتے تھے۔ اور اپنے رسم و رواج عادات و خصائل، عقاید حتیٰ کہ لباس اور طرزِ گفتگو کے اعتبار سے بھی ایک دوسرے سے الگ اور جداگانہ حیثیت رکھتے تھے۔ ان میں سے اکثر کی تفصیل مولوی نور احمد چشتی نے اپنی گرانقدر تصنیف "یادگارِ چشتی" میں درج کر دی ہے۔ چشتی نے جن ذاتوں اور گوتوں کو قابلِ ذکر سماجی اکائیاں تسلیم کرتے ہوئے ان کے آداب معاشرت کی تفصیل دی ہے اور ان کے توالد و تناسل کے دستور بیان کیے ہیں، ان میں شیخ، نائی، چابک سوار، کلال، لگے زئی، میراثی، راجپوت، کھوجے، باجوہ، گوجر، اروڑے، دبہ گر، بہشتی، نان بائی، کناری باف، شال کوب، گاترہ باف، جولاہے، چھپر بند، سقہ، مغل، رنگریز، چھتر، دھوبی، ملاح، آہن گر، سنار، قریشی، طلاباف، خراسی، مہیرا، درزی، گڈی والا (پتنگ ساز) کنجڑے، موچی، کھٹیک اور تارکش قابلِ ذکر ہیں[1]۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ رنجیت سنگھ کے لاہور کی معاشرتی تشکیل میں ادنیٰ اور اعلیٰ سبھی طبقے کے افراد کو بھی اہمیت حاصل تھی فوقیت کے اعتبار سے ان طبقوں کو مندرجہ ذیل ترتیب سے دیکھا جا سکتا ہے۔

1. امراء اور عمائدینِ سلطنت 2. شرفا اور اہلِ علم 3. پیشہ ور اور کاسب

4. تاجر 5. اہلِ حرفہ 6. کاشتکار۔

لاہور میں اکثریت چونکہ مسلمان رعایا کی تھی لہٰذا مسلمانوں کو پابندیوں کے باوجود خالصہ حکومت کی طرف سے بعض مراعات بھی حاصل تھیں۔ سکھ سرداروں کی مسلم دشمنی اور مخالفت کے باوجود مہاراجہ رنجیت سنگھ اور راجہ شیر سنگھ مسلمان علماء، قاضیوں اور مفتیوں کا احترام کرتے تھے اور ان کی ثالثی کو حق الوسع تسلیم کر لیتے تھے۔ مثال کے طور پر 1830ء میں رنجیت سنگھ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے جب گامے شاہ نے عاشورے کے دن تعزیہ تیار کیا تو مہاراجہ نے گامے شاہ کو مع تعزیہ زندہ جلا دینے کا حکم دیا۔ لیکن لاہور کے قاضی مسیح الدین نے مہاراجہ سے

---

(1) مولوی نور احمد چشتی، یادگارِ چشتی، مرتبہ گوہر نوشاہی، ناشر مجلس ترقی ادب لاہور 1975ء

جب گلاب سنگھ کی جان بخشی کی سفارش کی تو مہاراجہ نے اسے فوراً مان لیا۔ یہ سب باتیں ایک طرف، لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ خالصہ عہد میں سوائے سکھوں کے کسی قوم کے ساتھ ترجیحی سلوک نہیں کیا جاتا تھا۔ مہاراجہ اس قدر خود غرض تھا کہ وہ اپنی قوم کے مفاد کے سامنے بڑے سے بڑے اصول کی قربانی دے سکتا تھا۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ، اس کے جانشین اور اس کے عمائدین سلطنت بے حد عیش پرست اور پست اخلاق تھے۔ ان اخلاق سوز حرکات کا مظاہرہ وہ بر سرِ عام کرتے اور عوام الناس کو بھی گناہوں کی ترغیب دیتے تھے۔ رنجیت سنگھ اور اس کے افراد شراب کے نشے میں چور بازاری عورتوں کے جم غفیر میں لاہور کی سڑکوں پر نمودار ہوتے تھے اور ان کے شاہی جلوس شان و شوکت کم اور گنہگاری اور مردم آزاری کا زیادہ مظاہرہ کرتے تھے۔ لوٹ کھسوٹ اور چور بازاری کا دور دورہ تھا۔ رنجیت سنگھ اور اس کے جانشین تمام پنجاب سے دولت لوٹ کر لاتے اور لاہور میں جشن، قہقہے، رنگ رلیوں کی صورت میں اڑاتے تھے۔ شہر میں بے شمار ایسی اخلاقی برائیاں پھیل گئی تھیں جن کی ذمہ داری زیادہ تر خالصہ حکومت پر عاید ہوتی تھی۔ مثلاً فسق و فجور، چور بازاری، رشوت، شراب خوری اور جوا کر زنی وغیرہ۔ اس دور کے اہلِ قلم نے ان واقعات کی جو تصویریں بنائی ہیں تاریخ کا بیش بہا سرمایہ ہیں۔ مولوی احمد بخش یکدل چشتی کا مشہور قطعہ شعر اپنے اندر کس قدر تلخی لئے ہوئے ہے:

قاضی بہ رشوہ راضی مفتی بہ حیلہ سازی
ملا بہ بازی یاران چگونہ بازد (۱)

اسی سلسلے میں اس عہد کے نامور اردو شاعر مولوی غلام حسن خوشی کا مندرجہ ذیل مخمس اس معاشرتی صورتِ حال کی بہترین دستاویز ہے:

جہاں میں رنگ ہے دیکھا عجب خدائی کا — لیا ہے ایک نے اب رنگ بے وفائی کا
نہیں کسو میں رہا طور آشنائی کا — تمام خلق نے سیکھا ہے ڈھب برائی کا
مٹا ہے خلق میں اب نام تو بھلائی کا

نہ کوئی دوست کسو کا نہ کوئی یار بنے — نہ کوئی دیت کسو کا نہ دستدار بنے — دولت
نہ کو رفیق کسو کا نہ غمگسار بنے — مگر جو اپنے ہی مطلب کا یار غار بنے
گدا نے پہر (۲) لیا تاج بادشاہی کا

---

(۱) مولوی احمد بخش یکدل: بیاض نمبر 16 (۲) پہر: پہن

جو ہیں نجیب تو کم ذاتوں کے بنے نوکر　　فقیر زادے تونگر بنا ہے دولت و زر
جولاہا، دھوبیا، سپاہی بنا ہے تیغ و تبر　　سپاہی زادہ تو بیچے ہے گھاس لے سر پر
چگت میں بیٹھ ہے بیٹا بنا کسائی کا

کتابیں پڑھتے ہیں دھوبی جولاہے کے فرزند　　قرآن حفظ کرے ساگ والی کا دلبند
حدیث فقہ سے کنجڑ بنا ہے دانشمند　　نجومی نائی ہے گدڑی فروش دولتمند
پڑا ہے علم میں فرزند نان بائی کا

سپرے ہیں تیلی تنبولی تو شہر میں ارکان　　بزاز بانٹے لڑتے ہیں اپنے گھر دیوان
اصیل ڈوبے ہیں کم ذات ہیں بلند مکان　　گدا کا بیٹا ہے دولت سے مست اور شادان
امیر زادے نے کاسہ لیا گدائی کا

نجیب نسل جو سید ہیں بھوکے مرتے ہیں　　مشائخوں کے گھرانے میں فاقے پڑتے ہیں
قریشی، مغل، سدا غم کا سانس بھرتے ہیں　　کسائی کو نجڑے، کنجڑ بہار کرتے ہیں
کلال پہر لیا جامہ پارسائی کا

چمار دھوبی تو اس دور بیٹھے کھاتے ہیں　　جو جوتی گانٹھتے ہیں(۱) وہ خلق کے خلاصے ہیں
گدائی کرتے ہیں جو شیخ کے نواسے ہیں　　شریف قوم بہت بھوکے ہیں پیاسے ہیں
کشیک بیٹا بنا چوہدری خدائی کا

پڑے ہیں خالی مکاں مسجدوں کے سر تا سر　　خراب خستہ ہے محراب گر پڑا منبر
گدا تو رینگے ہے مسجد میں ناچتا بندر　　کلال خانے میں عشرت کا ساز ہے بکھر
قمار خانے میں جلوہ ہے دلربائی کا

زمانہ سخت ہے نازک سماں خدا کی امان　　مردوں کی قدر ہیں خورد خود بخود ہیں کلان
رذالہ صاحب عزت، شریف عزیز کہاں　　غریب صاحب دیوان، امیر بے دوکان
لیا ہے خلق نے اب رنگ خود نمائی کا

اٹھا ہے عشق جہاں میں صدا ہے ماتم کی　　ہوا بدل گئی اب دنوں میں عالم کی
چڑھی ہے بدلی زمانے میں حقیقت و غم کی　　تو رو کھولے لوجے خدایا فقیر خرم کی
نہ دیکھو حال خراب ایسے مرتفائی کا (۲)

یہ نظم اپنے عہد کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ اس میں شہر کے تمام معاشرتی گروہوں کو جس طرح ہر شخص نمایاں کیا گیا ہے اس سے خرم کی فنکارانہ مہارت اور تنقیدانہ عظمت کا اندازہ ہوتا ہے۔ بلنز

---

(۱) گانٹھتے ہیں: گانٹھتے ہیں (پنجابی لہجہ)
(۲) مولوی نظام حسن خرم: منظومات خرم (قلمی) مخزونہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور

یہ شخص اپنے عہد کی معاشرتی زبوں حالی، اور عوام کی کسمپرسی کو بھی بدرجہ اتم بے نقاب کر رہا ہے۔

اس دور کے دکھی عوام اپنی روحانی تسکین کے لئے بزرگان دین کے مزارات پر جاتے ہیں، اور اس کفر و الحاد کی دنیا سے منہ موڑ کر اہل اللہ کے دامان تصور میں پناہ لینے کی کوشش کرتے تھے۔ "یادگار چشتی" کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ اس عہد میں لاہور کا ہر شہری کسی نہ کسی تقریب سے بزرگان دین کے مزار پر حاضری دیتا تھا۔ اور انہیں وسیلہ بنا کر اللہ تعالیٰ سے اس طاغوتی دور کے خاتمے کی دعا کرتا تھا۔ لاہور میں حضرت مخدوم علی ہجویری عرف حضرت داتا گنج بخش رح کا مزار مرجع خلائق تھا۔ جہاں ہر وقت زائروں کی تعداد میں لوگ حاضر ہو کر قرآن خوانی اور یاد خدا میں مشغول رہتے تھے۔ اس دور میں مزار داتا گنج بخش مسلمانوں کا سب سے بڑا تہذیبی مرکز تھا۔ اس کے علاوہ لاہور کے مسلمان اسلامی تہوار بھی دھوم دھام سے منا کر اپنی مذہبی ثقافت برقرار رکھتے تھے۔ مثلاً معراج شریف، شب برات، رمضان المبارک، عیدین، محرم اور آخری چہار شنبہ کے جشن دھوم دھام سے منائے جاتے تھے۔ سکھوں کی شر انگیزی کبھی کبھی آڑے آتی لیکن مسلمان اس کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ ان تمام واقعات و حقائق کی تفصیل مولوی احمد بخش یکدل کی بیاضوں اور مولوی نور احمد چشتی کی تصنیف یادگار چشتی میں موجود ہے۔ مسلمانوں کے برعکس ہندو اور سکھ بھی اپنے تہوار بڑی شان و شوکت سے مناتے تھے جن میں حکومت کی طرف سے پوری پوری شرکت ہوتی تھی

خالصہ عہد میں معاشرے کی طبقاتی اور گروہی تقسیم کے باوجود عوام الناس کے دلوں میں نسلی یا طبقاتی تعصب نہیں تھا۔ ساری قومیں اور گروہ آپس میں گرم جوشی امن و آشتی سے رہتی بستی تھیں۔ خالصہ عہد میں اگر ارباب سیاست و اقتدار کی شر انگیزیاں ایک طرف کر دی جائیں تو عوامی سطح پر کسی گروہ جھگڑے یا فساد کا تذکرہ نہیں ملتا۔ اس دور کے اہم ہمعصر اور وقائع نویس مثلاً مولوی احمد بخش یکدل، مفتی علی الدین، سید احمد شاہ بٹالوی، مولوی نور احمد چشتی، امرناتھ اکبری، لالہ سوہن لعل سوری اور مفتی غلام سرور لاہوری کے بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ اس عہد میں لاہور کا معاشرتی نظام ایک وسیع تر انسانی معاشرے کی خوبیاں لئے ہوتا تھا۔ مسلمان معلمین نے اپنے غیر مسلم شاگردوں کے ذریعے معاشرے میں انسانی رواداری کی فضا پیدا کر دی تھی۔ امراء اور عمائدین سلطنت غریب سے غریب شہری کی خوشی اور غم میں ایک عام آدمی کی طرح شریک ہوتے تھے۔ خالصہ دربار کے اعلیٰ رتبہ وزیر دیوان دینا ناتھ نے ایک رنگریز کو [illegible] پر تاریخ درج دینے چاہا تو اس نے

چاہا تو اس نے بڑی بے تکلفی سے انکار کر دیا اور زیادہ رقم کا مطالبہ کیا جس پر راجہ دینا ناتھ نے کمال خندہ پیشانی سے پشمینے کا ایک گرانقیمت جوغہ اسے دے کر راضی کیا۔ اسی طرح دیوان بھوانی داس کو جب ولی محمد جیسے بزرگ نے اسکی ڈاڑھی کا احتساب کرتے ہوئے چندر بھان برہمن کا یہ شعر سنایا کہ :

زنار را کہ بر کتف خود نہادہ ام
ہستم سگ رسول رسن در گلو شدن

تو اس نے مسکرا کر کہا ۔ "میاں ولی محمد آپ کے لئے منصب سے زیادہ منبر موزوں تھا تاکہ آپ اس پر کھڑے ہو کر وعظ کیا کرتے"(۱)۔ اور میاں ولی محمد کی بزرگی اور احترام کو محسوس کرتے ہوئے ان سے کسی قسم کی ناراضگی کا اظہار نہ کیا حالانکہ میاں ولی محمد نے دیوان بھوانی داس کو "سگ" سے تشبیہ دی تھی ۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ اپنی جابر و نا ملائم شخصیت کے باوجود بے وجہ کسی پر ظلم نہیں کرتا تھا جس کی وجہ سے اہل شہر میں احساس امنیت موجود تھا۔ مہاراجہ کے حکم سے سزائے مرگ پانے والوں کی تعداد بہت کم ہے ۔ اس نے اپنے چالیس سالہ دور حکومت میں چند ایک کے ناک اور کان کٹوانے کے علاوہ عوام میں سے کسی کو سنگین سزا نہیں دی۔ وہ عوام کی زندگی اور طرز بود و باش سے بے خبر نہ تھا ۔ چونکہ مہاراجہ اپنی ذاتی زندگی میں تہذیب و شائستگی کا کوئی معیار نہیں اپنا سکا تھا، لہذا وہ عوام الناس کے تہذیبی اور تمدنی جذبات کو نہ تو محسوس کرتا تھا اور نہ اس کی نظر میں ان کی کوئی اہمیت تھی ۔ اس کے باوجود وہ تہذیبی احساس اور شعور سے بے بہرہ نہیں تھا اور اس کا سبب شاید اس کا وہ وسیع تجربہ تھا جو ملک گیری کی برسوں پر محیط کوشش کے نتیجے میں اسے حاصل ہوا تھا ۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے بعد خالصہ حکومت کو اگر کوئی بہتر حکمران ملا تو وہ راجہ شیر سنگھ تھا، افسوس ہے کہ اس کی عمر نے وفا نہ کی اور اسے اپنی رعایا کے لئے بہتر (کام) کرنے کا موقع نہ مل سکا ۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ اور راجہ شیر سنگھ دونوں اپنی پر جلال اور جابر شخصیتوں کے ساتھ ساتھ ذوق و احساس جمال سے بھی بہرہ مند تھے ۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ رقص و موسیقی کا نہ صرف بازاری اور تماش بین حد تک شوقین تھا بلکہ اس فن کا بھی قدر دان تھا چنانچہ 9۔ جولائی 1813 کو اپنے دربار میں مہاراجہ نے اس دور کے نامور مغنی نواز عطار خان کو شرف باریابی بخشا اور اس سے بانسری کی دھن سنی ۔ اس واقعہ کا ذکر کرنل گیرٹ نے

---

(۱) مولوی احمد بخش یکدل : بیاض یکدل شمارہ 13 ۔ ف ۱۴۱ ۔ "گفت میاں ولی محمد برای شما منبر بود تا وعظ کنند"

خالصہ دربار کی دستاویز سے یوں ترجمہ کیا ہے :

"Yesterday the noble Sarkar kept on listening to the music of Attar Khan the Singer on the flute upto the time when the night had passed four hours." (1)

اسی طرح مہاراجہ رنجیت سنگھ اور راجہ شیر سنگھ دونوں سفر یا کسی مہم پر جانے سے پہلے "دیوان حافظ" سے فال لیتے تھے۔ جو اس زمانے کے مسلمانوں کا تمدنی اور دستور تھا۔ یہ اطلاع مولوی احمد بخش یکدل نے دی ہے چنانچہ انھوں نے اپنی بیاض اشعار میں مندرجہ ذیل یادداشت درج کی ہے :

"وقت تسخیر کشمیر نوبت دوم رنجیت سنگھ بہادر فال گرفتہ بود و اقرار ولایت کردہ فتحیاب شد۔

بر غم زاغ سیہ شاہباز زریں بال   در مقرنس زنگار آشیان گیرد

اول دفعہ بر تسخیر کشمیر رنجیت سنگھ فال جستہ، اعتبار نکردہ و باز ہزیمت خوردہ۔

اینکہ در کوچۂ معشوقہ ما می گذری   بر حذر باش کہ سر می شکند دیوارش"

"وقت مہاراجہ شیر سنگھ وقتی کہ انگریزان شش آنے طلب کردند فال از خواجہ حافظ گرفتہ بود :

پدرم روضۂ رضوان بدو گندم بفروخت   ناخلف باشم اگر من بجوی نفروشم

شیر سنگھ وقت طوفان لاہور و پیش سائیں فضل شاہ مجذوب رفتن (کذا)

یار مردان خدا باش کہ در کشتی نوح   ہست خاکی کہ بآبی نخرد طوفان را"(2)

مہاراجہ رنجیت سنگھ تاریخ و سوانح و پسند کرتا تھا، وقائع نگار اور مورخین کی نہ صرف حوصلہ افزائی اور عزت کرتا تھا بلکہ ان کے نزدیک رہ کر ان کی معلومات سے استفادہ بھی کرتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ خالصہ عہد میں وقائع نگاری اور تاریخ نویسی کے فن نے ترقی کی۔ سوہن لعل سوری نہ صرف خالصہ دربار کے وقائع نگارِ خصوصی تھے بلکہ انھوں نے مہاراجہ کی فرمائش پر اپنی مشہور تصنیف عمدۃ التواریخ مرتب کی جس کے نسخے مہاراجہ کے حکم سے تیار ہو کر مہاراجہ کے دوست ملکوں میں بھی بھیجے گئے۔ اسی طرح امرناتھ اکبری کو بھی دیوان کا عہدہ دے کر وقائع نگاری پر مامور کیا گیا انھوں نے ظفرنامہ رنجیت سنگھ تالیف کی۔ مہاراجہ کے اہل کار اور امراء بھی مہاراجہ کے اس شوق میں حصہ لیتے تھے۔ چنانچہ اسی عہد میں

1- Events at The Court of Ranjit Singh, Lahore 1935 P. 78.

(2) مولوی احمد بخش یکدل چشتی : بیاض اشعار (قلمی) مملوکہ راقم الحروف ورق 54 الف - مرقومہ ۱۲۷۸ھ / 1862ء

دیوان حافظ کے علاوہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کبھی کبھی گرنتھ سے فال لیتا تھا۔ (سیتارام کوہلی: مہاراجہ رنجیت سنگھ، الہ آباد 1933ء - ص 100)

راجہ گلاب سنگھ نے مولوی احمد یار مرالوی سے مہاراجہ رنجیت سنگھ کی فتوحات سے متعلق منظوم تاریخ "رنجیت نامہ" کے نام سے لکھوائی۔ انگریز سیاحوں نے مہاراجہ کے دورِ حکومت میں پنجاب کی سیاحت کی اور مہاراجہ نے ان کو شرفِ پذیرائی بخشا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دور کو تاریخ نویسی کا دور کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ تاریخ نویسی کا ذوق اس زمانے میں لاہور کی پوری معاشرت میں پھیل چکا تھا۔ مولوی احمد بخش یکدل چشتی نے اس زمانے کے سیاسی، تاریخی اور معاشرتی کوائف پر مشتمل "روزنامچہ" ۱۸۲۱ء میں لکھنا شروع کیا اور ۱۸۶۱ء تک چالیس سال مسلسل لکھتے رہے۔ یہ دستاویز بیس ضخیم جلدوں پر مشتمل تھی۔ یکدل نے "تحفۂ یکدل" کے نام سے لاہور کی سیاسی اور ثقافتی تاریخ لکھی تھی جو ناقص الآخر ہونے کے سبب تاریخِ اختتام سے محروم ہے۔ ان کے علاوہ مہاراجہ کے وزیرِ خارجہ فقیر عزیز الدین نے بھی ایک ضخیم روزنامچہ یادگار چھوڑا ہے (۱)

مسلمانوں کے دینی مراکز اس زمانے میں لاہور کی معاشرت پر بطورِ خاص اثر انداز تھے۔ خالصہ دربار کی طرف سے ان مراکز یا درسگاہوں کی سرپرستی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا البتہ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ دینی اشاعت کے ان مراکز پر خالصہ عہد کے کسی حکمران نے کبھی اعتراض نہیں کیا۔ یہ مراکز اہلِ لاہور کے ایثار اور مذہبی جوش و ولولے کی وجہ سے بہت کامیابی سے چل رہے تھے اور حق یہ ہے کہ سکھ عہد کے اس کفرستان میں دینِ مبین کی شمع روشن کئے ہوئے تھے۔ اہم مدارس میں ایک مدرسہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے نامور وزراء فقیر نورالدین، فقیر امام الدین اور فقیر عزیز الدین نے اپنے خدا پرست والد فقیر غلام محی الدین مرحوم کی یاد میں بھاٹی دروازہ کے اندر قائم کیا ہوا تھا۔ جس میں اس دور کے جید علماء درس دیتے تھے۔ طلبہ کو رہائش، خوراک اور لباس کی خاطر خواہ سہولتیں حاصل تھیں۔ اس مدرسے کا نام "دربار شریف" تھا اور اسے ایک ادارے کا درجہ حاصل تھا۔ فقیر سید عزیز الدین نے اپنے روزنامچوں میں اس مدرسے کے اخراجات اور دینی کارناموں کی تفصیل دی ہے۔ خالصہ عہد کے ممتاز علمائے دین خلیفہ غلام اللہ اور مولوی غلام رسول بھی کچھ عرصہ "دربار شریف" میں تدریسی فرائض انجام دیتے رہے ہیں۔ باقی مدرسے علماء کے ذاتی تھے، یہ مدرسے علماء کے ناموں اور شخصیتوں سے پہچانے جاتے تھے۔ اس ضمن میں چند ایک کا ذکر بے محل نہ ہوگا۔

۱۔ مولوی غلام رسول و خلیفہ غلام اللہ:-

یہ دونوں علماء کا درس حوالی طوائف کی مسجد میں تھا۔ ہزاروں طلباء اور درویش دور

---

(۱) مولوی احمد بخش یکدل کے چند روزنامچے راقم الحروف کے پاس موجود ہیں باقی ان کی اولاد کی بے اعتنائی کے سبب سے ضائع ہو چکے ہیں۔ تفصیل متعلقہ باب میں آئے گی۔ تحفۂ یکدل کا بخطِ مصنف نسخہ راقم الحروف کے کتب خانے میں ہے۔ فقیر عزیز الدین کے روزنامچے کی دو جلدیں پنجاب یونیورسٹی لائبریری اور دو جلدیں مرکزی عجائب خانہ لاہور کی لائبریری میں محفوظ ہیں۔

دور سے آکر تعلیم حاصل کرتے تھے۔ پنجاب کے علاوہ ہندوستان اور بیرونی ممالک سے بھی طلبا اس مدرسے میں داخل تھے۔ دینی تعلیم کے علاوہ مروجہ تعلیم یعنی عربی، فارسی، فلسفہ، صرف، نحو اور طب وغیرہ کے درس میں ہر مذہب و ملت کے تشنگان علم شامل ہوتے تھے۔ کنہیا لعل نے لکھا ہے کہ "ہزاروں ہندو، مسلمان اس مدرسے میں تعلیم پاتے تھے" (۱) مہاراجہ رنجیت سنگھ مولوی غلام اللہ کو دربار میں تعظیماً برابر کی کرسی دیتا تھا۔

2 - مولوی جان محمد لاہوری :

ان کا مدرسہ مسجد نور ریان والی میں تھا۔ مولوی صاحب کی وفات کے بعد ان کے لائق فرزند مولوی محمد فیض اور ان کے فاضل بھائی مولوی محمد افضل نے درس و دینی خدمت کو جاری رکھا۔ مولوی جان محمد لاہوری کی تصانیف میں زبدۃ التفاسیر، رسالہ وراثت، خلافت امیر معاویہ، شرح قصیدہ بردہ، شرح قصیدہ امالی، معراج نامہ، رسالہ حرمت تمباکو اور رسالہ عدم فرضیت جمعہ وغیرہ مشہور ہیں۔ آپ 1779ء میں پیدا ہوئے اور 1851ء میں وفات پائی۔ (2)

3 - مولوی غلام محی الدین بگوی :

لاہور کی لال مسجد میں مدرسہ جاری کیا اور تیس سال تک درس و تدریس دیتے رہے۔ ۳۰ شوال ۱۲۷۳ھ / 1857ء کو وفات پائی۔ (3)

۴ - مولوی غلام حسین چشتی :

لاہور میں لوہاری دروازے کے اندر درس دیتے تھے۔ تفصیل آئندہ ابواب میں آئے گی۔

لاہور کی معاشرت کا یہ تذکرہ نامکمل رہے گا اگر اس دور کے چند اہم اہل فن اور اہل ہنر کا ذکر نہ کیا جائے جنہوں نے شاعری، فنون لطیفہ اور دیگر علوم و فنون میں لاہور کو پورے ہندوستان میں امتیازی حیثیت دے رکھی تھی۔ شعراء اور ادباء کا ذکر آئندہ باب میں آئے گا اس جگہ بعض دوسرے اہل ہنر کا ذکر کیا جاتا ہے :

کوفتگر : فیض اللہ، فن کوفتگری کے علاوہ بہت اچھے شاعر اور صاحب علم تھے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی وفات پر انہوں نے مادہ ہائے تاریخ ذیل کے دو مصرعوں میں موزوں کئے جو ان کی علمی و ادبی استعداد کی نشاندہی کرتے ہیں :

۱۔ سید گردید خورشید جہانتاب ۔ ۲۔ چشم خورشید آمدہ زیر کسوف (۴)

---

(۱) کنہیا لعل ہندی : تاریخ لاہور، لاہور، وکٹوریہ پریس 1884 - ص ۱۹۱

(۲) نقوش لاہور نمبر ص 532 (۳) مولوی فقیر محمد جہلمی : حدائق الحنفیہ، لکھنؤ، نولکشور، 1906، ص 478

(۴) بیاض کیدل شمارہ 5 - ص 180

نقاش (مصور) :

لاہور میں مصوروں کے کئی خاندان تھے۔ ان میں کچھ موچی دروازے میں کچھ شاہ عالمی دروازے میں اور کچھ مزنگ میں آباد تھے۔ موچی دروازے کے نقاشوں میں محمد صلاح نقاش، ان کے بیٹے محمد امین نقاش اور ان کے بیٹے نور محمد نقاش اپنے عہد میں ممتاز حیثیت رکھتا تھا۔ اس محلے کے ایک اور مصور قادر بخش نقاش نے بھی اپنے عہد میں خاص شہرت حاصل کی تھی۔ ایک اور فنکار غلام محمد نقاش کو نور محمد نقاش نے اپنا بیٹا بنایا اور اسے فن مصوری کی تعلیم دی۔ یہ غالباً مزنگ یا اچھرے میں رہتے تھے۔ شاہ عالمی دروازے کے نزدیک موہٹہ "حقی" بازار کے قرب و جوار میں کریم بخش نقاش رہتے تھے۔ جن کا مکان اس علاقے میں حویلی کریم بخش نقاش کے نام سے مشہور تھا۔ ان کے موقلم کا شاہکار ایک خواجہ سلیمان تونسوی (سنگھڑوی) کی شبیہ راقم الحروف کے پاس ہے۔ یہ شبیہ خالصہ عہد کی نقاشی کا بہترین نمونہ ہے۔

خطاط :-

امام ویردی اور محمد تقی پشاوری، مؤخر الذکر فارسی زبان کے بہت اچھے شاعر بھی تھے۔ امام ویردی کی شخصیت خطاطی کی تاریخ کی جانی پہچانی ہے۔

مصوری، خطاطی اور صحافت یعنی جلد سازی کے یوں تو بے شمار مراکز لاہور میں موجود تھے لیکن جو شہرت مولوی محمد بخش صحاف کے کارخانے کو نصیب ہوئی وہ کسی کو نہ مل سکی۔ یہ کارخانہ مسجد وزیر خاں سے ملحقہ دوکانوں میں قائم تھا۔ اور بے شمار خطاط، مصور اور صحاف اس سے وابستہ تھے جو دن رات کام کر کے تشنگان علم کے لئے کتابیں نقل کرتے اور اہل ذوق سے تذہیب، آرائش، مصوری اور نقاشی میں داد و تحسین حاصل کرتے تھے۔ اس عہد کے معروف دانشمند مولوی احمد بخش یکدل بھی کچھ عرصہ اس کارخانے سے وابستہ رہے۔ اس کارخانے میں تیار شدہ درسی اور علمی کتابوں میں سے بعض راقم الحروف کے کتب خانے میں موجود ہیں۔

حکاک :-

مولوی حسن دین حکاک، یکدل نے ان کا شجرہ نسب درج کیا ہے جو یوں ہے:

حسن دین حکاک بن محکم دین حکاک بن محمد اعظم حکاک بن فتح محمد حکاک بن نور۔ (۱)

اس شجرے سے اندازہ ہوتا ہے کہ لاہور میں حکاکی کا کام کئی پشتوں سے ہو رہا تھا۔ حکاکی کا فن اپنی نزاکت، لطافت اور محنت کے باعث فنون لطیفہ کے اہم شعبوں میں شمار ہوتا ہے۔

---

(۱) یکدل: بیاض یکدل شمارہ 13 ص 146

[illegible] عہد

جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا، الحاق پنجاب کے بعد لاہور پر انگریزوں کا مستقل قبضہ ۱۸۴۹ء میں ہوا۔ اس قبضے کے بارے میں اہل لاہور کا سماجی اور عوامی رد عمل قابل ذکر ہے۔ اس رد عمل کی تفصیل ہمیں پنجاب سے متعلق مشہور تاریخ کی مشہور کتابوں میں نہیں ملتی، لیکن اس عہد کے بعض اہم روزنامچوں، یادداشتوں اور اخبارات سے اس کے بعض کوائف ہمارے سامنے آتے ہیں۔ اس سلسلے میں مولوی احمد بخش یکدل کا روزنامچہ اس لئے بالخصوص قابل اعتنا ہے کہ یکدل ہر قسم کے سیاسی اور غیر سیاسی دباؤ یا مجبوریوں سے بے نیاز ہے۔ اس کی بیاضیں ایک مورخ کی دیانت اور غیر جانبداری کا ناقابل تردید نمونہ ہیں۔ چنانچہ یکدل کے ہاں انگریزوں کی پنجاب میں آمد پر مندرجہ ذیل خیالات ملتے ہیں:

شہر لاہور عجب رونق داشت — جلوۂ قدرت حق، الحق داشت
ناگہاں چشم بدش ویران کرد — جا بجا ساکن او حیران کرد
لولیانش ہمہ ایران آشوب — دادہ از حسن بجنت جاروب
حسن بے پردۂ کمترانی ہے — ملک دل کردہ بویرانی ہے
چشم مستان فتنہ بکشمیر انداخت — در دل یکدل ما تیر انداخت
کوچہ و سخت کمانی غماز — گوشۂ زلف درازی طناز
عشق و غم ہر دو نصیب این شہر — حسن و عشق ہر دو رقیب این شہر
یارب این عیسویان ناجنس اند — قرد و ضبع اند بظاہر انس اند (۱)

"انگریزان بلائے عظیم برای مردم پنجاب۔ آمدند و صورت خارجستان بنظر می آید" (۲)

"و من در عہد انگریزی تنہا شدہ و ہمہ مردم مشغول ہوا و ہوس شدند وامروز مردم ہم انگریزی خوان و پارسی، تازی یک لخت نابود شدہ و کس را پروای علوم نماندہ و ہمہ مردم پوشاک انگریزی در خواستند و ہوس زبان انگریزی و بازیاد دریان دلیر و دین [illegible] ضعف یافتہ و ہوکی کہ بشرارت لیتہ و پدر بر پسر نالش کردہ و پسر بر پدر و دکانہا بازار و شراب و دغابازی و دروغ و سوگند کاذب و فریب آن قدر گرم شد کہ در خانہ صدق و کذب گنجائش یک مو در موافقت نماندہ" (۳)

---

(۱) بیاض یکدل شمارہ ۱۲ (۲) بیاض یکدل شمارہ ۱۳ [illegible]

(۳) اوراق منسلک با گلستان سعدی بخط یکدل ذخیرہ نیشنل میوزیم کراچی۔

لاہور میں سب سے پہلا مطبع لاہور کرانیکل تھا جسے 1849ء میں منشی محمد عظیم نے قائم کیا تھا۔ لیکن لاہور کا سب سے پہلا اردو اخبار "کوہ نور" تھا جسے منشی ہرسکھ رائے نے 14- جنوری 1850ء کو ہفت روزہ کی صورت میں شائع کیا۔ لالہ ہرسکھ رائے ایک تجربہ کار ایڈیٹر تھے اور "کوہ نور" کے اجراء سے پہلے وہ "جام جمشید" میرٹھ کے مدیر بھی رہ چکے تھے۔ کوہ نور ہر چند کہ عام پالیسی کے اعتبار سے انگریزوں کا ہم آواز تھا لیکن وہ حکومت انتقامی پالیسیوں کے خلاف حق گوئی سے باز نہیں رہ سکتا تھا۔ انگریزوں نے تسخیر پنجاب کے ساتھ ہی پایۂ تخت لاہور کو قرار دیا اور شہر میں جب معاشرتی نظام کی سرپرستی شروع کی وہ اہل لاہور کے مشرقی ضمیر کے لئے ناقابل قبول تھا۔ 1851ء کی اہم خبروں سے پتہ چلتا ہے کہ انگریز باشندگان لاہور کے مال و دولت کو مال غنیمت سمجھ کر لوٹ رہے تھے اور لوٹ کھسوٹ کے اس عمل میں کسی کی عزت و ناموس بھی محفوظ نہیں تھی۔ چنانچہ 11- فروری 1851ء کے کوہ نور کی مندرجہ ذیل قابل توجہ ہیں۔

"محلہ بھاٹی دروازہ (لاہور) میں ایک گورہ نے متصل خانہ بھائی رام سنگھ ایک بھلے مانس کے گھر میں جا کر ایک عورت جمیلہ کو دبا لیا تھا۔ ایک مرد نے اور عورتوں کا شور سن کر اندر جا کر گورہ سے عورت کو چھڑا لیا، مگر آپس میں مار پیٹ سخت ہوئی اور آخر کار گورہ بھاگ گیا"۔

"شہر کے بھنگیوں کو تاکیداً حکم ہو گیا ہے کہ جو ایک محلہ کی خبر بلا تامل تھانہ جات میں پہنچا دیں" (1)

گورہ غارتگری اور غنڈہ گردی کا یہ دور برسوں پر محیط رہا چنانچہ 1856ء میں جبکہ انگریزوں کو غیر رسمی طور پر لاہور میں آئے دس سال اور رسمی طور پر آٹھ سال گزر چکے تھے مولوی نور احمد چشتی نے یادگار چشتی تصنیف کی۔ اس کتاب میں مصنف نے ایک مقام پر حکومت کی توجہ ان اوباش اور غنڈہ عناصر کی طرف مبذول کرائی ہے جو لاہور کے گلی کوچوں میں شرفاء کی پگڑیاں اچھالنے اور شریف زادیوں کے سروں سے چادریں کھینچنے کے لئے کھلے چھوڑ دیئے گئے ہیں(2)۔ اس امر کی شکایت "کوہ نور" نے بھی کی تھی۔

لاہوری معاشرت کو انگریزوں کی آمد نے بری طرح متاثر کیا، لیکن اس معاشرے کا ایک بڑا حصہ انگریزوں سے نفرت کا برابر اظہار کرتا رہا اور یہی نفرت لاہور کے تمدنی اور معاشرتی تشخص کو واضح کرتی ہے۔

---

(1) منشی ہرسکھ رائے: کوہ نور۔ 11 فروری 1851ء

(2) مولوی نور احمد چشتی: یادگار چشتی (مرتبہ گوہر نوشاہی) لاہور، مجلس ترقی ادب 1975ء۔ ص 160

انگریزی عہد حکومت کے آغاز کے ساتھ ہی پنجاب کی تاریخی شناخت کا عمل شروع ہو گیا۔
اس کی زمین خالصہ عہد میں ہموار ہو چکی تھی۔ خالصہ عہد میں شروع ہونے والے تاریخ نویسی
کے عمل نے ترقی کی۔ انہیں بھی پنجاب کے بارے میں معلومات، مردم پنجاب کے رسم و رواج اور
بود و باش کے آگاہی سے نئی حکومت کی اہم سیاسی ضرورت تھی۔ خالصہ عہد کے مصنفین نے
تازہ حکمرانوں کی مدد کی۔ ان میں سے کچھ نے معلومات فراہم کیں اور کچھ نے انگریزوں کے ایما
پر مستقل تاریخیں لکھیں۔ انگریزوں نے اس کام کے لئے بھاری صلے اور معاوضے کا لالچ دیا
جس نے اس کارروائی کو تیز تر کر دیا۔ لاہور کے علاوہ پنجاب کے دوسرے شہروں میں بھی مورخین نے
مجموعہ تصانیف پیش کیں۔ فارسی مغلیہ اور خالصہ عہد کی سرکاری اور مسلمانوں کی
تہذیبی زبان تھی، اس کا اثر کم کرنے اور کچھ نئی حکمت عملی کے مطابق انگریزوں نے اردو کی
سرپرستی شروع کی۔ انگریزی دفتروں کے لئے اردو کی تعلیم لازمی قرار دے دی گئی۔ چنانچہ مولوی
نور احمد چشتی نے جو "صاحبان عالی شان" کے مدرس تھے اپنے یورپین شاگردوں کی تعداد دو ہزار
کے قریب بیان کی ہے۔ (1)

پنجاب کا نیا معاشرتی ڈھانچہ جس میں مشرق و مغرب کے تہذیبی نظریات دست و گریبان ہو رہے
تھے ابھی آغاز کے مراحل ہی میں تھا کہ 1857ء کی جنگ آزادی کا واقعہ رونما ہو گیا، پنجاب
چونکہ اس واقعہ سے کئی سال پہلے ہی انگریزوں کے قبضے میں آ چکا تھا اس لئے یہاں آزادی خواہوں
کا سد باب کرنا مشکل نہ تھا۔ لاہور اس وقت سر جان لارنس کی حکومت میں تھا۔ لیکن تحریک آزادی
کے موقع پر موصوف لاہور سے باہر تھا رابرٹ منٹگمری واقعہ کی خبر پاتے ہی [illegible] اور اپنے [illegible]
میں لے اور فوراً میاں میر چھاؤنی اور قلعہ لاہور میں متعین دیسی سپاہیوں سے ہتھیار چھین لئے۔
ان واقعات کی ایک جھلک باری علیگ نے یوں دکھائی ہے:

" ۳۰ جولائی کو پرکاش سنگھ ننگی تلوار لے کر نکلا۔ اور اپنے ساتھی سپاہیوں سے
کہنے لگا کہ وہ فرنگیوں کو قتل کر دیں۔ باغی سپاہی میاں میر سے بھاگ نکلے۔ گرفتار ہونے والوں
کو توپ دم کر دیا گیا" (2)

یکم اگست کو عید الاضحیٰ کے روز اجنالہ کے تھانے میں آزادی خواہ مجاہدین کو جس بے دردی اور
بے رحمی سے شہید کیا گیا اس کی تفصیل دنیا میں سفاکی کا بدترین نمونہ ہے:

" جب ایک سو پچاس سپاہی مارے جا چکے تو ایک جلاد غش کھا کر گر پڑا لہٰذا جلادوں

---

(1) مولوی نور احمد چشتی: تحقیقات چشتی، لاہور 1964ء ص 27۔
(2) باری علیگ: کمپنی کی حکومت، لاہور نیا ادارہ 1969ء، ص 387۔

کو آرام کرنے کا تھوڑا سا وقفہ دیا گیا۔ آرام کے بعد پھر قتل کا سلسلہ شروع ہوا۔ جب دو سو سینتیس سپاہی مارے جا چکے تو اطلاع دی گئی کہ باقی ماندہ سپاہی برج سے باہر نکلنے سے انکار کر رہے ہیں۔ دروازے کھولے گئے، وہ سب کے سب ڈر یا مر چکے تھے۔ غیر شعوری طور پر بلیک ہول کے حادثے کا اعادہ ہو چکا تھا۔ پینتالیس نعشوں کو کھینچ کر باہر نکالا گیا اور دوسرے باغیوں کی نعشوں کے ساتھ سب کو ایک مشترک گڑھے میں دفنا دیا گیا۔" (1)

جنگ آزادی میں انگریزوں کو فتح ہوئی۔ لیکن اس کامیابی کے بعد انگریزی سیاست نے ایک نیا شعور بھی حاصل کیا۔ انھیں احساس ہوا کہ رعایا کے تعاون اور رضامندی کے بغیر اس ملک پر حکومت کرنا آسان نہیں، لہٰذا 1857ء کے بعد انگریز حکومت کی توجہ لاہور کے عوام کی فلاح و بہبود کی طرف کافی حد تک مبذول ہو گئی۔ 1858 میں لارڈ کیننگ گورنر جنرل بنے اور لارڈ لارنس لیفٹیننٹ گورنر پنجاب مقرر ہوئے۔ پنجاب بھر میں اس تقرری پر خوشی کا اظہار کیا گیا۔ شعراء نے تاریخیں کہیں، امرناتھ اکبری کی مختصر تاریخ درج ذیل ہے:

چوں صاحب جان سلطنت را	شد خلعت سروری مبارک
گویند برائے ذات اشرف	ہر گوشہ خوش اختری مبارک
شد از مدد جناب عیسیٰ	ہر خوبی و بہتری مبارک
بر ذات گرامیش ہمیشہ	الطاف سکندری مبارک

عیسیٰ شدہ شامل و ہمیں گفت
لفٹیننٹ گورنری مبارک (2)

لارڈ لارنس کی عام پالیسی دانشمندانہ اور کسی حد تک مسلم نواز تھی۔ لاہور میں سکھوں نے مسلمانوں کو مذہبی، سیاسی اور تمدنی آزادی سے کافی حد تک محروم کر رکھا تھا۔ لارڈ لارنس نے اس محرومی کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ 1864ء میں رابرٹ منٹگمری نے لاہور میں فنون لطیفہ کی نمائش کا افتتاح کر کے اہل پنجاب کے ذوق جمال کو مہمیز کیا۔ 1864ء میں ہی لاہور میں ایک عہد ساز ادبی تنظیم "انجمن پنجاب" وجود میں آئی جس کے دور رس اثرات نے لاہور کو پورے برصغیر میں علمی اور ادبی اعتبار سے نمایاں حیثیت دی اور لاہور کے گلی کوچے اردو ادب کے زمزموں سے گونج اٹھے۔

---

(1) ایضاً، ص 388 (2) امرناتھ اکبری، دیوان: دیوان اکبری، لاہور مطبع کوہ نور 1873ء ص 152

باب دوم :- خاندان چشتی کا علمی و ادبی ماحول

الف : معاصر مورخین :-

جس طرح گزشتہ باب میں اشارہ کیا گیا، مہاراجہ رنجیت سنگھ اور اس کے جانشینوں کے عہد کو اگر پنجاب میں تاریخ نویسی کا دور کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ اس دور سے متعلق بے شمار تاریخی آثار اب تک دستیاب ہو چکے ہیں لیکن لاتعداد تصانیف ابھی تک پردۂ گمنامی میں ہوں گی۔ ان تاریخی آثار میں جو کتب ہمیں اب تک سامنے آئی ہیں، ان میں سے قابل ذکر مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) عمدۃ التواریخ مصنفہ لالہ سوہن لال سوری

(۲) ظفر نامہ رنجیت سنگھ " دیوان امرناتھ اکبری

(۳) رنجیت نامہ " احمد یار مرالوی

(۴) فتح نامہ "ملتان و پشاور [illegible]"، مصنفہ گنیش داس پنگل

یہ چاروں کتابیں مہاراجہ رنجیت سنگھ کے عہد حکومت سے تعلق رکھتی ہیں۔ خاندان چشتی کے علمی کام کی صحیح تاریخ چونکہ اس عہد سے شروع ہوتی ہے لہٰذا اس تاریخی سرمایہ کو خاندان چشتی کا معاصر سرمایہ کہنا مناسب ہوگا۔ ان مستقل تصانیف کے علاوہ مہاراجہ کے عہد میں لکھے گئے بعض اہم روزنامچے بھی قابل ذکر ہیں جن کا ذکر جو ضمناً مقالے میں ضرورت کے تحت بار بار آئے گا لیکن یہاں بھی مختصراً ان کا حوالہ دینا نامناسب نہ ہوگا۔

1۔ روزنامچہ مولوی احمد بخش یکدل چشتی: بیس مرتب اور دو نامرتب کل بائیس بیاضوں پر مشتمل ہے، تفصیل باب چہارم میں آئے گی۔

2۔ روزنامچہ فقیر عزیز الدین ابن فقیر غلام محی الدین نوشتۂ ثانی؛
اس روزنامچے کے دو حصے پنجاب یونیورسٹی لائبریری اور دو حصے کتب خانہ لاہور میں محفوظ ہیں۔

3۔ کتاب مراسلات از فقیر عزیز الدین، مملوکہ فقیر خانہ، لاہور

4۔ روزنامچہ فقیر غلام محی الدین: مخزونہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور

5۔ روزنامچہ عہد مہاراجہ رنجیت سنگھ، مصنف نامعلوم۔
مخزونہ مرکزی محافظ [illegible] لاہور

6۔ روزنامچہ عہد مہاراجہ رنجیت سنگھ نوشتہ نامعلوم
مملوکہ کتب خانہ منتخبی، ڈاکٹر وحید قریشی، لاہور

7۔ تحفۂ یکدل (تاریخ لاہور): مصنفہ مولوی احمد بخش یکدل چشتی

1857ء کی جنگِ آزادی کے خاتمے اور انگریزی حکومت کے قیام کے بعد انگریزوں نے پنجاب شناسی کی طرف توجہ دی۔ اس سلسلے میں جو امور بطورِ خاص توجہ کا مرکز بنے ان میں تاریخِ پنجاب کی از سرِ نو ترتیب و تنظیم کا کام سرِ فہرست نظر آتا ہے۔ پنجاب کی تاریخ سے سیاسی دلچسپی کے علاوہ انگریزوں کے اس اہتمام کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ سکھ دور کے بارے میں وسیع اور غیر جانبدار معلومات مرتب صورت میں موجود نہیں تھیں۔ جو کتب موجود تھیں ان میں سے بعض کی سند خود ان کے معاصرین کی نظر میں مشکوک تھی۔ مثال کے طور پر مفتی علی الدین بن مفتی خیر الدین کی کتاب "عبرت نامہ" ہر چند کہ خالصہ عہد کے بعد لکھی گئی تاہم وہ خود خالصہ عہد کے معاصرین میں سے تھے۔ انھوں نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے عہد میں لکھی جانے والی کتابوں کے بارے میں اپنے خیالات کا یوں اظہار کیا ہے:۔

عمدۃ التواریخ:۔ "لالہ سوہن لال نامی سکنہ لاہور کتابی درین ضمن نوشتہ کہ بہ تطویل انجامیدہ و بسبب ہم مذہبی در اکثر مقامات رعایت نمودہ از نفس الامر بر کنار ماندہ و دران سوائے ایجاد و ذکر ملک گیری سنگھان دیگر چیزی مندرج نہ نمودہ"

ظفرنامہ رنجیت سنگھ:۔ "و ہم دیوان امرناتھ پنڈت کاشمیری دہلوی کتابی نوشتہ کہ آن مثل جواہر ساطع لیکن بعبارت مختصر و مغلق بودہ کہ مطالعہ اش در بر آوردن مطالب شائق را بہ دقت می اندازد۔"

تاریخِ پنجاب:۔ "و نیز بوٹے شاہ نامی آدمی سکنہ لودھیانہ کتابی نوشتہ کہ باوصف متانت و رنگینی فقرات بسبب تطویل اکثر مطلب دران مہمل ماندہ و سامع را جز سمع خراشی از ان حاصلی نیست"۔ (۱)

سکھ دور میں لاہور دربار میں آنے والے انگریز سیاحوں کی یادداشتیں اول تو تعداد میں کم تھیں، دوسرے ان میں سے اکثر کی اشاعت نہ ہونے کے سبب سے محققین تاریخ کے لئے ان سے استفادہ کرنا ناممکن تھا۔ چنانچہ 1864ء کے بعد انگریزوں نے پنجاب کے بارے میں وسیع پیمانے پر معلومات جمع کرنا شروع کر دی تھیں۔ اس سلسلے میں خالصہ عہد کے بعض نامور مصنفین اور تاریخ دانوں سے بھی استفادہ کیا گیا۔ مورخین کی

---

(۱) مفتی علی الدین بن مفتی خیر الدین: عبرت نامہ، مرتبہ ڈاکٹر محمد باقر، لاہور 1961ء ص 3
عبرت نامہ اور اس کے مصنف کا تفصیلی ذکر آئندہ سطور میں آئے گا۔

سرپرستی کی گئی اور ان کو تاریخ پنجاب پر امتیازی کاموں کا معقول معاوضہ اور انعام دیا گیا۔ اس سلسلے میں تاریخ دانوں نے پوری دیانت داری سے کام لیا۔ یہاں تک کہ مولوی احمد بخش یکدل جیسے انگریز دشمن مورخ بھی انھیں تاریخی معلومات فراہم کرنے پر رضامند ہو گئے۔ چنانچہ مولوی صاحب نے اپنی یادداشتوں میں ایک جگہ لکھا ہے:

"و امروز ہمراہ حافظ ویر و بخش روانۂ مکان میر عبداللہ شاہ مترجم کہ در دفتر انگریزی گرالیہ صاحب است، شدہ رفتہ رسیدیم۔ صاحب بہادر کہ نام آن معلوم نیست، امروز معلوم کردن خواہم نوشت، نشستہ بودند، بر کرسی کہ مرسوم این گروہ است۔ و باز بسیار خلق و محبت کرد۔ احوال رسول پور مع تذکرہ تمام ظاہر کردم... وسیلہ میر عبداللہ مترجم بحضور صاحب بہادر گذرانیدہ، مشارالیہ بسیار راضی شدہ۔" (۱)

اس سرکاری میں جو مصنفین پیش پیش رہے ان میں غلام محی الدین بوٹے شاہ، مفتی علی الدین، مولوی نور احمد چشتی، رائے امین چند، سید احمد شاہ بٹالوی، مفتی تاج الدین اور مفتی غلام سرور لاہوری قابل ذکر ہیں۔ 1847ء میں بوٹے شاہ نے کیپٹن جے ڈی ریزیڈنٹ لدھیانہ کی فرمائش پر فارسی زبان میں تاریخ پنجاب لکھی۔ 1856ء میں مفتی علی الدین نے "عبرت نامہ" مکمل کر کے [illegible] کمشنر لاہور کو پیش کی۔ مولوی نور احمد چشتی نے تحقیقات چشتی 1864ء میں ولیم کولڈ سٹریم کی فرمائش پر تصنیف کی۔(۲) اسی طرح مسودہ رائے امین چند، تاریخ پنجاب مصنفہ سید احمد شاہ، حالات ضلع لاہور از مفتی تاج الدین اور تاریخ مخزن پنجاب از مفتی غلام سرور لاہوری بھی "صاحبان عالی شان" کی فرمائش پر "[illegible] رسید جیلہ" سے لکھی گئیں۔ یہ کتابیں محض سیاسی وقائع کو ہی پیش نہیں کرتیں بلکہ ان میں سے ہر ایک کے اندر انیسویں صدی کی معاشرت، رسم و رواج اور لوگوں کے طرز بود و باش پر خصوصی ابواب کا اضافہ کیا گیا ہے۔ بوٹے شاہ کی تاریخ سیاسی ہے لیکن مفتی علی الدین اور سید احمد شاہ کے ہاں معاشرتی اور تمدنی حالات کے لیے خاص صفحات وقف ہیں۔

مفتی علی الدین نے لالہ موہن لال اور ارنا ٹو اکبری پر جو الزام لگائے۔ مفتی کے عہد کی تصانیف بھی ان عیوب سے پاک نہیں۔ اگر ان سے پہلے مصنفین نے قومی تعصب اور گروہی تنگ نظری کو اپنے آپ پر مسلط کیا ہے تو انہوں نے بھی حالات و واقعات کو اپنے ولی النعمت یعنی انگریز کی عینک سے دیکھنا قابل فخر سمجھا ہے۔ یہاں تک کہ مفتی غلام سرور لاہوری

---

(۱) مولوی احمد بخش یکدل چشتی: بیاض یکدل شمارہ 13

(۲) مولوی نور احمد چشتی نے لاہور کی معاشرتی زندگی پر ایک کتاب یادگار چشتی کے نام سے جارج اوبارن کی فرمائش پر 1856ء میں تصنیف کی۔

نے تو جنگ آزادی کو ہر جگہ مفسدہ ہی لکھا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انیسویں صدی میں مولوی احمد بخش یکدل چشتی کے علاوہ کوئی ایسا مورخ نہیں جسے صحیح معنوں میں غیر جانبدار اور حق گو سمجھا جائے۔

یوں تو ان میں سے ہر مورخ کا لاہور کے خاندانِ چشتی سے کچھ نہ کچھ تعلق تھا لیکن بعض مصنفین کے اس خاندان سے خصوصی مراسم تھے۔ چنانچہ امرناتھ اکبری مصنف ظفرنامہ رنجیت سنگھ، مولوی احمد بخش یکدل چشتی کے شاگردِ خاص تھے۔ امرناتھ اکبری نے اپنی ظفرنامہ میں جگہ جگہ ممدوح، حامی اور استادی کے کلمات سے یاد کیا ہے۔ ان کی مورخانہ حیثیت پر روشنی ڈالتے ہوئے پروفیسر سیتارام کوہلی لکھتے ہیں :-

"دیوان امرناتھ مہاراجہ کے مشہور دیوان راجہ دینا ناتھ کا بیٹا تھا۔ وہ اپنے زمانے کے نہایت قابل استاد مولوی احمد بخش چشتی کا شاگرد تھا۔ مولوی صاحب کو خود تاریخ کے مطالعے کا بہت شوق تھا اور یہی شوق انھوں نے اپنے اس ہونہار اور قابل شاگرد میں پھونک دیا۔ (۱)

یقینی ہے کہ امرناتھ اکبری نے مولوی یکدل کی معلومات اور مورخانہ نظر دونوں سے استفادہ کیا ہوگا۔ مولوی نور احمد چشتی، مولوی یکدل کے بیٹے تھے ان کی کتاب تحقیقاتِ چشتی پر آئندہ ابواب میں بحث ہوگی۔ مفتی علی الدین بن مفتی خیر الدین، مولوی یکدل چشتی کے ہم زلف ہیں، اور مولوی نور احمد چشتی کے حقیقی خالو۔ اسی طرح مفتی غلام سرور لاہوری اور مولوی نور احمد چشتی میں گہرے دوستانہ مراسم تھے اور مفتی غلام سرور نے اپنی مشہور تصنیف خزینۃ الاصفیا کی تصنیف میں مولوی نور احمد کی کتاب تحقیقاتِ چشتی کے مسودے سے استفادہ کیا تھا۔ نیز تحقیقاتِ چشتی میں اکثر مادہ ہائے تاریخ مفتی غلام سرور کے ہی موزوں کیے ہوئے ہیں۔ چشتی خاندان کے ان اشخاص میں سے امرناتھ اکبری، اور مفتی غلام سرور کا ذکر شعراء کے زمرے میں بھی آئے گا جہاں ان پر مناسب روشنی ڈالی جائے گی۔ مولوی نور احمد چشتی کا تفصیلی تعارف بھی آئندہ ابواب میں الگ عنوانات کے تحت آئے گا، اس جگہ بے محل نہ ہوگا اگر مفتی علی الدین بن مفتی خیر الدین کے حالاتِ زندگی پر کچھ روشنی ڈال دی جائے۔ مفتی صاحب کی تصنیف عبرت نامہ

---

(۱) سیتارام کوہلی : مہاراجہ رنجیت سنگھ (دیباچہ)، الہ آباد 1933ء ص 5

۱۹۶۱ء میں پنجابی ادبی اکیڈمی لاہور نے ڈاکٹر محمد باقر کے حواشی سے دو حصوں میں شائع کیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کو مقدمے کی تدوین کے لئے مفتی علی الدین کے حالات زندگی تفصیلاً میسر نہ آسکے لہٰذا انھوں نے کتاب کے اندر مندرجہ چند اشارات پر ہی اکتفا کیا اور مصنف پر ایک معمولی سے نوٹ کے علاوہ قارئین کو ان کے بارے میں خاطر خواہ معلومات بہم نہ پہنچ سکے۔ میں نے مفتی علی الدین کے حالات زندگی چشتی خاندان کی بیاضوں اور یادداشتوں کی مدد سے مرتب کئے ہیں جنہیں مختصراً یہاں درج کرتا ہوں۔ یہ حالات پہلی مرتبہ منظر عام پر آ رہے ہیں۔ "عبرت نامہ" کی تاریخی اہمیت کے پیش نظر ان معلومات کی قدر و قیمت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

مفتی علی الدین بن مفتی خیر الدین

مفتی علی الدین مصنف عبرت نامہ کے والد کا نام مفتی خیر الدین[1]، دادا کا نام غلام محمد سادہ کار اور پردادا کا نام مفتی محمد یوسف تھا۔ ان کی والدہ کا نام صاحب جان بتایا گیا ہے[2]۔ مفتی علی الدین کے بزرگ عہد درانی میں علم حاصل کر کے قضاوت کے عہدے تک پہنچے تھے۔ مفتی صاحب دو بھائی تھے۔ دوسرے بھائی ان سے بڑے تھے اور ان کا نام مفتی ابوبکر تھا۔ مفتی ابوبکر کی اولاد کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں ملتی، وفات ۱۲۶۵ھ / 1849ء میں ہوئی۔ مولوی نور احمد چشتی نے مندرجہ ذیل تاریخ وفات کہی:

سروشم سال از روئے جمل زود

دریغا گفت و ہے ہے گفت و وائے [3]

مفتی علی الدین کی شادی مولوی محمد بخش صحاف کی بیٹی آمنہ سے ہوئی۔ آمنہ کی دوسری بہن خیر النساء مولوی احمد بخش یکدل چشتی کی اہلیہ تھی۔ اس اعتبار سے مفتی علی الدین، مولوی یکدل کے ہم زلف اور مولوی نور احمد چشتی کے حقیقی خالو تھے۔ مفتی علی الدین کی وفات سہ شنبہ ۹۔ ذوالحجہ ۱۲۷۷ھ مطابق ۲۵ ماہ جیٹھ سمت ۱۹۱۸ مطابق ۱۸۔ جون 1861ء کو ہوئی۔ مولوی احمد بخش یکدل چشتی نے مندرجہ ذیل تاریخ وفات کہی:

تاریخ رحلت مفتی علی الدین

علی الدین خیر الدین کہ بودی بے تکلف بود — تکلف برطرف تکیہ کلامی بُد بہر حالش

---

(1) مفتی خیر الدین، مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دور حکومت میں، فقیر نور الدین کی وساطت سے تعلقہ لکھو وال کے عامل تھے، راجہ گلاب سنگھ نے اس تعلقہ میں جاگیر انہی کے زمانے میں حاصل کی تھی۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے: عبرت نامہ جلد ۲ ص 78)

(2) مولوی احمد بخش یکدل: بیاض یکدل شمارہ 26 – ص 126

(3) بیاض یکدل: شمارہ ۱۶ ص ۱۲۶۔ بطرز تاریخ وفات از یکدل { سروش غیب یکدل گفت ہے ہے / ز دنیا رفت مفتی ابوبکر } ۳۰ + ۱۲۳۵ = ۱۲۶۵ھ

مخفف عمرش از پنجاہ کمتر بود و اولیا — که شد باز قضا از پنجہ در فکر سر و بالش
ادب، لطف، شرافت، ظاہر تسلیم و دینداری — قلم شد بکیدلا حیران از تفصیل احوالش
بہ اوردی بہشت و بیست و ششم، روز یکشنبہ — ہزار و نہ صد و سیزدہ کہ ببینی شد سعید فالش
بعمر پنج روزہ ہفت روزش بود تکلیفی — کہ فال اختر او سوختہ دیدم خواز فالش
سروش بے تکلف در دل من نکتہ ای انداخت — کہ دیگر نکتہ ای بودہ است در دون فیل و ہم قالش

بہم از ماہ قبح روز سہ شنبہ چون ز دنیا رفت
علی الدین مفتی بے تکلف گفتہ از سالش (2)

۱۲۷۷ھ

بکیدل نے اس قطعہ میں جو بیش بہا معلومات فراہم کی ہیں ان کی رو سے مفتی علی الدین کی عمر وفات کے وقت یعنی 1860ء میں پچاس سال سے کم تھی۔ اس اعتبار سے یہ باور کیا جا سکتا ہے کہ مفتی صاحب 1810ء یا 1811ء کے قریب متولد ہوئے تھے۔ بکیدل کے بقول مفتی صاحب ایک بے تکلف انسان تھے اور "تکلف برطرف" ان کا تکیہ کلام تھا۔ وہ شرافت، دینداری اور تسلیم و رضا کا نمونہ تھے۔ مفتی صاحب صرف سات دن علیل رہ کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

مفتی علی الدین کے بیٹے مفتی جلال الدین 1859ء میں انگریزی حکومت کی طرف سے لاہور کے قاضی تھے۔ مفتی جلال الدین کی شادی قاضی صبیح الدین کی بیٹی سے ہوئی جو عہد رنجیت سنگھ میں قضاوت کے عہدے پر ممتاز تھے۔ مفتی جلال الدین کی وفات 25- مئی 1897ء کو منگل کے دن ہوئی۔ (3) مفتی جلال الدین کے بیٹے مفتی حفیظ الاسلام تھے جن کی شادی مولوی فضل الدین صاحب کی بیٹی بیگم عرف بیگاں سے ہوئی تھی۔ یہ خاتون مولوی فیروز الدین صدیقی کی حقیقی بہن تھی جو پنجاب یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر علامہ علاؤالدین صدیقی مرحوم کے والد تھے۔ مفتی حفیظ الاسلام نے 24- ستمبر 1897ء کی رات کو انتقال کیا۔ (4)

مفتی علی الدین کے والد مفتی خیر الدین کو بھی علم تاریخ میں دلچسپی رکھتے تھے۔ عبرت نامہ کا ابتدائی مسودہ انھوں نے ہی تیار کیا تھا۔ مفتی علی الدین نے اس میں مزید تحقیق اضافہ کیا اور اسے دنیا کی تاریخ میں بیش قیمت بنا دیا۔ (5)

---

(1) اوردی بہشت یعنی ماہ جیٹھ (حاشیہ بکیدل)
(2) مولوی احمد بخش بکیدل: بیاض اشعار قلمی، مرقومہ ۱۲۷۸ھ/1861ء ص 78۔
(3) روزنامچہ مولوی حامد علی چشتی (غیر مطبوعہ) قلمی ص 265
(4) ایضاً ص 93 - (5) تفصیل کے لئے دیکھئے: ڈاکٹر محمد باقر: مقدمہ عبرت نامہ، لاہور 1961ء

ب۔ معاصر اخبار اور مطابع:۔

انگریزوں کی آمد کے ساتھ ہی پنجاب میں نشر و اشاعت اور ابلاغ کے ذرائع کا ظہور ہوتا تھا۔ لاہور میں پہلا مطبع منشی محمد عظیم نے قائم کیا۔ جنہوں نے 1848ء میں لدھیانے کے مشنریوں سے یہ مطبع خرید کر لاہور میں منتقل کیا اور اس کا نام لاہور کرانیکل رکھا۔ لاہور کرانیکل کی شائع کردہ بے شمار کتب ابھی موجود ہیں۔ مولوی نور احمد چشتی کی "یادگار چشتی" بھی پہلی بار 1858 میں اس مطبع سے شائع ہوئی۔ اس زمانے تک منشی محمد عظیم کا ایک اور "مطبع پنجابی" کے نام سے لاہور میں قائم ہو چکا تھا۔ چنانچہ 1854ء کی چھپی ہوئی مولوی نور احمد چشتی کی کتاب "تحفۂ چشتی" اسی مطبع کی اشاعت ہے۔

1849ء میں لالہ ہر سکھ رائے نے لاہور میں مطبع کوہ نور قائم کیا جس کے قیام کی تاریخیں اس دور کے متعدد شعراء نے موزوں کیں۔ جن میں مولوی نور احمد چشتی، مفتی غلام سرور لاہوری اور دیوان اودھا گو اکبری قابل ذکر ہیں۔ اکبری کی کہی ہوئی تاریخ درج ذیل ہے:

ہے نیا جب سے مثل کوہ نور — چھاپہ خانہ منشی ہر سکھ رائے کا
دل کو حیرت تھی کہ آیا کس لئے؟ — نام نامی کوہ نور اس کا رکھا
کوہ منگیں سے ہے کیا نسبت اسے — کیا مناسبت سے ہے اس کا مدعا
جب نہ جانا کچھ تو جانا یہ کہ ہے — اختراع تازہ از بحر ریا

الغرض ہے اس کی یہ تاریخ سال
چھاپہ خانہ لالہ ہر سکھ رائے کا (۱)

۱۲۶۶ھ

۱۴ جنوری 1850ء کو لالہ ہر سکھ رائے نے اس مطبع سے ہفتہ وار اخبار "کوہ نور" جاری کیا۔ چنانچہ اسعد الاخبار آگرہ میں اس کے اجراء کی خبر جنوری 1850ء کے شمارے میں شائع ہوئی۔ 1850ء کی سرکاری رپورٹ کے مطابق صوبے بھر میں کوہ نور کی اشاعت سب سے زیادہ تھی۔ لالہ ہر سکھ رائے علاوہ صحافتی سوجھ بوجھ اور تجربہ کے ایک صلح کل اور ہر دلعزیز انسان بھی تھے۔ اس اخبار کو ہندو مسلم ہر گروہ کے عوام نے پسندیدگی کی نظر سے دیکھا۔ 1851ء کی سرکاری رپورٹ کے مطابق اس سال کوہ نور ہفتے میں دو بار شائع ہوتا تھا۔ سرکاری رپورٹ کی رو سے کوہ نور کا اجراء پنجاب کے بورڈ آف ایڈمنسٹریشن کی سرپرستی میں ہوا تھا۔ اس کے

(۱) اودھا گو اکبری: دیوان اکبری، لاہور، مطبع کوہ نور 1873ء ص 128

قابل تعریف بات یہ ہے کہ منشی ہرسکھ رائے کا صحافتی کردار بہت بلند ہے۔ وہ بے باک اور نڈر صحافی ہیں اور حق گوئی میں کسی کے سامنے نہیں جھکتے۔ انھوں نے لاہور میں پھیلنے والی ان تمام تازہ معاشرتی ابتدا پر شدید نکتہ چینی کی تھی جو انگریزی کی سیاست کا رد عمل تھا۔ انھوں نے انگریزوں کے استحصالی رویوں خاص کر عوام دشمن عناصر کی حوصلہ افزائی کی ہمیشہ مخالفت کی یہی سبب ہے کہ 1853 کی سرکاری رپورٹ میں لکھا گیا ہے "یہ اخبار... لوگوں میں روشن خیالی پیدا کرنے اور ان کی ترقی و بہبود میں مدد ہو رہا ہے۔(1)

چشتی خاندان کے ادیبوں کی تحریریں اس کے زمانۂ اجرا سے ہی اس میں شائع ہونے لگی تھیں، چنانچہ مولوی احمد بخش یکدل کے صاحبزادے اور ان کے مولوی نور احمد چشتی مولوی محمد علی چشتی بیدل اور مولوی خرم علی چشتی سب سے اپنے اپنے زمانے میں لالہ ہرسکھ رائے کے گہرے دوست تھے اور اسم رسالہ "کوہ نور" ان کی تحریروں کو ہمیشہ خیر مقدم کہتا رہا۔ مثال کے طور پر 2۔ جنوری 1855 کا شمارہ ہمارے سامنے ہے۔ اس میں مولوی احمد بخش یکدل چشتی کا فارسی زبان میں ایک خط اور ایک قطعہ تاریخ درج ہے جس میں شیخ ابراہیم ذوق دہلوی کی وفات پر اظہار تعزیت ہو اور مادۂ تاریخ موزوں کیا گیا ہے۔ اسی شمارے میں ذوق کی وفات پر مولوی نور احمد چشتی اور مولوی محمد علی بیدل کے قطعات تاریخ بھی موجود ہیں۔ یکدل کا قطعہ آئندہ باب میں درج ہوگا اس جگہ مولوی نور احمد اور بیدل کے قطعات درج کئے جاتے ہیں۔

از نتائج طبع مولوی نور احمد صاحب متخلص بہ چشتی خلف مولوی یکدل صاحب:

بذوق شعر و سخن بُد تمام ابراہیم — بسنج شعراء چون امام ابراہیم
سروش گفت وصالش چنان بچشتی ما — قدم رسول گزین شد مقام ابراہیم(2)

۱۲۷۱ھ

---

(1) عتیق صدیقی: صوبہ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات ص 126 -

(2) کوہ نور ۲۔ جنوری 1855 - ص 7

ہمزاد مولوی محمد علی صاحب فرزند خورد مولوی مکیدل صاحب متخلص بہ مولوی (1)

شیخ ابراہیم عزرائیل دید و واہ گفت   فوق و تحت اے مولوی محمد نمود و آہ گفت

سال او چون پیر مرید قطب چرخ سلطنت   ہے تعمیہ پیچ ابراہیم ابن اللہ گفت (2)

۱۲۷۱ھ

دسمبر 1850 میں فقیر سید سراج الدین نے لاہور سے دریائے نور جاری کیا۔ گورنمنٹ کی رپورٹ کے مطابق اس پرچے کے پہلے مدیر نجیب الدین حسین تھے (3)۔ ڈاکٹر عبدالسلام خورشید اس سے اختلاف کرتے ہوئے فقیر سید شہسوار الدین کو اس کا مدیر قرار دیتے ہیں (4)۔ مولوی احمد بخش مکیدل کی بیاضوں میں بھی اس اخبار کا ذکر موجود ہے۔ مولوی صاحب نے مطبع اور اخبار کے اجراء کا مادۂ تاریخ مدرسہ قدس میں موزوں کیا تھا: (5)

چیست آن تاریخ این یک مصرع است
"شد مشاہانہ مطبع دریائے نور"
1850ء

1852ء میں منشی دیوان چند نے لاہور سے "ہمائے بے بہا" جاری کیا جس کا دائرۂ عمل کچھ زیادہ وسیع نہ تھا۔

ان اخبارات نے لاہور میں ادبی رجحانات کو فروغ دیا۔ انگریزی دور میں جب نئے سیاسی اور معاشرتی مسائل نے جنم لیا تھا، ان پر اظہار رائے کیا۔ اس سلسلے میں دیانت اور پامردی کی بعض عمدہ مثالیں بھی سامنے آئی ہیں مثال کے طور پر فقیر سید سراج الدین کا اخبار دریائے نور محکمہ پولیس کے رشوتی رویے کا مخالف تھا۔ جس کی سزا میں اس اخبار کو حکومت کی طرف سے کوئی سہولت حاصل نہ تھی۔ فقیر صاحب نے اخبار کو ہمیشہ کی نیند سلا دیا لیکن نہ تو حق گوئی سے باز آئے اور نہ اپنے اخبار کو حکومت کا آلۂ کار بننے دیا۔

---

(1) اس سے معلوم ہوتا ہے مولوی محمد علی کا مکیدل اپنانے سے پہلے تخلص مولوی تھا۔
(2) ہفتہ وار کوہ نور: 2۔ جنوری 1850ء ص 7۔
(3) عتیق صدیقی: صوبہ شمال و مغربی کے اخبارات و مطبوعات ص 126
(4) عبدالسلام خورشید: صحافت پاک و ہند میں، لاہور 1963ء، ص 124
(5) بیاض مکیدل شمارہ 16 ف 76

ج :- ہم زبان شاعری اور نثر :

لاہور میں خاندانِ چشتیہ کی اردو خدمات کا زمانہ 1800ء یعنی مولوی غلام حسین چشتی کے نمونۂ نثر سے 1900ء یعنی مولوی محرم علی چشتی کے اخبار رفیقِ ہند کے دمِ واپسیں تک پھیلا ہوا ہے۔ اس سو سال کے عرصے میں سیاست اور حکمرانی کے دو اہم ادوار اس خاندان کے سامنے رہے۔

(۱) لاہور میں خالصہ عہد کا زریں دور یعنی مہاراجہ رنجیت سنگھ اور اس کے جانشینوں کا زمانہ۔

(۲) انگریزی دورِ حکومت

ان دونوں ادوار لاہور میں ادبی رجحانات اور مقدار تخلیقات کے اعتبار سے مختلف نتائج کے حامل ہیں۔ خالصہ عہد میں سرکاری زبان فارسی، سفارتی اور ثقافتی زبان اردو اور عوامی زبان پنجابی تھی۔ سکھوں کی قومی زبان ہونے کے لحاظ سے پنجابی کو حیثیت اردو سے زیادہ اہمیت حاصل تھی تاہم اردو کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاتا تھا بلکہ اسے شائستگی اور متانت کی علامت قرار دیا جاتا تھا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ اور اس کے جانشین سفیروں اور دربار میں آنے والے اجنبیوں سے اردو میں بات چیت کرتے تھے۔ چنانچہ مہاراجہ کے بارے میں سید محمد لطیف نے اطلاع دی ہے کہ :

"مہاراجہ صاحب ہمیشہ پنجابی زبان میں گفتگو کیا کرتے، لیکن جب انگریزوں سے بات چیت کرتے تو ہندوستانی (اردو) زبان میں کرتے۔" (۱)

مہاراجہ شیر سنگھ کا عہد (1841ء - 1843ء) اردو ادب کی سرپرستی کے لیے قابلِ ذکر ہے۔ مولوی غلام حسن خورم جیسے قادر الکلام اور مختار علی نکہت جیسے مشاق شاعر اس کے دربار سے وابستہ تھے۔ خورم نے راجہ شیر سنگھ کے دربار سے اپنی وابستگی کا اعتراف اس مخمس میں کیا ہے جس میں راجہ کی تخت نشینی کے واقعات ہیں جسے گزشتہ باب میں نقل کیا جا چکا ہے اس آخر بند میں کہتے ہیں :

ہمارے اقبال سے ہے بادشاہ لاہور کا حافظ — مری سنگور ہوئے اس بادشاہ کے جابجا حافظ

ارے خورم چلو دربار میں کہہ کر خدا حافظ — حضوری گر ہمی خواہی از و غایب مشو حافظ

متیٰ ما تلق من تہوی دع الدنیا و اہملہا (۱)

---

(۱) مولوی غلام حسن خورم : مخطوطات خورم، مخزونہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری مخطوطہ نمبر 2006 - ورق 102 ا

مرزا نثار علی بیگ نکہت کے بارے میں تذکرہ گلستان سخن کے مولف قادر بخش صابر نے لکھا ہے کہ نکہت کا خاندان شرافت اور دودمان نجابت سے تھا۔ فن سخن میں شاہ نصیر کی شاگردی اختیار کی تھی۔ تلاش روزگار میں دہلی سے لاہور آیا۔ ان دنوں میاں رنجیت سنگھ کے بیٹے راجہ شیر سنگھ کی حکومت تھی۔ نکہت نے ایک قصیدہ لکھ کر راجہ کی نذر کیا۔ راجہ نے از راہ قدر دانی نان و نفقہ کے لئے معقول رقم مقرر کر دی۔" (1)

مہاراجہ شیر سنگھ تعلیم یافتہ اور باشعور انسان تھا۔ وہ دوسرے سکھ حکمرانوں سے بہت مختلف تھا۔ شیر سنگھ فارسی اور اردو زبان کے علاوہ انگریزی زبان بھی جانتا تھا جس کی تعلیم کا رنجیت سنگھ نے خود انتظام کیا تھا۔ (2) مہاراجہ رنجیت سنگھ آخری عمر میں انگریزی تعلیم کے قائل ہو گئے تھے۔ کیونکہ ان کے نزدیک اہل پنجاب کے لئے نئے علوم سے بہرہ مند ہونا مفید تھا۔ مہاراجہ سرکاری خرچ پر لاہور میں سکول بھی کھولنا چاہتے تھے۔ اگر لدھیانہ مشن سکول کے معلم مسٹر لوری انجیل کی تعلیم پر اصرار نہ کرتے تو شاید مہاراجہ ان کی سرپرستی میں ایک سکول ضرور کھول دیتے۔ مہاراجہ چاہتا تھا کہ سکول میں صرف فارسی، اردو اور گورمکھی پڑھائی جائے۔ (3) مہاراجہ دلیپ سنگھ کے اتالیق پنڈت رادھاکشن تھے جو اردو کے اچھے شاعر تھے اور مشکر تخلص کرتے تھے۔ (4) ان کا ذکر لالہ سری رام نے خمخانہ جاوید میں بھی کیا ہے۔ راجے دربار سے [illegible] خالصہ عہد کے متعدد وزراء، رئیس زادے اور اہل علم اردو نظم و نثر میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے ان میں سے بعض کے ادبی آثار موجود ہیں۔

انگریزی عہد کے قیام کے بعد جہاں لاہور کی معاشرتی صورت حال تبدیل ہوئی وہاں ادبی رویوں میں بھی فرق آ گیا۔ انگریزوں نے ہندوستان میں آتے ہی مغلیہ حکومت کی سرکاری زبان کے مقابلے میں مسلمانوں کی عوامی اور تہذیبی زبان اردو کی سرپرستی شروع کر دی۔ شاید وہ ذریعۂ ابلاغ کو کمزور کر کے مغلوں کے سیاسی نظام پر ہاتھ ڈالنا چاہتے تھے۔ اردو زبان کی سرپرستی انگریزی سیاست کا ایک اہم حصہ تھی۔ 1849ء یعنی الحاق پنجاب کے پہلے سال سے ہی انگریزوں نے اردو زبان کی ترویج کی طرف توجہ کی۔ اردو کی ترویج کا سرکاری ریکارڈ [illegible] بورڈ آف

---

(1) قادر بخش صابر: تذکرہ گلستان سخن، لاہور، مجلس ترقی ادب ص 468۔

(2) سیتا رام کوہلی: مہاراجہ رنجیت سنگھ، الہ آباد 1933۔ ص 327۔ کوہلی نے اطلاع دی ہے کہ "مہاراجہ شیر سنگھ کے انگریزی دستخط کئی سرکاری کاغذوں پر موجود ہیں جو گورنمنٹ پنجاب کے ریکارڈ آفس میں پڑے ہیں"۔ (3) ایضاً ص 328۔

(4) مہاراجہ دلیپ سنگھ کے حوالے سے مشکر کا تذکرہ [illegible] نے بھی ذکر کیا ہے اور اسے مہاراجہ کا

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

ایڈمنسٹریشن پنجاب کے سیکرٹری نے 2 ۔ جون 1849ء کے ایک سرکلر کے ذریعے لاہور، ملتان اور جہلم کے کمشنروں اور پشاور اور ہزارہ کے ڈپٹی کمشنروں سے استفسار کیا کہ کیا ان کے ڈویژن عدالتی اور دفتری امور کی انجام دہی میں فارسی زبان کو ہی برقرار رکھنا چاہتے ہیں یا اس کی بجائے "اردو" کو بہتر اور قابل عمل تصور کرتے ہیں تو اس کے جواب میں لاہور ڈویژن کے کمشنر رابرٹ منٹگمری نے جے۔ جی۔ کرسچین سیکرٹری بورڈ آف ایڈمنسٹریشن پنجاب کو 28۔ جون 1949ء کے خط میں بلا تامل جواب دیا:

"In reply to your letter of the 2nd instant, No. 193, I have the honour to inform you that the whole of the officers of my division are in favour of the oordoo language being used in the different courts as best suited for official business, and in their opinion I entirely concur." (1)

رابرٹ منٹگمری سے ملتی جلتی رائے گجرات کے ڈپٹی کمشنر مسٹر بیلی، لیہ کے ڈپٹی کمشنر کیپٹن ہولنگز اور کمشنر کیپٹن ڈی۔ راس نے ارسال کی۔ انہی آراء کی بنیاد پر سیکرٹری بورڈ آف ایڈمنسٹریشن برائے پنجاب نے 17 اگست 1849ء کو مسٹر ایچ۔ ایم۔ ایلیٹ سیکرٹری گورنمنٹ ہند و سیکرٹری گورنر جنرل مرکوئس ہند کو لاہور کے بارے میں مندرجہ ذیل سفارش منظوری کے لئے ارسال کی:-

"In the Lahore Division which comprises the upper portion of the Baree and Rachna Doab the Commissioner and his subordinates included

---

ص 31 (بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اتالیق لکھا ہے۔ (گارساں دتاسی: مقالات گارساں دتاسی حصہ دوم) لالہ سری رام کے علاوہ جن تذکرہ نگاروں نے شکر کا ترجمہ اپنے ہاں درج کیا تھا، ان میں یادگار شعرا کے مولف کریم الدین اور سخن شعرا کے مولف عبدالغفور نساخ قابل ذکر ہیں۔

(1) Nazir Ahmad Chaudhry: Development of Urdu as official language in the Punjab 1849-1974, Lahore, 1977, P. 8.

those formerly the Pol Employ and habituated to the use of Persian are in favour of Oordoo in which opinion the Board entirely concurs."[1]

اسی خط میں سیکریٹری بورڈ نے جہلم اور ملتان ڈویژن کے لئے بھی اردو کی سفارش کی ۔ ان سفارشات کو مسٹر ایچ۔ ایم۔ ایلیٹ کے خط مکتوبہ 6۔ ستمبر 1849ء کے ذریعے گورنر جنرل نے منظور کر لیا ۔

20۔ ستمبر 1849 کو ریزیڈنسی پنجاب بورڈ کے سیکریٹری نے لیہ کے کمشنر اور پشاور و ہزارہ کے ڈپٹی کمشنروں کو ایک خط لکھا جس میں سرکاری سطح پر اردو کے نفاذ کے بارے میں سر جان لارنس کا ایک نوٹ نقل کیا ۔ یہ نوٹ چونکہ ریکارڈ میں صوبے کے پنجاب میں اردو زبان وادب کی ترویج میں خاص اہمیت رکھتا ہے، لہٰذا اسے ذیل میں نقل کیا جاتا ہے ۔

Note by Sir John Lawrence.

1- In April 1851 (1849?) the board issued an order that Urdu should be the language of our Courts in the Punjab. I believe that Peshawar and Hazara, the Derejat and Multan been excepted.

2- If these be the cases, I request Mr. Melvil after looking at the circular vide draft and letter to the Commissioner of Peshawar, Leia and Multan asking their views in the introduction of Urdu for substitution of Persian into the excepted Courts.

3- It should be considered that the Urdu is not the language of these districts neither is Persian. But Urdu is well understood by the majority of our officers. where as Persian is not. Of course many more of the people understand

---

(1) Ibid. P. 23.

Urdu even in these Districts than Persian. Urdu is the "Lingua Franca" of India and it is presumably but preceptibly becoming that of all the districts in the Punjab even in the Derajeet and Peshawar it is spreading in Hazara it is familiar to the people". (1)

لارڈ لارنس اردو زبان پر کافی دسترس رکھتا تھا۔ اس نے مولوی نور احمد چشتی سے اردو پڑھی تھی جو پنجاب میں انگریزوں کی آمد کے ساتھ ہی "صاحبان" کے مدرس ہو گئے تدریسی زبان اردو مقرر ہو گئی تھی۔ اس کے علاوہ لارنس مسلمانوں کی تہذیب اور شائستگی کے بھی معترف تھے اور لاہور سے انھیں گہرا لگاؤ تھا۔ لہٰذا انھوں نے لاہور میں اردو زبان کی ترویج کو یقیناً وقت کا اہم تقاضا سمجھا ہوگا۔ (2)

یہاں اس بات کا تذکرہ بھی بے محل نہ ہوگا کہ اکثر اصحاب علم و تحقیق خالصہ عہد کے پنجاب میں اردو کی ترویج کو ناممکن اور یہ حقیقت سمجھتے ہوئے انگریزی دور میں پنجاب میں اردو ادب کے نمونوں کو ایک ناگہانی حادثہ خیال کرتے ہیں اور اس بات پر غور نہیں کرتے کہ اگر پنجاب میں اردو کی ترویج اور مقبولیت کی جڑیں بہت گہری نہ ہوتیں تو جان لارنس اسے لاہور کے لئے بطور سرکاری زبان موزوں ترین کیوں قرار دیتے۔ سکھ دور میں اردو کے بے شمار نمونے ابھی پردہ اخفا میں پڑے ہیں۔ ورنہ خالصہ عہد کی بزم ادب کا وسیع تر جائزہ مرتب کرنا ناممکن نہیں۔

انگریزی دور کے ادب میں سب سے اہم تبدیلی نظم و نثر میں سلاست اور حقیقت پسندی ہے۔ ان کے اسلوب کو خالصہ عہد کے کلاسیکی اسلوب سے علیحدہ شناخت کیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد جب دہلی کی مرکزیت ختم ہو گئی اور دہلی اجڑ گئی تو اہل علم و دانش کی بساط پنجاب میں بچھی۔ پنجاب میں آنے والے ادیبوں نے انھیں سر آنکھوں پر جگہ دی بلکہ انھیں اپنوں سے بڑھ کر اہمیت دی۔ اس کے نتیجے میں

1- Ibid. P. 28.

(2) سر جان لارنس کے حالات زندگی اور سیاسی کارناموں پر ملاحظہ فرمائیے:

Sir. C. Aitchison: Lord Lawrence. OXFORD 1916,

ترویجِ ادب کی دو تحریکیں لاہور میں اٹھیں انہوں نے لاہور کو برصغیر میں اردو ادب کی ترقی و اشاعت کا گہوارہ بنا دیا۔ مولوی فیض الحسن سہارنپوری جیسے نابغۂ روزگار جو جنگِ آزادی کے بعد لاہور آ گئے تھے، لاہور کے بارے میں کہتے تھے کہ یہ شہر ان دنوں دوست دشمن کا ٹھکانا ہے اور ترویجِ ادب کے لئے ہندوستان بھر میں عروس البلاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ ۱۸۶۵ء میں انجمن پنجاب کے قیام اور اس کے بعد پنجاب یونیورسٹی کے قیام اور اس میں علوم مشرقیہ کی ترویج و اشاعت کے پروگراموں نے لاہور کے ادبی ماحول کو منور کر دیا۔ اور خالصہ عہد کے کلاسیکی شعراء کے ساتھ ساتھ جدید شاعری اور جدید نثر نگاری کے چراغ بھی لاہور کے گلی کوچوں میں جگمگانے لگے۔ لہٰذا 1857 سے پہلے کے دور [illegible] کے ساتھ ساتھ انگریزی دور میں خاندانِ چشتیہ کے سخنوروں کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہو گیا۔ اس اعتبار سے ہم خالصہ عہد کو خاندانِ چشتیہ کے معاصرین کا دورِ اول اور انگریزی عہد میں ان کے معاصرین کو دورِ دوم میں رکھ کر دیکھیں گے۔ ضمن میں ایسے ادیبوں اور شاعروں کا تذکرہ بے محل نہ ہوگا جو چشتی خاندان کے ادیبوں کے معاصر ہونے کے ساتھ ساتھ تخلیقِ ادب میں ان کے ہمسفر بھی تھے۔

دورِ اول کے شعراء :

۱۔ مولوی غلام حسن خورم :

خورم تخلص، مولوی غلام حسن نام تھا۔ کنہیا لال ہندی نے رنجیت سنگھ دور کے ممتاز شعراء میں شمار کیا ہے۔ جس طرح پہلے بیان کیا گیا، خورم راجہ سُچیت سنگھ کا درباری شاعر تھا۔ فارسی اور اردو میں شعر کہتا تھا۔ اس نے ایک مخمس میں اپنے آپ کو مرتضائی کہا ہے جس سے گمان ہوتا ہے کہ خورم شاید شیعہ عقاید کا مالک تھا۔ بہرکیف اپنے عہد میں وہ بلند پایہ شاعر تھا۔ خورم کے اردو اور فارسی کلام کا مجموعہ "مضحکات خورم" کے نام سے پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ ہے۔ جس کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے خورم قطعہ اور غزل دونوں اصناف میں طبع آزمائی کرتا تھا اور اسلوبِ خاص کا مالک تھا۔ ان کے کلام میں عصری حالات کی جھلک موجود ہے جو اس کی سیاسی اور تمدنی بصیرت کا واضح ثبوت ہیں۔ ان کی دو نظمیں گزشتہ باب میں درج کی جا چکی ہیں اس جگہ خورم کی ایک نظم بطورِ نمونہ درج کی جاتی ہے :

اس کی میری دوستی اکثر بنے اور ٹوٹ جائے — شمع سے پروانے کی اکثر بنے اور ٹوٹ جائے

جس طرح دریا پہ اک دم زندگی رکھتا حباب — اس طرح اس عمر کا ساغر بنے اور ٹوٹ جائے

سونے گرا موتی لڑی کا اس صنم کی ناک سے — رات میں جس طرح سے اختر بنے اور ٹوٹ جائے

کیا رشتہ ہے اشک میں نکلا جو درج چشم سے — آتے آتے خاک تک گوہر بنا اور ٹوٹ جائے
تیزی سرمہ سے آنسو بہہ جاتے اس شوخ کے — اس طرح زلفیں کہ گہر کمتر بنے اور ٹوٹ جائے

شاہ کے سائے میں خرم حشر میں ہو گھر ترا
کیا ہے یہ دنیا کا گھر، اکثر بنے اور ٹوٹ جائے (1)

خرم کے کلام میں تازگی، ندرت اور قدرت زبان و بیان اس غزل سے صاف ظاہر ہے۔
خرم کا تقریباً تمام کلام ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔

2۔ شفقو شاہ:۔

سید امیر بخش نام اور شفقو شاہ عرف تھا۔ اپنے عہد کے جید حکماء اور نامور شاعر تھے۔ کنھیا لعل اور مفتی علی الدین نے نامی طبیبوں میں اور مولوی احمد بخش یکدل نے انہیں عالم اور شاعر کے علاوہ "مرد عامل وکامل و مژگان پوش" لکھا ہے۔ رنجیت سنگھ کو لاہور کا قبضہ دلانے والے گروہ کے ایک رکن بھی تھے۔ 1848 تک وفات پا چکے تھے کیونکہ مولوی یکدل نے اس سال کی بیاض میں ان کا ذکر کرتے ہوئے ان کے مزار کی نشاندہی کی ہے۔ یکدل اپنی ولادت کے ذکر میں شفقو شاہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

صبحگاہان کہ سید امیر بخش عرف شفقو شاہ کہ مرد عامل، وکامل و مژگان پوش و جای ان وقت بر دروازہ او می رسیدند اوشان نیز بود و صاحب علم۔ قبرستش بیرون خضری دروازہ لب خندق تاحال موجود است، برای من مبارک باد آمد۔ جناب جدی امجدی گوشگذار کردند و میر شفقو صاحب دعا در حق بندہ کردند۔ (2)

مفتی علی الدین نے ان کے اوصاف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

وحید العصر بودند، با وصف اینکہ مصارف نیرات خود پیش آمدی سوال نمی کردند۔ و بنا بر آن مرجع خواص و عوام لاہور و حکام وقت بودند۔ (3)

شفقو شاہ کی طبی تالیفات کا ذکر کنھیا لعل نے کیا ہے، ان میں تجربۃ الاطباء اور مراۃ الشفاء شامل ہیں۔ مولوی احمد بخش یکدل کے دادا مولوی محمد ابراہیم حسینی نے ان کی علمیت کا اعتراف کرتے ہوئے ایک موقع پر انہیں "حسان العجم" کا لقب دیا تھا۔ (4)

---

(1) مولوی غلام حسن خرم: مخطوطات خرم (قلمی) مخزونہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور
(2) یکدل: بیاض یکدل شمارہ 12 (3) مفتی علی الدین: عبرت نامہ (جلد اول) ص 98
(4) یکدل: تحفۂ یکدل (قلمی) مملوکہ [illegible]، ص 59 - " و میر شفقو شاہ [illegible]
(بقیہ صفحہ آئندہ)

قاضی فضل حق مرحوم نے اپنے ایک مقالے بعنوان "پنجاب میں اردو" میں میر شکوہ شاہ
کی ایک اردو غزل نقل کی ہے۔ ان کے کلام کی پختگی سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی
شاعری اپنے دور کے اردو ادب کا بیشتر میں سرمایہ ہوگی۔ غزل درج ذیل ہے:

نہ پوچھو خوشی دلوں سے قصہ خموشی ہمارا ہلا نہ ہرگز
بہ رنگ غنچہ لہو بھرے ہیں ہمارے لب کون کھلا نہ ہرگز

بھری ہیں خون جگر سے آنکھاں نہ چھیڑ مجھ کو قسم ہے تجھ کو
کہ ہیں لبا لب یہ دونوں شیشے چھلک پڑیں گے ڈھلا نہ ہرگز

سوا ہمارے اس ایک دل کے وہ کون غنچہ ہے جس کے اوپر
صبا لگاوے بہت سے زورے پھر ایک دم بھی کھلا نہ ہرگز

سرشک عشاق کے تو ظالم کرے ہے پامال ڈر خدا سے
جنھوں کو آنکھوں میں ہم نے پالا انھوں زمیں پر رلا نہ ہرگز

رقیب سرکش بخواب سے ہوگیا ہے تو کیا ہوا ہے (آخر)
نہ چھیڑ اس کو وہ مردہ دل ہے ہوا معطل ہے جلا نہ ہرگز (۱)

۳۔ فقیر سید نورالدین مفتوں:۔

مفتوں لاہور کے نامور اور ممتاز "فقیر خاندان" کے رکن تھے۔ وہ فقیر غلام محی الدین توشہ خانی کے بیٹے اور عہد خالصہ کے نامور وزراء فقیر سید عزیز الدین اور فقیر سید امام الدین کے بھائی تھے۔ مفتوں 1789ء میں پیدا ہوئے۔ فارسی اور اردو میں شعر کہتے تھے۔ فارسی کلام کو ~~[illegible]~~ ڈاکٹر محمد لطیف نے مرتب کر کے "دیوان مفتوں" کے نام سے پیکجز لاہور کے اہتمام سے شائع کر دیا ہے۔ اردو کلام غیر مطبوعہ ہے۔ دیوان کے مرتب نے دیباچے میں لکھا ہے کہ "مفتوں مہاراجہ رنجیت سنگھ کے وزیر حضوری، گورنر لاہور، موتی مندر خزانوں کے کلید بردار، راجکماروں کے اتالیق، محلات کے محافظ اور مہاراجہ کے معالج تھے۔"(2)

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گزشتہ) راقم بملاقات آمدہ گفت کہ اینک الشیخ تیمور شاہ بمرد۔ فرمودند کہ تاریخ باید گفت۔ معہ گفت "تیمور شہ بمرد"۔ فرمودند یا حسان العجم! ہے"
۱۲۰۷ھ

(۱) قاضی فضل حق: پنجاب میں اردو، مندرجہ ضمیمہ نمبر ۱ پنجاب میں اردو مصنفہ حافظ محمود شیرانی مرتبہ ڈاکٹر وحید قریشی، کتاب نما، لاہور 1972ء۔ ص 397۔

(۲) ڈاکٹر محمد لطیف: مقدمہ دیوان مفتوں، لاہور پیکجز، ص 30

۱۲۶۸ھ

فقیر سید نورالدین مرحوم 27 مارچ 1852ء کو سہ شنبہ کے دن مطابق ۵ جمادی الثانی فوت ہوئے۔ مولوی احمد بخش یکدل چشتی نے حسبِ ذیل تاریخ وفات کہی:

آہ شمع منور سلطان — گشت بے نور و از اضاعت رفت
وارث نوشہ گنج بخش از سر — حکمت عیسوی بغارت رفت
خم گردون طریق و دست بسر — مریدانِ ہمہ ارادت رفت
کسوت رنگ خاک درویشان — شبگون چرخ را ز عادت رفت
یعنی حضرت فقیر نورالدین — بسواد شب از وجاہت رفت
پنجم از ماہ جمادی الثانی — روز سہ شنبہ سرو قیامت رفت
شیعہ و سنی و مسلمان نیز — ہر کہ مسکینی از پئے عیادت رفت
نعت و توحید و منقبت می گفت — بر روش دردہ عبادت رفت
عقدہ و وصف و ز ناخن فکر — نکشاید کہ خوش عبارت رفت
محو ادراک و شعر پاکیزہ — لطف و ہم خلق و ہم امارت رفت
بہ تعمم گفت سال و آہ کشید — از جہان موجب سعادت رفت (۱)

۱۲۶۸ھ

اسی طرح اپنے عہد کے فاضل اجل خلیفہ غلام رسول نے بھی مرحوم کی تاریخ وفات کہی جو درج ذیل ہے۔ خلیفہ غلام رسول شاعری میں غلام تخلص کرتے تھے:

دریغ و حسرت و ویلا فقیر نورالدین — سفر ز عالم فانی بدار باقی ساخت
ز درس او دو سہ فاضل برآمدی ہر سال — بجود حاصل خود در رضای مولا باخت
بشام شنبہ و پنجم جمادی الثانی — ازین سرای فنا سوئے دار حقیقی تاخت
سخی و خلق و ترحم مقبول و ہم اقبال — بہ سجع دی کلمہ خویش سر ز میں انداخت
ز حال اینچنین تاریخ فوت شد معلوم — غلام با تعمیت رسیدم باد علیہ پرداخت

سین سخی و خا خلق و تا ترحم و قاف مقبول و الف اقبال انداختیم باقی ۱۲۶۸ھ۔ (2)

مولانا محمد حسین آزاد نے مرحوم کو لائق اور صاحب علم لکھا ہے۔ (3) فقیر خاندان نے "دربار عالی" کے نام سے جو دینی مدرسہ لاہور میں قائم کیا تھا، مرحوم اس کے مہتمم رہے تھے۔ مولوی غلام رسول نے اپنے قطعہ تاریخ میں اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے

---

(1) مولوی احمد بخش یکدل چشتی: بیاض یکدل شمارہ 17 - ص 121
(2) "الصفا" ص 122 - (3) مقالات آزاد: مرتبہ آغا محمد باقر، لاہور 1966 - ص 413

بیان کیا ہے کہ اس درسگاہ سے ہر سال دو تین علما و فارغ التحصیل ہوتے تھے۔ جیسا کہ پہلے لکھا گیا، مولوی صاحب موصوف خود بھی کچھ عرصہ اس درسگاہ کے اساتذہ میں شامل رہے ہیں۔

مولوی بکھیال کی اطلاع کے مطابق نورالدین منور حمد، نعت، منقبت اور مدح کہتے تھے۔ ان کے فارسی اور اردو کلام میں بہت کم اشعار ان موضوعات سے ہٹ کر ملتے ہیں۔ مدح میں زیادہ غزلیں آلِ اطہار اور ائمہ کبار کی شان میں ہیں جس سے بعض لوگوں کو گمان ہوتا ہے کہ شاید منور شیعہ عقیدے کے حامل تھے۔ لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے ان کے دیوان میں حضرت غوث الاعظم سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی مدح میں بھی کچھ غزلیں موجود ہیں مثال کے طور پر ایک اردو غزل کا مطلع ہے:

مرے شہ عیب چتارو شہنشہ جیلی | مرے عدو کو پچھاڑو شہنشہ جیلی (۱)

مدح و منقبت کی طرف منور کے بیشتر رجحان کا سبب غالباً یہ تھا کہ وہ عرصہ دراز تک کسی ایسی بیماری میں مبتلا رہے جس سے ان کی جانبر ہونے کی امید نہ تھی۔ ان کے بھائی فقیر عزیزالدین کے روزنامچوں میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے۔ اور منور کی صحت کے لئے دعا کی گئی ہے۔ خود منور کے کلام میں ایسے مضامین جا بجا موجود ہیں:

یا الٰہی بہ نبی صحتِ تن می طلبم | بر علی عافیتِ سِرّ و علن می طلبم (۲)

ان کا فارسی اور اردو غزلیات پر مشتمل دیوان ضخیم ہے جس میں موجود فارسی غزلیات کی تعداد زیادہ ہے لیکن اردو کلام بھی خاص مقدار میں ہے۔ ذیل میں ان کے اردو کلام کا نمونہ پیش کیا جاتا ہے:

قرصِ نان و مہر و خور کرے گدائی تیری | لیتے کبھی چرخ نے کی ذلہ ربائی تیری
جب وہ عاشق ہے ترا جس پہ خدا ہے عاشق | وہ ترا شان ہے اور واہ بڑائی تیری
بلکہ وہ آپ ہوا شیفتۂ حسنِ رخت | جس نے کی تو اپنے میں تصویر بنائی تیری
ہو گئے پادشہا سبعہ و سیارہ خجل | دیکھ یہ نور ترا اور صفائی تیری
مطربِ چرخ نے تب نوبتِ ماہ و خورشید | زین دن چرخ زمان کیا ہے بجائی تیری

---

(۱) فقیر سید نورالدین منور: دیوانِ منور (خطی) مخزونہ نیشنل میوزیم کراچی، ص 114۔

(۲) ایضاً ص 112۔

حسن و انسان و ملک حور سب اس شادی پر
تیرے نقاش کو دیتے ہیں بدھائی تیری

شب کے پردے میں چھپاتا ہے رخ اپنا خورشید
جبکہ سنتا ہے شہا چہرہ کشائی تیری

یا چھپے اپنی علی کثرت افکار سے اب
ہو کے لاچار میں دیتا ہوں دہائی تیری

مردم چشم میں چھپا کر سمایا ہے جہاں
اس طرح ہو گئی مرے دل میں سمائی تیری

سرورا! بادشہا! بحر کفا! داد ورا!
حق نہ دکھلاوے کبھو مجھ کو جدائی تیری

ہے تری شان کہ گلزار بجائے خس و خار
کھل رہے ہیں چمن دل میں کھلائی تیری

عرض شکر ہے کہ خدا سے ہے اب بادشہا
کہ مراد اپنی تئیں پائی ہے دلائی تیری

خاک پاکی در زہرا کروں اب سرمۂ چشم
بخت گر ہووے مجھے راہنمائی تیری

کب لیاقت ہے مجھے عرض کی در حضرت قدس
ہاں مگر کہتا ہوں یہ بات کہائی تیری

کہہ قبول ارحم شہ آگے حضور کا سلام
اے صبا کیجو عرض گر ہو رسائی تیری (1)

۶۔ راجہ دینا ناتھ سوز :۔

راجہ دینا ناتھ کے والد کا نام بخت مل اور دادا کا نام مدن تھا۔ ماں کا نام کاجوں بتایا گیا ہے (2) ان کا خاندان کشمیر سے تعلق رکھتا تھا۔ مولوی بیدل لکھتے ہیں کہ راجہ دینا ناتھ پہلے محض منڈت دینا ناتھ تھا۔ وہ ~~مفتی~~ دیوان گنگارام کے دفتر میں ملازم ہو کر بالآخر دینا ناتھ ~~منشی~~ دفتری بن گیا۔ ~~پھر~~ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی ملازمت میں آکر ناتھ جی کہلانے لگا۔ سمت ۱۸۹۲ / 1837ء میں جب مہاراجہ نے اسے دیوان کا خطاب دیا تو بیدل نے مادۂ تاریخ یوں موزوں کیا:

از طفیل دودمان بزرگوار — ناتھ جی دیوان سرکاری شدند (۱۸۹۲ سمت) (3)

سوہ مگھو سمت ۱۹۰۴- مطابق ۱۲- ذی الحجہ ۱۲۶۳ھ مطابق 26- دسمبر 1847ء کو انگریزوں نے اسے راجہ کا خطاب دیا اور دلیپ سنگھ کی سرپرستی کونسل کا ممبر بنایا۔ بیدل نے راجگی کے ~~خطاب~~ خطاب کی تاریخ یوں کہی:

~~حسب~~ با عدو دل سے فراواں از خطاب بزرگوار — راجہ دینا ناتھ آمد لبس امیر بزرگوار (4)
سمت ۱۹۰۴

---

(1) ایضاً: غزل شمارہ 58- مکتوبہ ۷- ماہ ساون سمت ۱۹۰۴/ 3- اگست 1847ء (حاشیہ مصنف)

(2) مولوی احمد بخش بیدل: بیاض بیدل شمارہ 12- ص 180 (خطی)

(3) ایضاً ایضاً ص 181 - ایضاً ص 176-

"امیرِ راز داں" سے اشارہ انگریزوں کی مشاورتی کونسل کی طرف ہے۔ راجہ دینا ناتھ، مولوی بکیدل کے گہرے دوستوں میں سے تھے۔ ان کے چھوٹے بھائی کدار ناتھ، بکیدل کے والد مولوی محمد حسین قتیل کے شاگرد اور ان کے بیٹے اونا تھ، مولوی بکیدل کے شاگرد تھے۔ راجہ دینا ناتھ فارسی اور اردو کا اچھا شاعر تھا اور مولوی بکیدل سے مشورۂ سخن کرتا تھا۔ سوز تخلص تھا۔ مولوی بکیدل نے سوز کے موزوں کیے ہوئے فارسی مادہ ہائے تاریخ اپنی بیاضوں میں درج کیے ہیں۔ ایک تاریخی قطعے کے بارے میں لکھا ہے کہ سوز نے اسے اشاعت کے لیے لالہ جوسکھ رائے کے اخبار "کوہِ نور" میں بھیجا تھا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سوز کا کلام معاصر اخبارات میں شائع ہوتا تھا اور شوق سے پڑھا جاتا تھا۔ راجہ سوز کے اردو کلام کے نمونے میں اس کی کہی ہوئی ایک تاریخ پیش کی جاتی ہے۔ اسے بھی مولوی بکیدل نے اپنی ایک یادداشت میں درج کیا ہے:

جہاں کو کیوں نہ کرے نور عدل سے تسخیر   کہ آسمان جلالت کا ہے تو مہر منیر
بوقت سوچنے تاریخ کے یہ بولا سروش   نیا ہے رنگ عجائب بفضل رب قدیر (2)
۱۸۵۷

آخری مصرع سے 1857ء کا سال برآمد ہوتا ہے۔ کافی جستجو کے بعد بھی قطعی طور پر واضح نہ ہو سکا کہ یہ مادۂ تاریخ کس واقعے سے متعلق ہے۔ سوز کی شاعری کا ذکر بعض معاصر اور غیر معاصر تذکرہ نویسوں نے بھی کیا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کا کلام شائقین سے اعتراف کی سند حاصل کر چکا تھا۔ سر لیپل گرفن نے سوز کی شخصیت پر روشنی ڈالتے ہوئے اسے جہاں خود غرض اور خوشامد پرست لکھا ہے وہاں انگریز دشمن بھی قرار دیا ہے۔ گویا یہ قدر بھی مولوی بکیدل اور سوز کے درمیان رشتے کی اور دونوں میں دوستی کی بنیاد نظر آتی ہے۔ (3)

5۔ دیوانِ امرناتھ اکبری:۔

راجہ دینا ناتھ سوز کا بیٹا اور محمد خالصہ کا نامور تاریخ نویس تھا۔ اس کے حالات شاگردانِ بکیدل کے تحت درج کیے جا چکے ہیں۔ اور وہیں اس کی اردو شاعری پر بحث ہوئی۔

---

(1) بیاض بکیدل شمارہ 16، ص 231   (2) ایضاً
(3) سر لیپل گرفن: رنجیت سنگھ، ترجمہ مولوی نظیر حسین فاروقی، حیدرآباد، دکن، دارالطبع جامعہ عثمانیہ سرکار عالی، 1922ء۔ ص ۹۵۔

6. پیر مراد شاہ لاہوری :- متوفی ۱۲۱۵ھ / 1800ء

مودودی نسل حسینی چشتی کے مہاجر تھے۔ والد کا نام پیر کرم شاہ عرف مستیا شاہ تھا۔ ان کے دادا کا نام شیخ ابو الفتح شاہ جی لکھا گیا ہے۔ پیر مراد شاہ پانچ بھائی بہن تھے۔ جن میں مراد شاہ سب سے بڑے تھے۔ ان سے چھوٹے بھائی پیر قلندر شاہ ان سے چھوٹے پیر سکندر شاہ اور سب سے چھوٹے بھائی پیر فرخ بخش تھے۔ پانچویں بہن تھیں جن کا نام مبارک سلطان تھا اور وہ پیر محبوب شاہ ساکن قریشیہ نوالا کی زوجہ تھیں۔ پیر مراد شاہ اور ان کے بیٹوں بھائی فارسی اور اردو زبان کے صاحب طرز شاعر اور ادیب تھے ان سب کی تصانیف موجود ہیں۔

پیر مراد شاہ کے بارے میں ان کے بھائی پیر فرخ بخش اپنی تصنیف "اذکار قلندری" میں لکھتے ہیں کہ "مرشد کامل شریعت و طریقت و مکمل الحقیقت والمعرفت یعنی مخدوم رکن الدین المشہور بشاہ مراد بخش علیہ الرحمۃ نے بیعت خلق کا دست ارادت اپنے جد امجد خلاصۂ اولیا حضرت شاہ خدا بخش کے ہاتھ میں دے کر اور تبرک خرقۂ آبائی اپنے والد شریف شیخ الوقت حضرت کرم شاہ عرف مستیا شاہ سے پہنا۔" (۱)

پیر مراد شاہ اردو زبان کے اہم شعراء میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کی اردو مثنویاں نامۂ مراد اور مراد المحبین چھپ چکی ہیں۔ نامۂ مراد، پیر غلام دستگیر نامی کے تعارف اور مقدمے کے ساتھ چھپ چکی تھی اور مراد المحبین کو نامی صاحب سے حاصل کر کے پہلی مرتبہ ڈاکٹر محمد باقر (سابق پرنسپل اورینٹل کالج لاہور) نے رسالہ اردو دہلی کے اکتوبر 1942ء کے شمارے میں شائع کیا تھا۔ پیر مراد شاہ کا تخلص مراد تھا۔ دیوان مراد پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے ذخیرۂ مخطوطات میں محفوظ اور تاحال غیر مطبوعہ ہے۔ مراد شاہ، ۵ محرم الحرام ۱۲۱۵ھ مطابق مئی 1800 میں فوت ہوئے۔ مفتی غلام سرور لاہوری نے گنج خوبان میں مندرجہ ذیل مادۂ تاریخ درج کیا ہے:

چون مراد از دار دنیا رخت بست — رفت در گلزار جنت با مراد
سال وصلش گو سخی مقتدر — ہم بخوان شاہ گرامی با مراد
۱۲۱۵ — ۱۲۱۵

---

(۱) بحوالہ تاریخ جلیلہ از پیر غلام دستگیر نامی ص 239

حافظ محمود شیرانی نے پنجاب میں اردو میں ایک عنوان کے تحت مراد شاہ کا تفصیلی ذکر کیا ہے (1) لاہور میں مراد شاہ کی رہائش محلہ کھاری کھوئی، گذر چوک مانک، بازار حکیماں اندرون بھاٹی دروازہ میں تھی۔ گذر چوک مانک کا علاقہ سید مٹھا بازار سے ٹکسالی دروازہ کی فصیل اور شاہ برج تک تھا۔ اسی رہائش گاہ میں انہوں نے حکیم علیم اللہ ارشاد منشی محمد حیات کی فرمائش پر چہار درویش کا قصہ مراد المحبین کے نام سے اردو زبان میں نظم کیا۔ مراد شاہ اور قابل ذکر نظم "ٹکسال نامہ" بھی ہے۔ جسے میر محمود دستگیر نامی نے شائع کر دیا ہے۔ اس اردو نظم سے معلوم ہوتا ہے کہ مراد اپنے دور کی معاشرتی اور سیاسی صورت حال سے پوری طرح آگاہ تھے اور اس پر تنقید کرنے کی جرأت رکھتے تھے۔

نامہ مراد میں "اردو" کا لفظ زبان کے معنی میں استعمال ہوا تھا۔ گویا نو طرز مرصع کے مصنف تحسین نے نثر میں اور مراد شاہ نے نظم میں یہ لفظ زبان کے معنی میں زمانہ قدیم میں استعمال کیا تھا۔ یہ بات اردو کی لسانی تاریخ میں خاص اہمیت رکھتی ہے۔ ایک اقتباس درج ذیل ہے:

وہ اردو کیا ہے یہ ہندی زباں ہے ۔۔۔ کہ جس کا قائل اب سارا جہاں ہے
کلام اب تجھ سے میں ہندی زباں میں ۔۔۔ کروں اشتہرت ہو کا سارے جہاں میں
کہ اب وسعت میں اس کی سب سخنداں ۔۔۔ سخنور طبع کو کرتے ہیں جولاں
اسی کا شہرہ اب ہو جا گئے سب تک ۔۔۔ یہاں سے تا بہ ایران تا عرب تک
لطافت یہ نکالی ہے اسی میں ۔۔۔ کروا تے ہیں کچھ فارسی میں
خصوصاً شعراب شاعر یہاں کے ۔۔۔ نہیں کہتے بجز ہندی زباں کے
غرض ہندی کا یہ چرچا یہاں ہے ۔۔۔ کہ شعر فارس مطعون زباں سے
یہ شہرت ہے اب اس مضمون شعر کی ۔۔۔ نہ کوئی فارسی پوچھے نہ شعر کی
نہیں ہندی سخن میں نقص ممکن ۔۔۔ لطافت ہے بہت سی اس میں لیکن
نہ شاعر ہند کے ہوں فی الحقیقت ۔۔۔ گئے لے فارس کے مضمون پہ سبقت
بچوڑا فارسی کی استخواں کو ۔۔۔ کیا پُر مغز تب ہندی زباں کو
فصاحت فارسی سے جب نکالی ۔۔۔ لطافت شعر میں ہندی کے ڈالی (2)

---

(1) حافظ محمود الحسن خان شیرانی: پنجاب میں اردو، مرتبہ ڈاکٹر وحید قریشی، لاہور 1972، ص 281

(2) غلام دستگیر نامی: تاریخ جلیلہ طبع دوم لاہور 1960ء ص 241

7. پیر سکندر شاہ امداد لاہوری:

امداد کے بڑے بھائی پیر قلندر شاہ قلندر فارسی زبان کے شاعر تھے۔ شیخ مراد شاہ کے بعد اردو زبان میں جنہوں نے ~~[crossed out]~~ باقاعدہ شاعری کی وہ پیر سکندر شاہ امداد تھے۔ 1779ء کے قریب پیدا ہوئے اور بیس سال کی مختصر عمر پاکر ~~[crossed out]~~ 1799ء میں فوت ہو گئے۔ مزار خانقاہ عبد الجلیل واقع لاہور میں ہے۔ ~~[crossed out]~~ مفتی غلام سرور لاہوری نے گنج تاریخ میں مندرجہ ذیل مادۂ تاریخ درج کیا ہے:

چو سکندر بادشاہ دو جہان — یافت از حق جنت الفردوس مفت
عقل سال ارتحال آن جناب — عارف اکبر سکندر شاہ گفت (1)

حافظ محمود شیرانی نے امداد کا نمونہ کلام پنجاب میں اردو میں درج کیا ہے جو حسب ذیل ہے:

بادہ و جام و ساقی و گل و مل — ہے، مینے کے آگ وہ غیرت گل
سب میں احوال اس کا کہہ نہ سکا — شیشہ جو جنبہ کہہ رہے قُل قُل
زلف مشکیں کو دیکھ کر اس کی — کٹ گیا آج طرۂ سنبل
جب گل اندام کے نئے میں نے — کھائے اپنے بدن پہ لاکھوں گل
محو اشارے میں اس کے خون سرا — لے گیا اس کا زندگی کا گُل -
فیضِ شاہ مراد سے امداد — ہم نے باندھے ہیں ریختوں کے پُل (2)

مراد شاہ مراد لاہوری، امداد کے برادر بزرگ نے اپنی تصنیف مراد المحبین میں ان کے حسب علم و فضل اور اہل کمال ہونے کا ذکر کیا ہے

جو پیروں نے برسوں میں حاصل کیا — خدا نے سو تھا اس جوان کو دیا
کسے یاد ہے جو اسے یاد تھا — ہر اک فن میں گویا وہ استاد تھا
فقیری میں رکھتا تھا کسب کمال — جہاں کو سمجھتا تھا خواب و خیال
تجرد کے عالم میں اک فرد تھا — جوان مرد تھا صاحب درد تھا
بصد دلم ہمچو یوسف عزیز — سکندر فلاطون ارسطو تمیز
برادر نہ تھا آہ فرزند تھا — کہ آرام جان اور دلبند تھا (3)

---

(1) ~~[crossed out]~~ مفتی غلام سرور لاہوری: گنج تاریخ، نولکشور لکھنؤ، 1877ء۔ مفتی صاحب کے مصرعے میں سال فوت ۱۲۱۴ھ برآمد ہوتا ہے جو غلط ہے۔ پیر غلام دستگیر نامی کی تحقیق کے مطابق امداد ۱۲۱۰ھ میں فوت ہوئے۔ (دیکھئے تاریخ جلیلہ ص 245 -

(2) حافظ محمود شیرانی: پنجاب میں اردو، مرتبہ ڈاکٹر وحید قریشی، لاہور 1972ء ص 333 -

(3) ~~[crossed out]~~ مراد لاہوری: مراد المحبین: مرتبہ ڈاکٹر محمد باقر: رسالہ اردو دہلی اکتوبر 1962ء

پیر مراد شاہ وغیرہ کے خاندان فقیران لاہور سے بہت گہرے مراسم تھے۔ انھوں نے اپنے منظوم فارسی خطوط میں جو القاب وقتاً فوقتاً اپنے مخاطبوں کو تحریر کیے، فقیر سید غلام محی الدین نوشاہ ثانی اور ان کے بیٹوں فقیر سید عزیز الدین، فقیر سید نور الدین حضور اور فقیر سید امام الدین کا بے حد محبت اور خلوص سے کیا ہے۔ مراد شاہ نے 1210ھ میں اپنے بھائیوں قلندر شاہ اور سکندر شاہ کو جو اس زمانے میں راولپنڈی میں مقیم تھے، لاہور سے ایک خط لکھا جس میں مندرجہ ذیل الفاظ میں فقیر صاحبان کے سلام ان تک پہنچائے:

رفتہ فخار دوستان بے ریا — آں غلام شاہ محی الدین ما

عارف باللہ حکیم حاذقے — دوستے در دوستیہا صادقے

ہمسرش نبود کسی در ہمسراں — مثل و ثانی نیست او را در جہاں

ہم امام الدین و نور الدین دگر — نیز صدر الدین(1) فرخندہ سیر

بندگیہا می رسانند از نیاز — یا الٰہی عمرشان آباد باد

مراد شاہ اور قلندر شاہ دونوں بھائی فقیر عزیز الدین کو اپنے خطوں میں "عزیز جاں و جان جو عزیز" لکھا کرتے تھے:

مراد شاہ: اے عزیز جان! اے جان عزیز — اے سراپا عقل و اے وافر تمیز

قلندر شاہ: اے عزیز جان و جان ہر عزیز — دست در دامان پاکت چون طرز (2)

چشتی خاندان اور فقیر خاندان کے گہرے دوستانہ روابط کے پیش نظر یہ بات قابل یقین ہے کہ پیر خاندان مخصوصاً مراد شاہ، سکندر شاہ، قلندر شاہ اور فرخ بخش جیسے صاحب علم حضرات سے مولوی احمد بخش یکدل یا ان کے صاحبزادے مولوی نور احمد چشتی کے مراسم نہ ہوں۔

8۔ مفتی غلام سرور لاہوری، سرور:

مفتی غلام سرور 1828ء میں محلہ کوٹھی مفتیاں نیز حویلی میاں خاں اندرون موچی دروازہ لاہور میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام مفتی غلام محمد تھا۔ آپ خواجہ بہاؤ الدین ذکریا ملتانی کی اولاد میں سے تھے۔ مفتی صاحب نے ابتدائی تعلیم اپنے فاضل باپ سے اور بعد میں عربی و فارسی نیز علوم دینیہ کی تعلیم اپنے عہد کے فاضل اجل مولوی غلام اللہ لاہوری سے حاصل کی تھی۔ مفتی صاحب اردو نظم و نثر میں صاحب اسلوب

(1) یہ نام یقیناً عزیز الدین ہے جو فقیر امام الدین اور فقیر نور الدین کے بڑے بھائی تھے۔ پیر غلام دستگیر نامی کو خطوط خوانی میں مغالطہ ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اپنی تاریخ جلیلہ میں ان اشعار کو درج کرتے ہوئے لکھا ہے "صدر الدین صاحب کون تھے، معلوم نہ ہو سکا"۔ دوسرے یہ کہ فقیر خاندان کی فہرست میں اس دور میں کہیں صدر الدین نام نہیں ملتا۔ لہٰذا قرائن سے عزیز الدین ہی درست معلوم ہوتا ہے۔

(2) پیر غلام دستگیر نامی: تاریخ جلیلہ، لاہور 1960ء ص 249 - 250۔

تھے۔ فارسی اور اردو تصانیف کی تعداد دو درجن کے قریب ہے۔ مفتی صاحب نے خود علمی کام کرنے کے ساتھ ساتھ کئی
محققین اور اہل علم کو تصنیف و تالیف میں مدد دی۔ 1862ء کے قریب وہ کنہیا لال ہندی کے منشی تھے اور ان
کی کتب تاریخ کی ترتیب میں معاونت کرتے تھے۔ کنہیا لال کے بعض
علمی کاموں پر مفتی صاحب کی محنت کی اس قدر گہری چھاپ ہے کہ وہ خود مفتی صاحب کے
زور قلم کا نتیجہ معلوم ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر کنہیا لال کی تاریخ پنجاب اور مفتی غلام سرور لاہوری
کی تاریخ مخزن پنجاب کو اگر ایک ساتھ رکھ کر دیکھا جائے تو یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ
مخزن پنجاب کے صفحے کے صفحے عبارتیں اور مطالب جوں کے توں کنہیا لال کی تاریخ پنجاب میں
آگئے ہیں، حتی کہ الفاظ تبدیل کرنے کا تکلف بھی نہیں کیا گیا۔ مفتی صاحب تاریخ نویسی میں
کنہیا لال پر اولیت اور فوقیت رکھتے ہیں اس لئے یہ باور نہیں کیا جا سکتا کہ سرقت کے اس
عمل میں مفتی صاحب ملوث ہوئے ہوں گے۔ مشکل صرف یہ ہے کہ ایک ہی نوالہ ہے
جو دو منہ میں چلا گیا ہے۔ کنہیا لال نے مفتی غلام سرور کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"یہ شخص اردو، فارسی نظم قابل تحسین لکھتا ہے ..... یہ شخص فی زمانہ ایک نامور عالم،
فاضل، شاعر، مصنف .. ہے، جس نے تمام عمر شاعری اور تصنیف و تالیف میں بسر کی۔
متعدد کتابیں نظم و نثر اردو فارسی لکھیں۔ تمام زمانے میں نام پایا۔ اس نے خاص لاہور
محلہ مورونی میں سکونت اختیار کی اور عالی شان حویلی بنوائی اور یہیں چھاپہ خانہ جاری کیا۔
اب مؤلف کتاب کے دفتر میں منشی کے عہدے پر ممتاز ہے" (1)

کسری منہاس لکھتے ہیں: "آخری عمر میں مفتی صاحب مرحوم حج بیت اللہ کو تشریف لے گئے اور وہیں
انتقال کیا۔ ۲۷ ذوالحجہ ۱۳۰۷ھ مطابق ۱۴ اگست 1890ء کو داعی اجل کو
لبیک کہا اور ان کی تاریخ وفات ان کا اپنا یہ مصرع ہے:

ع: "ارے سرور نے کی ہے سرور عالم کی پابوسی" (2)

مفتی غلام سرور کی فارسی تصانیف میں ان کے تذکرے "خزینۃ الاصفیا" کو امتیازی حیثیت حاصل
ہے۔ اس تذکرے کو پاک و ہند میں صوفیا اور اہل اللہ کے حالات زندگی پر ایک اہم دستاویز کی
حیثیت حاصل ہے۔ بے شمار محققین نے اس کتاب سے استفادہ کیا ہے اور اس کی علمی قدر و قیمت کے
معترف ہیں۔ ایران کے مشہور محقق سعید نفیسی مفتی صاحب کے کام کے بے حد مداح تھے انھوں نے اپنی
کئی تصانیف میں اس تذکرے سے استفادے کا ذکر کیا ہے۔ خزینۃ الاصفیا کے ایک
حصے کا اردو ترجمہ چند سال پہلے لاہور سے شائع ہوا تھا، مکمل ترجمہ ابھی تک نہیں آیا۔

اس کے علاوہ ان کی کتاب "گنجِ خوبی" بھی فارسی زبان میں ہے۔ اس میں مشاہیر کی وفات اور پیدائش کے تاریخی مادے فارسی میں نظم کر کے جمع کئے گئے ہیں۔ مفتی صاحب کو تاریخ گوئی کا خاص ملکہ حاصل تھا انہوں نے اپنی اور اپنے دوستوں کی اولاد کے موقع پر متعدد شخصیات کے مادہ ہائے تاریخ نظم کئے ہیں۔ خزینۃ الاصفیا کے تمام تراجم میں تاریخی مادے انہی کے موزوں کردہ ہیں۔ قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ گنجِ خوبی ان مادوں پر مشتمل نہیں بلکہ ان میں نئے مادے موزوں کئے گئے ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے تاریخ گوئی مفتی صاحب کی شخصیت کا حصہ تھی۔

اردو تصانیف کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: نظم اور نثر۔

نثر میں ان کی تصانیف حدیقۃ الاولیا اور مدینۃ الاولیا قابلِ ذکر ہیں۔ ان دونوں سے زیادہ اہم کام تاریخ مخزن پنجاب کا ہے۔ یہ کتاب جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے اگرچہ کہ انگریزوں کے دور میں بہ عجلت لکھی گئی تاہم سکھ دور کا زوال اور انگریزوں کا عروج چونکہ مفتی صاحب کے چشم دید واقعات ہیں لہٰذا ان کے بیان کی صداقت کو جھٹلانا ممکن نہیں۔ رہی بات جنگِ آزادی کو مفسدہ کہنے کی تو یہ وقت کا تقاضا تھا۔ ایک سفید پوش اور وضعدار آدمی کے اندر بھی اس زمانے میں اتنی جرأت نہ تھی کہ وہ اپنی اور اپنے اہل خاندان کی عزت و ناموس کو حق گوئی کی داؤ پر لگا دے۔ اس کام کے لئے قدرت کی طرف سے اور لوگ چنے جاتے ہیں جو شجاعت کے ساتھ ساتھ مالی آسودگی اور معاشی فارغ البالی کی نعمت سے بھی مالا مال ہوں۔(۱)

مفتی صاحب کی منظوم تصانیف کی تعداد بھی کم نہیں۔ دیوان نعت سرور، گلزارِ ارشادی، مناقب غوثیہ مثنوی کے طرز کی کتابیں ہیں۔ مفتی صاحب قادر الکلام شاعر تھے۔

مفتی غلام سرور لاہوری کے چشتی خاندان کے ساتھ گہرے مراسم تھے۔ گنجِ خوبی میں قریباً تمام چشتی خاندان کے تمام اکابر کی تاریخیں درج ہیں۔ مفتی صاحب مولوی نور احمد چشتی کی مشہور تالیف "تحقیقاتِ چشتی" کی ترتیب و تدوین کے مراحل میں ان سے معاونت کرتے رہے۔ ذیل میں مفتی صاحب کی ایک اردو نظم درج کی جاتی ہے یہ نظم تحقیقاتِ چشتی کی تاریخ اختتام کے طور پر لکھی گئی تھی۔

تاریخ اختتام از مفتی غلام سرور

عجب خوب تر یہ تحقیقاتِ چشتی ۔۔۔ بنا ہے مثلِ نسخہ دلربا ہے
کہیں ذکرِ شہاں با طرزِ رنگیں ۔۔۔ کہیں تشریحِ حالِ اولیا ہے
صفا میں خوش، معانی رس دلچسپ ۔۔۔ بیاں خوش ہے، عبارت جانفزا ہے
لکھا ہے جو بیاں سب صحیح کل ہے ۔۔۔ لکھا ہے بے تعصب جو لکھا ہے
زبس انکشافِ حالِ اسلاف ۔۔۔ عجب آئینۂ عالم نما ہے

---

(۱) اس سلسلے میں تنہا مفتی صاحب پر ہی الزام نہیں، کنہیا لعل ہندی سے لے کر سید محمد لطیف تک سبھی انگریزوں کی خوشنودی کے لئے جنگِ آزادی کو مفسدہ کہنے پر مجبور ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ دل سے اسے جنگِ آزادی ہی سمجھتے ہوں۔

کہیں اشعارِ گوہر بار منظوم — کہیں نقشوں کا نقشہ جم رہا ہے
ہر اک نقطہ و ہر اک معنی ہر اک حرف — غرض صلّ علیٰ صلّ علیٰ ہے
لکھی سرور نے آخر وصل کی تاریخ — کہ اچھا تحفۂ چشتی بنا ہے (۱)

۱۲۸۲ھ

ان شعراء کے علاوہ لاتعداد شعراء ایسے ہیں جن کا ذکر مولوی صاحب نے اپنی بیاضوں میں کیا ہے یا چشتی خاندان کی تالیفات پر ان کی کہی ہوئی [illegible] منظوم تاریخیں درج ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر فارسی زبان میں لکھنے والے ہیں اور بعض کے سوانحی معلومات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ ان کی ایک مختصر فہرست درج ذیل ہے۔

نواب غازی الدین نظام۔ شہر حسن۔ نرائن داس مضطر۔ میاں ولی محمد، سید انور شاہ انور، محمد حسن مشوری کشمیری۔ انور حسین ہما۔ [illegible] مولانا محمد لاہوری (کوٹھی دار پشمینہ) شیو ناتھ منتظر، سید بہادر شاہ بن سید چراغ شاہ سبزواری[2]

1857ء کے بعد لاہور میں چشتی خاندان کے ہمعصر نامور شعراء میں سے اکثر کے نام انجمن پنجاب سے وابستہ نظر آتے ہیں۔ انجمن کے ابتدائی رسائل میں جن لکھنے والوں کے نام نظر آتے ہیں۔ ان میں مولوی محمد حسین آزاد، منشی محمد علی، منشی گوپال داس، منشی ہنسا پرشاد، منشی موہن سنگھ داغ، فقیر سید جلال الدین، ڈاکٹر محمد دین حسین خان اور منشی کرم الٰہی کے نام قابل ذکر ہیں۔ لاہور ان دنوں اردو ادب کا عروس البلاد تھا، مولانا فیض الحسن سہارنپوری نے اسی مناسبت سے کہا تھا:

بناوٹ اس میں بس یہ ہے کہ ان دنوں لاہور
بڑے چھلے کا ٹھکانہ ہے دوست دشمن کا

اس لحاظ سے ہر وہ ادیب اور شاعر جن کا تعلق شہر لاہور سے موروثی تھا، ان کی فہرست درج ذیل ہے:

منشی نظام الدین۔ شیو ناتھ منتظر۔ حافظ غلام سرور۔ سردار دھیان سنگھ۔ سید نصرت علی۔ مولوی کریم بخش۔ مادھو سروپ۔ نادر علی سیفی۔ منشی محمد اعظم۔

---

(۱) تحقیقاتِ چشتی: باہتمام احسان علی، لاہور، پنجابی ادبی اکیڈمی 1964، ص 1328۔

(۲) سید بہادر شاہ، مولوی نور احمد چشتی کے برادر نسبتی تھے۔ ان کی بہن سید بیگم مولوی نور احمد کی زوجہ تھیں۔

لاہور پہنچ گئے ۔ سردار دیال سنگھ مجیٹھیہ ۔ سید رجب علی ۔ وغیرہ
ان کے علاوہ جن ناموروں ادیبوں اور شاعروں نے لاہور میں سکونت اختیار کر لی تھی ۔ اور انجمن پنجاب
کے روح و رواں تھے ان میں مولانا محمد حسین آزاد ، مولانا الطاف حسین حالی ، مرزا اشرف علی اشرف ۔ اعجاز ، مرزا ۔
مولانا فیض الحسن سہارنپوری ۔ میر ناظر حسین ناظم ۔ امو جان ولی ، فتح دین بسمل ،
منشی پیارے لال آشوب ، مرزا ارشد گورگانی (یا گورگانی ؟) مولوی سیف الحق ادیب
اور میر نثار علی شہرت دنیائے ادب میں محتاج تعارف نہیں ۔

انجمن پنجاب کی ادبی خدمات پر موسیو گارساں دتاسی نے اپنے مشہور مقالات میں مفصل
روشنی ڈالی ہے ۔ علاوہ ازیں ان ادیبوں اور شاعروں پر خاصا تحقیقی کام ہو چکا ہے ۔
جیت خاندان کے ادیبوں کی نظم و نثر اس نئے ادبی ماحول سے متاثر ہوئی اور انہوں نے
اپنی تصانیف میں وقت کے بدلتے ہوئے تقاضوں کو مد نظر رکھا ۔ چنانچہ ایک اہم تبدیلی یہ
رونما ہوئی کہ اس خاندان کے ادیبوں کی توجہ شاعری کی نسبت اردو نثر کی طرف زیادہ
ہو گئی ۔ مولوی نور احمد نے انگریزی میں مہارت حاصل کر کے نثر کے نئے رجحانات کو اپنایا ۔
حتی کہ ان کے والد مولوی احمد بخش یکدل نے جو اس دور کے بزرگ ترین شاعر اور
مورخ تھے ، فارسی نثر کے ساتھ ساتھ اردو نثر اور نظم کی طرف زیادہ توجہ دی ۔ اس پر
مفصل بحث اگلے باب میں آئے گی ۔

باب سوم ــــ خاندان چشتی

لاہور کے خاندان چشتی کے نامور مصنف مولوی نور احمد چشتی نے اپنی تصنیف تحقیقات چشتی میں اپنا آبائی شجرہ نقل کیا ہے۔ اس کے علاوہ موصوف کے والد مولوی احمد بخش چشتی یکدل نے اپنی نادر الوجود بیاضوں میں اپنے آبائی شجرے کی تکرار کی ہے۔ ان دو ذرائع کے علاوہ مولوی یکدل کے پڑپوتے مولوی عبدالرشید چشتی کی یاد میں چھپنے والی کتاب "حیات رشید"[1] میں بھی اس خاندان کا آبائی شجرہ درج کیا گیا جس کے سلسلے میں یقیناً مرحوم کے والد مولوی حامد علی چشتی سے استفادہ کیا گیا ہوگا۔ ان تینوں مآخذ کو ملاکر اس خاندان کے بارے میں جو تفصیل فراہم ہوتی ہے، اس کے مطابق اس خاندان کے پہلے بزرگ مولوی محمد عاقل تھے جو ہمایوں بادشاہ کے ہمراہ ایران سے ہندوستان میں آئے اور بقول مولوی نور احمد "مدت مدید دکن میں بعہدۂ جلیلہ سرفراز رہے"[2]۔ مولوی یکدل نے انھیں "مولوی محمد عاقل چشتی اورنگ آبادی" لکھا ہے، جس سے دکن میں ان کا مستقر متعین ہو جاتا ہے۔ مولوی محمد عاقل کے دو بیٹے تھے، مولوی نظام الدین اور مولوی عنایت اللہ۔ یہ دونوں صاحبزادے باپ کی وفات کے بعد دکن سے پنجاب میں آ گئے۔ مولوی نظام الدین نے روحانیت میں مقام پیدا کیا اور لاہور میں پیر جھکا کے نام سے مشہور ہوئے۔ تحقیقات چشتی میں ان کا ذکر موجود ہے:

"حال ان کا یہ ہے کہ نام ان کا مولوی نظام الدین سلسلہ ان کا چشتیہ۔ اگرچہ صدہا کرامات ان سے سرزد ہوئی ہیں مگر اکثر اوقات جو کوئی جھکوں والا ان کے پاس جاتا تھا فی الفور شفا پاتا تھا۔"[3]

ان کا مقبرہ گروھن شاہ میں میاں میر روڈ (موجودہ علامہ اقبال روڈ) کے جنوب رویہ موجود ہے۔ تحقیقات چشتی میں مقبرے کی تفصیل درج ہے۔ مولوی نظام الدین عرف پیر جھکا کی وفات دہم صفر ۱۱۱۷ھ میں ہوئی۔ حضرت مخدوم سرور لاہوری کا قطعہ تاریخ درج ذیل ہے:[4]

پیر جھکا نظام ہر دو جہاں — شیخ عالم امام دین نبی

بہر سال وصال آنحضرت — گفت سرور "نظام دین نبی" (۱۱۱۷ھ)

مولوی نظام الدین کی اولاد کی تفصیل معلوم نہیں ہو سکی۔ دوسرے بھائی مولوی عنایت اللہ یتیمی کی حالت میں پاک پٹن پہنچے اور وہیں حضرت بابا فرید شکر گنج کے خاندان میں اولاد کی بشارت ملی۔ مولوی نور احمد چشتی نے لکھا ہے "بابا فرید گنج شکر نے اس کو اپنا متبنیٰ کیا"[3]۔ لیکن

---

(1) حیات رشید: مولفہ مرزا اعجاز حسین بی۔اے۔ دہلوی، وکیل چیف کورٹ (پنجاب) مطبع اقبال، لاہور 1909ء

(2) مولوی نور احمد چشتی: تحقیقات چشتی، لاہور 1964، ص 11

(3) ایضاً ص 520 - (4) ایضاً ص 521

اس بات کی تحقیق کسی دوسرے حوالے سے نہیں ہوتی ۔ مولوی یکدل نے اپنے آباؤ اجداد کی اجودھن یعنی پاک پتن سے نسبت تو ظاہر کی ہے لیکن منتقلی یا نیابت کا کہیں ذکر نہیں کیا :

آجودھنم آمدہ ز اجداد

مولد منشا کہ باد آباد (1)

مولوی عنایت اللہ کی اولاد میں دو لڑکے تھے ، مولوی بہاؤ الحق اور مولوی ضیاء الحق ۔ مولوی بہاء الحق با بکرہ قصبات چشتی ہی موجود (لطف اللہ) ~~کی اولاد کی تفصیل معلوم نہیں~~ ، ایک لڑکی کا ذکر مولوی یکدل نے کیا ہے (2) یہ لڑکی مولوی لطف اللہ بن مولوی عبد الہادی کے نکاح میں تھی ۔ مولوی لطف اللہ کے بیٹے حافظ امام بخش بہت اچھے حفاظ تھے ، یکدل کی والدہ نے بیٹے کے لئے سب سے پہلے قرآن مجید انہی سے خریدا تھا ۔ (3) مولوی حامد علی چشتی نے اپنے روزنامچے میں مولوی صاحب کی اولاد کی فہرست دیتے ہوئے لکھا ہے :

" مولوی بہاء الحق و مولوی ضیاء الحق ہر دو برادر حقیقی بودند ۔ ما از اولاد مولوی ضیاء الحق و مولوی اسماعیل و مولوی عبد القادر وکیل قصور از اولاد مولوی بہاء الحق ۔" (4)

مولوی ضیاء الحق ۱۵ ۔ محرم ۱۱۶۰ھ مطابق 28 ۔ جنوری 1747ء کو فوت ہوئے ، ان کا مزار حافظ بودہ شرقیہ کے قبرستان میں ہے ، موصوف زہد و تقویٰ کے ساتھ ساتھ علم و فضل کی دولت سے بھی مالا مال تھے ۔ مولوی ضیاء الحق کی اولاد سے ایک ہی صاحبزادے جن کا نام مولوی محمد ابراہیم چشتی تھا اور ایک صاحبزادی تھیں جن کی شادی مرزا ہدایت اللہ سے ہوئی اور وہ اپنے شوہر کے ساتھ آگرے چلی گئیں اور وہیں سکونت اختیار کر لی ۔ مولوی محمد ابراہیم چشتی کی شادی عابدہ بیگم سے کی گئی جو مرزا امان اللہ بیگ کی بیٹی تھیں ۔ مولوی یکدل لکھتے ہیں :

" والدۂ ہمدمن عابدہ بیگم دختر مرزا امان اللہ بیگ نواسۂ محمد مرزا از نبائر سلطان مراد بخش" (5)

مولوی محمد ابراہیم چشتی اپنے وقت کے کاملین میں سے تھے ۔ ان کی علمی شخصیت آئندہ باب میں زیرِ بحث آئے گی ۔ مولوی محمد ابراہیم چشتی کے ہاں ایک فرزند مولوی غلام حسین چشتی اور ایک صاحبزادی پیدا ہوئیں جن کا نام عابدہ بی بی تھا ۔ مولوی محمد ابراہیم چشتی کے زمانے میں لاہور سکھا گردی اور فتنہ و فساد کی آماجگاہ بنا ہوا تھا ۔ مولوی صاحب نے اپنی اور اپنے خاندان کی حفاظت کو مدنظر رکھتے ہوئے محلہ نوگھرا اندرون موچی دروازہ میں ایک مکان خریدا اور سکونت اختیار

---

(1) مولوی احمد بخش یکدل چشتی : بیاض اشعار ص 72 الف ، ب نیز تحفۂ یکدل ص 83 ۔ (مخطوطہ مصنف)

(2) یکدل : بیاض ۔ 12 (3) یکدل : بیاض شمارہ 13 ۔

(4) مولوی حامد علی چشتی : بیاض حامد ، شمارہ 9 ص 17 ۔ (5) یکدل : بیاض شمارہ 13 ۔ ص 26

شجرۂ مولوی بہاء الحق

۷ — حال مولوی بہاء الحق برادر مولوی ضیاء الحق صاحب

- مولوی بہاء الحق
  - مولوی امام اللہ
    - مولوی بدرالدین
      - عبدالرحیم
      - عنایت اللہ
      - عبدالحکیم
      - ہدایت اللہ
        - اب لاہور میں صاحبزادگان لالہ رتن چند داڑھی والا کو پڑھاتے ہیں اور مولوی طالب علی صاحب محافظ دفتر لفٹنٹ گورنر پنجاب ورکس کی صاحبزادی سے کتخدا ہوا ہے۔
    - مولوی صدرالدین
      - نعمت اللہ
      - عبدالغنی
  - مولوی محمد مستقیم
    - مولوی عبداللہ
      - مولوی غلام حسین
        - غلام احمد
          موضع دلاور میں موجود ہیں
  - مولوی محمد منعم
    - مولوی نور احمد
      - مولوی احمد بخش
        - غلام رسول
          - علی محمد
        - محمد بخش
          - نور دین
          - عزیز دین
        - رکن الدین
        - قمرالدین
          - یک دختر
    - مولوی احمد
      - مولوی غلام حسین
        - غلام محمد
        - خان محمد
        - نذر محمد
          - فضل احمد
          - نور احمد
        - یک دختر
      - غلام قادر
      - غلام رسول
    - غلام اشرف
      - مولوی شرف دین
      - محمد جمیل
      - فضل احمد

مولوی احمد بخش یکدل چشتی نے اِس دور کی بدامنی، مردم آزاری اور کس مپرسی کا نقشہ بہت دردناک انداز سے کھینچا ہے چنانچہ لکھتے ہیں :

"یاد دارم کہ چون کشتی مغلیہ و سلطنت چغتائیہ غرق شد و بہم خوردہ جد شریف بندہ (1) و رجہاد تمام شرفاء و سادات عظام و علمائے کرام و غیرہ جو گروہ سفید پوشان قلم بدست چہ شہر و چہ دہقان ہا در سوگواری پوشیدند، از آنکہ مسلط شدند مولسران یعنی سکھان دہقان خراج زانو برنہ ... و ہمینکہ خود و لعبدہ مال مردم خوار و آتش زن و دزد شدہ شدہ سلطنت شد۔ آن بزرگان بعضی روانۂ شاہجہان آباد و حیدرآباد و لکھنؤ و مکہ و مدینہ و مصر و روم و شام و بعضی بخراسان و بہاولپور و حیدرآباد و سندھ و آنجاہائی کہ قوت پیدا شتند و بشرفا بودند و در ہمین پنجاب نگویند نشستہ بعضی بافندگی و بعضی صندوق چینی و بعضی معماری و بعضی سبد برداری و بعضی حمالی و بعضی تیرہ فروشی و بعضی گدائی دیہات۔ ہمین طور خلق افتادہ ماندہ حیران و پریشان، تا آنکہ در ہمان غم از جہان رفتند۔" (2)

مولوی محمد ابراہیم چشتی نے گزر اوقات کے لئے ڈگی دروازے کے اندر ایک مسجد میں امامت اختیار کی۔ وہیں درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری ہوگیا۔ مولوی صاحب کی صاحبزادی عابدہ بی بی کی شادی ایک شخص خدا بخش نامی معذور وکیل سے ہوئی۔ یہ شخص شعوذت تو تھا بے حد آوارہ اور بدکردار ثابت ہوا، چنانچہ اس سے طلاق حاصل کی گئی اور ان کا نکاح ثانی ایک ملازادے محمد حیات نامی دستوندی سے کر دیا گیا۔ مولوی نور احمد چشتی کا کہنا تھا کہ ملازادے کی ذات غوری تھی اور انہیں زیور علم و آداب سے آراستہ ~~[illegible]~~ کرکے موضع خود پور (مانگا منڈی ضلع لاہور) میں ایک مسجد کا امام مقرر کرا دیا۔ مولوی یکدل نے ان واقعات پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:

پدرم را خواہری بود عابدہ بی بی نام، در عقد محمد حیات بود۔ از وی امام بخش الحال از امام بخش پسری آمد محمد بخش و محمد بخش را الحال سہ پسر می آمدند، چراغ دین و شہاب الدین و علم الدین ہم باز محمد بخش را دو خواہر بیگم و بھاگن و دو نانو ڈوگر و خطپور (خود پور) جو دو کہ خداالند۔ چون در قرب دیوار سہ مسجد را امامت می کنند و ہمین محمد بخش مالک ہر سہ مسجد است، میاں عبداللہ مولوی بود کہ نانائے محمد بخش بود، از وی کت و زیور

---

(1) مراد ہے مولوی محمد ابراہیم چشتی

(2) مولوی احمد بخش یکدل: بیاض یکدل مشمولہ ~~[illegible]~~ ص 45۔

بسیار ماندہ - امام بخش بیچارہ محتاج بود۔ امام بخش مرد بسیار غریب و نیک بخت و غسّال بود۔
امام بخش فرزند ماندہ بود مادرش عابدہ بی بی دختر مولوی محمد ابراہیم چشتی، خواہر خورد حضرت مولوی
غلام حسین چشتی بود. و اول در عقد خدا بخش بن معتمد وکیل دادہ بودند۔ و او شراب خور
بود لہذا ہنود بی ازوی طلاق دہانیدند او را بحبالۂ ناحی ملا عقد کردہ دادند و آن
ام البلایا تزوا انتقال کرد۔" (1)

ام البلایا کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ مولوی صاحب کے خیالات اپنی بہو کے سسرالی خاندان کے
بارے میں اچھے نہیں تھے۔ عابدہ بی بی کی اولاد کا شجرہ یوں ترتیب پاتا ہے۔

مولوی محمد ابراہیم
- مولوی غلام حسین چشتی
- عابدہ بی بی
  - امام بخش
    - بیگم
    - محمد بخش
      - چراغ الدین
      - شہاب الدین
      - علم الدین
    - بھاگن
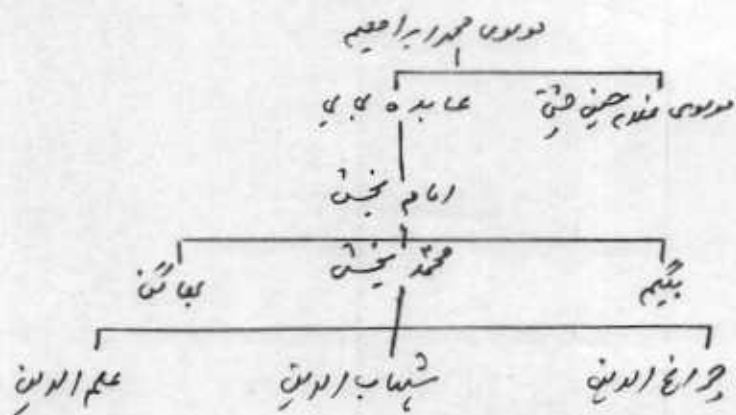
مولوی غلام حسین چشتی نے والد کے حکم پر لبیک کہتے ہوئے مولوی عصام الدین آہن گر کی بیٹی کا
رشتہ قبول کیا۔ مولوی صاحب کی بیوی جن کا نام عظمت النساء بیگم تھا حافظ قرآن اور
پرہیزگار خاتون تھیں۔ انہی کے بطن سے مولوی غلام حسین چشتی کے نامور فرزند مولوی
احمد شفیق تکیل پیدا ہوئے چنانچہ تکیل اپنی والدہ کے بارے میں رقم طراز ہیں:

"در لاہور بتجویز جد بی احمدی، شادی حضرت والدی قدس سرہٗ بہ خانۂ عصام الدین
مرحوم از قوم آہن گر شد۔ و والدۂ من عظمت النساء بیگم مرحوم حافظ و مسعودہ
و من از وی آمدم۔ خالہای من قوم پیدا شدند۔ لیں در این قوم از بی استعدادی متواز
شدم و از گروہ حدادی بی انکار نکردیم" (2)

لاہور کے سکھ سردار لہنا سنگھ نے مولوی محمد ابراہیم کی مدد معاش کے لئے لوہاری اور ذکی دروازے

---

(1) ایضاً شمارہ مذکور۔ (2) ایضاً شمارہ 13۔ ص 26۔

پیران کا دو دو آنے یومیہ مقرر کر دیا تھا۔ مولوی محمد ابراہیم چشتی کا انتقال ۱۲۰۲ھ میں ہوا۔ مولوی احمد بخش یکدل کو ابتدا میں مغالطہ ہو گیا تھا جس کی بنا پر انہوں نے ایک شعر میں یہ تاریخ ۱۲۲۰ھ بیان کردی:

ز ہجرت یک ہزار و دو صد و بیست
کہ جد امجدم را خلق بگریست

لیکن ۱۲۷۸ھ/1861-1862ء میں جب انہوں نے اپنے اور اپنے معاصرین کے کلام پر مشتمل بیاض اشعار مرتب کی تو اس غلطی کی تصحیح کر لی۔ چنانچہ اس بیت کو یوں بدل دیا گیا:

ز ہجرت یکہزار و دو صد و دو
کہ جد من ز دنیا تافتہ رو (۱)

اسی طرح ان کی وفات کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"جناب جد امجدم مولوی محمد ابراہیم چشتی رح متصل دروازۂ زکی در مسجد میر مداری پیش میر ابوالحسن از قوم سادات زکی یعنی اولاد پیر سید زکیؒ کہ قبالۂ خرید زمین دیوار بدیوار مسجد میر مداری موجود است دفن شدند۔ و چون بقلم حافظ شب دو گھڑی باقی مانده بر سنگ غلطیده مضمون تاریخ جناب جد بزرگ از سر ہوش در خواستم و پنج بیت و مادۂ تاریخ عمده و دلپسند اولی الالباب عنایت شدن:

چشتی سید محمد ابراہیم	مولوی زمانہ صاحب ہوش
خلف مولوی ضیاء الحق	در لقا نور نور او در جوش
فخر دینی ز فخر دین حاصل	کسوت فقر داشت در بر و دوش
چون بدروازۂ زکی مسجد	مدفنش شد ز خلق خواست خروش
سال آن عارف خدا آگاہ	رضی اللہ عنہ گفت سروش (2)

۱۲۰۲ھ

مولوی نور احمد چشتی نے تحقیقات چشتی میں آپ کی تاریخ وفات پنجم ماہ صفر ۱۱۹۵ھ درج کی ہے اور اس سال سے متعلق مفتی غلام سرور لاہوری کا موزوں کیا ہوا قطعہ تاریخ بھی درج کیا ہے،[2]

---

(۱) مولوی احمد بخش یکدل چشتی: بیاض اشعار ص 87 الف۔

(2) مولوی یکدل: بیاض یکدل شمارہ 15۔ ص 71۔

لیکن ان کی تحقیق قابلِ ترجیح ہے۔ مولوی محمد ابراہیم چشتی کی ادبی خدمات پر اگلے باب میں بحث کی جائے گی۔

مولوی محمد ابراہیم چشتی کے صاحبزادے مولوی غلام حسین چشتی والد کی وفات کے بعد ان کے مسندِ درس و تدریس پر متمکن ہوئے۔ آپ نے لوہاری دروازے اندر علومِ متداولہ کا مکتب جاری کیا۔ پہلے کچھ عرصہ جوہڑہ خاندان کے بچوں کو پڑھایا، پھر دیوان کھوانی داس کے خاندان کو تعلیم دیتے رہے۔ اس کے بعد فقیر عزیز الدین نے اپنے بیٹے فقیر سید چراغ الدین کو پڑھانے کی درخواست کی جو منظور ہوئی۔ آپ کی اہلیہ عابدہ بی بی نے بھی ایک زنانہ مدرسہ جاری کیا جس میں وہ لڑکیوں اور عورتوں کو قرآن مجید پڑھاتی تھیں۔ ان کا فیض عام طور جاری تھا۔

مولوی غلام حسین چشتی کا پیدائشی نام غلام علی تھا۔ مولوی نور احمد چشتی نے تبدیلیِ نام کے بارے میں مفصل وجوہ بیان کی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ جب مولوی غلام حسین چشتی دہلی میں حضرت فخر الدین فخرِ عالم چشتی کی خدمت میں بیعتِ طریقت کے لئے حاضر ہوئے تو انہوں نے آپ کا نام غلام علی سے بدل کر غلام حسین رکھ دیا۔ یہ واقعات یقیناً ان کے والد مولوی محمد ابراہیم چشتی کی وفات یعنی ۱۱۹۵ھ سے قبل کا ہوگا کیونکہ مولوی محمد ابراہیم چشتی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ان کے نام ایک بے تاریخ خط راقم الحروف کے پاس موجود ہے جس پر لکھا ہے:
"برخوردار سعادت اطوار قرۃ العین غلام حسین از عمر و دولت بہرہ یاب بود، سلامت باشد"[۱]

مولوی نور احمد چشتی نے مولوی غلام حسین چشتی کی شخصیت اور قیافہ کی لفظی تصویر تحقیقاتِ چشتی میں درج کی ہے چنانچہ لکھتے ہیں:
"قد مبارک موزوں و میانہ اوسط بہ مضمون خیر الامور اوسطہا اور رنگ گندم گوں مائل بزردی، کشادہ پیشانی، پیوستہ ابرو، فراخ چشم، باحیا، بہ سبب عادتِ کثرتِ مراقبہ آپ ہمیشہ سرنگوں رہا کرتے تھے۔ سفید ریش اور سفید موئے سر اور سر مبارک بموجب سنتِ نبویہ محلوق، خوش پوشاک۔ اکثر سر پر دستار سبز رکھا کرتے تھے۔ اور لباس میں چھڑی رنگین، پاپوش یا ناگی اکثر سبز رنگ لیتے۔ سلسلۂ عالیہ چشتیہ میں فنافی الحسین تھے۔ اور خدائے عنایتِ اقتران حضرت کا اس قدر خلیق تھا کہ

---

(۱) مجموعۂ متفرق اوراق، یہ اوراق مولوی مسعود علی چشتی نے راقم الحروف کو عنایت فرمائے۔

ہر ایک آدمی جو جلیس و انیس حضرت کا تھا، اپنی نسبت یہی کہتا تھا کہ مجھ سے زیادہ مولوی صاحب کسی پر مہربان نہیں۔ اور آج تک لوگ ان کے اخلاق محمدی سے رطب اللسان اور عذب البیان ہیں۔ اور رؤسا کے پنجاب ان کی جناب میں با ادب مریدانہ پیش آتے تھے۔ مزاج آپ کا جزو لاینفک، سیاحت دوست تھا، اور آپ سیر اقالیم کو لاینفک جانتے تھے۔" (1)

اسی شوق سیاحت میں انہوں نے گھریلو زندگی کو خیرباد کہا اور کابل (افغانستان) چلے گئے۔ جہاں آپ امیر کابل کی فرمائش پر کابل کے رئیس زادوں کو علوم متداولہ پڑھاتے تھے۔ مولوی احمد بخش یکدل کی بتائی ہوئی تفصیلات کی روشنی میں مولوی غلام حسین چشتی کے سفر کابل کا زمانہ ۱۲۱۵ھ کے قریب تصور کیا جا سکتا ہے۔ ۱۲۱۲ھ میں مولوی یکدل پیدا ہوئے اور ۱۲۱۶ھ یا ۱۲۱۷ھ کے قریب وہ داخل مکتب ہوئے، مولوی یکدل کو ان کی والدہ مکتب میں لے کر گئی تھیں، مولوی غلام حسین اس زمانے میں کابل میں تھے۔ (2) مولوی یکدل، سے پہلے مولوی غلام حسین کے گھر چار بچے ولادت پا کر فوت ہو چکے تھے جن کے نام مولوی یکدل نے حبیب اللہ، قادر بخش، بیگم بی بی اور مکھی بتائے ہیں۔ کابل میں جن لوگوں سے آپ کے گہرے مراسم تھے ان میں ناظم کابل میرزا قاآنی (3) کے علاوہ عبدالستار چشتی، اور پیرزادہ فضل احمد نقشبندی کے نام قابل ذکر ہیں۔ موخرالذکر کو اہل کابل بے حد احترام کرتے تھے اور انہیں "پیر ارباب الایمان" کا خطاب حاصل تھا۔

کابل سے واپس آ کر مولوی غلام حسین چشتی دوبارہ خاندان خالصہ کے اتالیق مقرر ہو گئے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے جس زمانے میں مولوی صاحب کا وظیفہ مقرر کیا، اس زمانے میں ان کے بیٹے مولوی احمد بخش یکدل بھی علمی دنیا میں متعارف ہو چکے تھے اور ان کے پوتے مولوی نور احمد چشتی بھی دنیا میں آ چکے تھے۔ کیونکہ مولوی نور احمد چشتی کے یہ الفاظ ہیں:

"جب مولوی غلام حسین کابل سے لاہور میں واپس تشریف لائے اور بدستور قدیم اس خاندان عالیشان کے اتالیق مقرر ہوئے تو پھر مہاراجہ صاحب نے سرکار لاہور پر چند چند روپیہ یومیہ تنخواہ والدم اور مولوی غلام حسین صاحب اور بندہ کے مقرر کر دیئے" (تحقیقات چشتی)۔

اس بات کی طرف واضح طور پر اشارہ کرتے ہیں۔ 1836ء تک مولوی غلام حسین نے جن خاندانوں کو تعلیم دی ان میں لالہ راجہ دھیان پرشاد، دیوان بھیم ناتھ، دیوان شنکر ناتھ اور دیوان دینا ناتھ کے خاندان قابل ذکر ہیں۔ دیوان دینا ناتھ کے بھائی کدار ناتھ، ضلع لاہور کے ناظر مریم ناتھ

---

(1) مولوی نور احمد چشتی: تحقیقات چشتی، لاہور، 1964، ص 18۔

(2) مولوی احمد بخش یکدل: بیاض، شمارہ 13۔

(3) میرزا قاآنی: نائب الحکومت کابل، لوگری، بزرگی، غلجائی۔ پدر نائب امین اللہ خان لوگری وزیر بادشاہ زمان، سراج التواریخ ص ۶۱۳ "تیمور شاہ درانی" طبع کابل ۱۳۲۶ھ (مکتوب آقای عبدالحی حبیبی، استاد دانشگاہ کابل بنام راقم الحروف)

اور شیو ناتھ آپ ہی کے شاگرد تھے۔ ۱۲۵۲ھ / 1836ء میں آپ علائق دنیوی سے قطع تعلق کرکے یادِ خدا میں مشغول اور جذب و مستی میں فنا فی الحسین ہو گئے تھے۔ مولوی غلام حسین چشتیؒ کی وفات ۱۰ صفر ۱۲۷۰ھ مطابق ۲۹ فروری 1844ء کو جمعرات کے دن علی الصبح ہوئی۔

مولوی نور احمد چشتی نے وفات کا منظر بڑے دلگداز الفاظ میں بیان کیا ہے جو یہ لکھتے ہیں:

"آخر کلام ان کی لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ ہوئی اور بعد از ان جان بحق تسلیم ہوئی۔ مقبرہ میں عجب وہ ساعت انگریزی گزری تو پائے مبارک آپ کا ہلا۔ بلکہ پائے مبارک کو تا ران مبارک جنبش ہوئی۔ و اشخاص موجودہ حیران ہوئے تو مولوی جان محمد صاحب مرحوم نے فرمایا کہ یہ معاملہ نعش حضرت شیخ شبلیؒ پر بھی ہوا تھا۔" (۱)

مولوی غلام حسین چشتیؒ کی وفات پر ان کے شاگردوں، دوستوں اور نیازمندوں نے تاریخیں موزوں کیں اور تاریخی مادے نکالے۔ مولوی احمد بخش یکدل چشتیؒ نے آپ کی وفات پر آپ کی وفات پر مندرجہ ذیل یادداشت قلمبند کی:

"ناگہان برادرم قدس سرہٗ دہم صفر ۱۲۷۰ھ رحلت فرمودند۔ آنچہ بر من گذشت بسخت تر نوشتہ۔ یک ہزار و چہار صد روپیہ بر ایشان خرچ کردم، در مسجد چینی خوابگاہ کردند۔ سہ صد روپیہ بر مسجد و خانقاہ بخرچ آمدہ از خود بسیار دادم من مردم برادرم من بسیار دادند۔ حالا خروج و جاروب و چراغ و گل ہا بر مزار ایشان می باشند و خدمت از قرار واقعی جاری است تا کہ پنجشنبہ ہا و جمعرات گلاب ہا و چہلم و ششماہی و شب براتہ و عرس بعد از یکسال و مرثیہ ہا بخیر و خوبی بسیار شد۔" (۲)

وفات کی چند تاریخیں درج ذیل ہیں جس سے اندازہ ہوگا کہ آپ کے معاصرین آپ کے بارے میں کیا احساسات رکھتے تھے:

فقیر سید عزیز الدین آزاد:

زین چشتی دین حق رضا باد	ہر روحے وی از خدا شفا باد
مقبول حسین بود خواتش	یارب بجوار مصطفیٰ باد
میراست غلام حسینی رقم	آقاش حسین مرتضیٰ باد

---

(۱) مولوی نور احمد چشتی: تحقیقات چشتی، لاہور 1964ء، ص 21۔

(۲) مولوی احمد بخش یکدل چشتی: بیاض یکدل مشاہدہ ۱۰۵۔

از حضرت فخر دین و دنیا — از نور لقای او ردا باد
ناگه به بیرم نزول فرمود — ٤ تف ز ابیز دمش جزا باد
چون دید تفکرم بتاریخ — او گفت که رحمت خدا باد

۱۲۶۰ھ

فقیر سید نورالدین مغفور :

چون مزار مشرفش دیده را افروختم — عرض نمودم که ای صاحب صد زیب و زین
سال وصالِ تو چیست گفت که ای جان من — خامہ بکف شو، نویس، بندہ غلام حسین

۱۲۶۰ھ

دیوان مرزا محمد اکبری :

چونکه نور چشم ابراہیم با صد آب و رنگ — کرد چون گل در گلستان اندرون خلد جای
تیرگیها خیرگی در دیدۂ عالم فزود — از زمین تا آسمان شد سر بسر ماتم سرای
چون ضیاء الحق و ابراہیم جد و والدش — بود نسلاً بعد نسلِ محوِ تسلیم و رضای
چون غلام حسین ابن علی بودش بدل — با مسمی بود اسم سامیِ آن نیک رای
فخر او بود از شکر گنج و معین الدین چشت — نسبتش بر درگاہ فخر الدین بودی جبہ سای
چون مشرف یاب مزار او شدم دیدم که آن — نسبت چون گلزار ابراہیم با نور و ضیای
سال تاریخش چو پرسیدم سروش غیب گفت — خوابگاہ مولوی گلزار ابراہیم ع ئی

۱۲۶۰ھ

اس سلسلے میں یہ بات دلچسپ ہے کہ مولوی غلام حسین چشتیؒ نے وفات سے کچھ دیر پہلے کہا، "در درد حسین رفتیم"۔ جب مولوی بیکدل نے ان الفاظ کے اعداد شمار کیے تو ۱۲۶۰ برآمد ہوئے گویا آپ نے بسترِ مرگ پر خود اپنی تاریخِ وفات موزوں کر دی تھی۔ (۱)

"مسجد چشتی" میں اس خانقاہ کا اب کوئی نشان باقی نہیں۔ مسجد کمیٹی نے اپنے مرحوم کے پوتے مولوی محمد علی چشتی پر دل سے کی زندگی میں ان سے غلط بیانی کر کے گرا دیا تھا۔ اس کی تفصیل مولوی ممتاز علی چشتی نے اپنے روزنامچے میں درج کر کے تمام حقائق کو محفوظ کر دیا ہے۔ (۲)

مولوی غلام حسین چشتیؒ کا ذکر مولوی بیکدل کی بیاضوں اور تصانیف میں جا بجا موجود ہے۔ ان کا فارسی اور اردو کلام موجود ہے۔ جس کا تذکرہ اگلے باب میں آئے گا۔ مولوی نور احمد چشتی نے تحقیقاتِ چشتی میں مولوی صاحب موصوف کی کرامات بھی درج کی ہیں۔

---

(۱) مولوی احمد بخش بیکدل چشتی، تحفۂ بیکدل (بخط مصنف) مملوکہ راقم الحروف ص ۱۳

(۲) مولوی ممتاز علی چشتی: روزنامچہ مولوی ممتاز علی مکتوبہ ۱۹۱۷ء مملوکہ پیر مشرف الحسن چشتی لاہور ص ۱۵ - (راقم الحروف نے اس کے فوٹو سٹیٹ سے استفادہ کیا ہے)

مولوی احمد بخش یکدل چشتی[1]، مولوی غلام حسین چشتی کی پانچویں اولاد تھے۔ انھوں نے اپنی یادداشتوں، مثنوی بیاضوں اور تصانیف میں اپنے حالات زندگی شرح و بسیط کے ساتھ بیان کئے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کی اولاد میں سے مولوی نور احمد چشتی، مولوی حامد علی چشتی اور مولوی ممتاز علی چشتی کی تصانیف اور روزنامچے بھی موصوف کے ذکر سے مزین ہیں۔ (2) ان تحریروں کی مدد سے مولوی یکدل کی سوانح حیات بہت اختصار کے ساتھ بیان کی جاتی ہے:(3)

مولوی احمد بخش یکدل ۷۔ ماہ صفر ١٢١٢ھ مطابق یکم اگست 1797ء کو رات کے دو بجے نوگرہ یاقوت خان محلہ آغا خانیان، گذر شیخ اسحاق اندرون رنگی دروازہ میں پیدا ہوئے،(4) شہر کے اکابر نے مبارکباد دینے آئے جن میں اپنے زمانے کے معروف دانشمند سید امیر بخش عرف منجھو شاہ بھی تھے جن کو چشتی یکدل نے عامل و کامل و مردگان پوش و صاحب علم لکھا ہے۔ یکدل کے دادا مولوی محمد ابراہیم چشتی نے آپ کا نام احمد بخش رکھا اور حسب ذیل تاریخ ولادت موزوں کی:(5)

چون بدیدم از غلامی حسینی — بفرزندی که یارب باد شادان
دو چشم خویش را انوار افزوده — بود این مولود را الله نگهبان
چو تاریخ ولادت باز جستم — بہم ستر خرمی از لطف یزدان
بروز شنبه از ماه صفر هفت — قران ماه و مهر و مشتری دان (6)
بگوشم تعمیه از غیب گفته — با احمد بخش یکدل لطف یزدان

١٢١٢ھ

---

(1) مولوی احمد بخش یکدل چشتی کے تفصیلی حالات پر راقم الحروف نے فارسی زبان میں ایک مفصل مقالہ تحریر کیا ہے۔ جس کا بیشتر حصہ دانشگاہ مشہد (ایران) کے علمی جریدے "مجلہ دانشکدہ ادبیات و علوم انسانی" کے شمارہ اول سال سیزدہم بہار ٢٥٣٦ شاہنشاہی میں "احوال و آثار فخر الشعراء یکدل چشتی" کے عنوان سے شائع ہو چکا ہے۔ (2) نیز ملاحظہ ہو "ظفر نامہ رنجیت سنگھ" مصنفہ امرناتھ اکبری، لاہور 1928ء ص ۱۰۶۔ (3) مولوی یکدل: بیاض یکدل شمارہ 13۔ ص 115۔
(4) ایضاً شمارہ 2۔ ص 81۔ "در نوگرہ یاقوت خان، محلہ آغا خانیان، گذر شیخ اسحاق کہ درآن محلہ پدرم شیرہ و شیرہ ولادت و بالیدگی یافتہ است و نیز کدخدا و آن خانہ ہستم"۔
(6) "قران ماہ و مہر و مشتری" کے بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولوی محمد ابراہیم چشتی علاوہ دیگر علوم کے علم نجوم میں بھی دسترس رکھتے تھے۔

مولوی نور احمد چشتی کے ایک بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ مولوی احمد بخش یکدل کی ولادت کے وقت ان کے والد مولوی غلام حسین چشتی لاہور میں ہی تھے اور حضرت فخرالدین فخر عالم چشتی کی بیعت کے لئے حضرت جہان آباد (دہلی) گئے ہوئے تھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"روز آنکہ ذات مبارک آپ کی شریف متعبد اور متشرع تھی لہٰذا شوق الٰہی نے وہ جذبہ دکھایا کہ بے دل و جان تجسس پیر روشن ضمیر میں مشغول ہوئے۔ اسی اثنا میں یہاں والدم مولوی احمد بخش صاحب المتخلص بہ یکدل پیدا ہوئے۔"(1)

یہ بیان اشتباہ سے خالی نہیں۔ حضرت فخرالدین نظامی چشتی 1199ھ میں فوت ہوئے، اس اعتبار سے مولوی غلام حسین چشتی کا دہلی جانا اور حضرت کے ہاتھ پر بیعت کرنا 1199ء سے پہلے کا واقعہ ہے۔ جیسے خود مولوی نور احمد نے بیان کیا، حضرت فخر عالم (فخرالدین) نے مولوی صاحب کا نام غلام علی سے بدل کر غلام حسین رکھا اور مولوی محمد ابراہیم چشتی متوفی 1195ھ کے ایک خط میں مولوی غلام حسین ہی لکھا ہے جس سے ثابت ہوا کہ بیعت کا واقعہ 1195ھ سے بھی پہلے کا ہے۔ اس مدت سے 1212ھ تک سترہ سال سے زیادہ کا زمانہ ہوتا ہے، اس قدر طویل مدت تک ان کا وہاں میں قیام کسی ماخذ سے ثابت نہیں۔ مولوی غلام حسین چشتی جیسا کہ پہلے بیان ہوا میرزا ہی خان حاکم کابل کے ایما پر عرصہ دراز تک کابل میں رہے۔ یکدل نے قیام کابل سے متعلق ان کی یادداشتوں سے تحفۂ یکدل میں استفادہ کیا ہے(2)۔ ممکن ہے یکدل کی پیدائش کے وقت ان کے والد کابل میں ہوں، یہ بات یقینی ہے کہ 1217ھ / 1218ھ کے نزدیک مولوی غلام حسین کابل میں تھے کیونکہ یہ سال مولوی احمد بخش یکدل کے مکتب میں داخلے کا ہے(3)۔ مولوی صاحب نے اس واقعہ کے سالوں اپنے والد کی گھر سے غیر حاضری کو یوں بیان کیا ہے:

"وچون سرشتہ مرا از عم گردانند، از عہد صبا کہ مادرم در ہجر پدرم کہ روانۂ پشاور بود و با میرزا ہی خان ناظم کابل در کابل و فضل احمد پیرزادہ نقشبندی پیر ابدالیان(4) صحبت داشتہ و چیزی آوردہ، مادرم بمکتب میاں فضل اللہ از قوم خوجہ فرستادی و او در خانہ جیوان داس کلال و لبنا سنگھ نشستی۔ جو گلاب سنگھ کہ وردہ و دھرم سنگھ و جیت سنگھ و نہال سنگھ و گلاب سنگھ وغیرہ ہم خواندندی، من غریب ترین مردم و نیز مسلمان بودم

---

(1) مولوی نور احمد چشتی: تحقیقات چشتی، لاہور 1964، ص 15۔ (2) مولوی احمد بخش یکدل: تحفۂ یکدل، نسخہ مصنف ص 7۔ "عبدالستار چشتی پیش پدرم در کابل بیان کرد" وغیرہ۔

(3) مولوی نور احمد چشتی نے لکھا ہے کہ مولوی یکدل عمر کے چھٹے سال میں داخل مکتب ہوئے۔ (تحقیقات ص 75)

(4) بیان فضل احمد سرہندی آنست کہ احمد سرہندی کابلی است۔ و امام ربانی مجدد الف ثانی۔ پس مشائخ کابل را استقلال سلطنت از سرہند بچنگ افتد"۔ (یکدل: تحفۂ یکدل ص ۶۰)۔

اما میاں فضل اللہ مرحوم بحرمت جدم حرمت کردی و قرآن شریف بر قرآن غلام محمد نور غلام علی پیش دوست محمد خوانده شد۔ مادرم بمحنت و مشقت بسیار روپیه را قرآن شریف از امام بخش حافظ (1) پیش مولوی لطف اللہ خط پیش عبدالہادی گرفته داد و آن تا حال موجود است۔ مرا چیزی می آمد و چیزی نمی آمد۔ سخت لاچار از ذہن نارسا بودم و مادرم برای من دعا کردی و سر برہنہ نمودی" (1)

مولوی احمد بخش یکدل نے اپنے ننھیالی شجرے کی جو تفصیلات بیاضوں میں دی ہیں، ان کی رو سے یہ شجرہ یوں مرتب ہوتا ہے:

مولوی محمد رضا
|
مولوی عصمت اللہ
|
مولوی عصام الدین (2)

حاجی امام الدین — عظمت النساء (زوجہ مولوی غلام حسین چشتی)

حاجی امام الدین کی اولاد: محمد مکی — حاجی احمد

عظمت النساء کی اولاد: بیگم بی بی — حبیب اللہ — قادر بخش — رکھی — مولوی احمد بخش یکدل
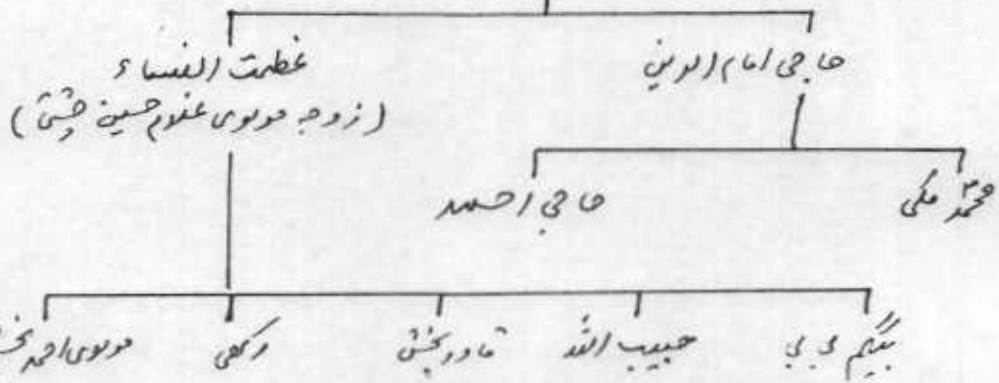
یکدل کی والدہ عظمت النساء اور ان کی نانی رحمت النساء بنت جیوا، یکدل سے پیار کرتی تھیں، دونوں خواتین نہایت نیک اور دیندار تھیں۔ یکدل نے لکھا ہے:

"مادر مادر من قرآن خوان و مادر من صابرہ و محنت کشیدہ و سخیہ و کریمہ و رحیمہ و غاشیہ بودہ است. و بر من عاشقہ بود۔ مرا پرورش داد۔ من اورا در آسیا سائی شریک هم شدم. مرا چون مرض آمدی جاروب بجوی سر از دیوانگی دادی۔" (3)

مولوی یکدل کے بیانات ظاہر کرتے ہیں کہ ان کے والد کی وفات کے بعد ان کے گھر پر

---

(1) مولوی احمد بخش یکدل چشتی: بیاض یکدل شمارہ 13۔

(2) مولوی عصام الدین نے زندگی کا بڑا حصہ نادری لشکر میں بسر کیا تھا۔ نادر شاہ بادشاہ کے بارے میں ان کی بیان کردہ روایات تحفۂ یکدل میں درج ہیں۔ مولوی عصام الدین کا سال وفات معلوم نہیں، ممکن ہے یکدل نے انھیں دیکھا اور ان سے براہ راست استفادہ کیا ہو۔

(3) مولوی یکدل چشتی: بیاض یکدل شمارہ 13۔

عسرت اور تنگدستی کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے۔ اس عسرت کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ مولوی یکدل کی شخصیت میں رعنائی اور احساس ذمہ داری نے جگہ لے لی۔ چنانچہ وہ سترہ برس کی عمر میں ہی یعنی ۱۲۲۹ھ کے قریب فارغ التحصیل ہو کر اپنے والد کی جگہ درس و تدریس کی ذمہ داریاں پوری کرنے لگے۔

مولوی یکدل نے لکھا ہے کہ سترہ برس کی عمر میں ہی ان کی والدہ نے مولوی محمد بخش صحاف بن رحمت اللہ بن حافظ محمد بن رزق اللہ کی بیٹی فضل النساء سے ان کی شادی کر دی۔ اس وقت تک مولوی غلام حسین چشتی کابل سے واپس نہیں لوٹے تھے۔ مدرسے کی قلیل آمدن کے مقابلے میں گھر کے اخراجات اور پوری ذمہ داریاں یکدل کے لئے بہت بڑا امتحان تھیں۔ ان سے عہدہ برآ ہونے کیلئے انہوں نے انتھک محنت کی۔

مولوی صاحب درس و تدریس کے علاوہ اپنے خسر مولوی محمد بخش صحاف کے کارخانۂ صحافت (جلد سازی، کتابت وغیرہ) میں ترجمہ، نقل نویسی اور کتابت کا کام انجام دیتے رہے۔ اس محنت کو یاد کرتے ہوئے مولوی صاحب لکھتے ہیں، مولوی محمد بخش کے علم میں ہے کہ میں کس قدر تیزی کے ساتھ کتابیں لکھتا تھا۔ 1818ء میں رنجیت سنگھ نے ملتان فتح کیا۔ یہ اس کی زندگی کا مشکل ترین اور اہم ترین کارنامہ تھا۔ اسی سال منکیرہ کے وکیل سکندر خان خاکوانی مہاراجہ سے ملنے لاہور آئے۔ وہ مولوی ضیاء الحق چشتی کے شاگرد تھے، انہوں نے یہاں اپنے استاد اور ان کے خاندان کا پتہ دریافت کیا تو انہیں مولوی احمد بخش یکدل سے ملوا دیا گیا۔ سکندر خان خاکوانی باعث ہوئے کہ مولوی یکدل کی باریابی والیٔ پنجاب مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دربار میں ہوئی۔ ان کے علم و ادب کی قدر افزائی کی گئی، مہاراجہ اس خاندان سے نا آشنا نہیں تھا اور نہ ہی وزراء اور کارپردازانِ سلطنت بے اطلاع تھے، مہاراجہ کو فتح ملتان کی خبر اپنی حلیف اور دوست حکومت یعنی انگریزوں تک پہنچانی تھی۔ خط لکھنے کا کام مولوی یکدل کے سپرد ہوا۔ مولوی صاحب نے خط لکھا جسے اس عہد میں انشاء پردازی کا بہترین نمونہ سمجھا گیا۔ مہاراجہ کی توجہ ہوئی اور یکدل کی عسرت اور تنگدستی خوشحالی میں بدل گئی۔ اس واقعہ کی تفصیل مولوی احمد بخش یکدل کی بیاضوں کے علاوہ، تحقیقاتِ چشتی مصنفہ مولوی نور احمد چشتی اور خاص طور پر ظفرنامہ رنجیت سنگھ مصنفہ امرناتھ اکبری میں موجود ہے (1)

1818ء سے پہلے تنگدستی، کام کی زیادتی اور مالی مشکلات نے اس قدر دباؤ ڈالا کہ مولوی یکدل ہوش و حواس کھو بیٹھے۔ اس کی تفصیل ان کی شاعری پر بحث کے دوران اگلے باب میں آئے گی۔

---

(1) مولوی نور احمد چشتی: تحقیقاتِ چشتی، لاہور 1964ء ص 23۔ امرناتھ اکبری: ظفرنامہ رنجیت سنگھ، لاہور 1928ء ص 123۔

امرناتھ اکبری نے لکھا ہے مولوی بگدل کو قطعے کے صلے میں مہاراجہ نے انعام واکرام اور خلعت و جاگیر عطا کی۔ مولوی نور احمد چشتی نے اس جاگیر کی تفصیل درج ذیل لکھی ہیں:

"اس وقت دیگر چار موضع بطور لاوے اور ایک سرپیچ پور اور ایک تلوار ڈھال اور ایک ترکی گھوڑی اور ایک ہمقام موضع ججک پورہ جو سردہ یا ٹے ڈیک ہے اور ایک ہوشیار پور اور ایک جالندھر میں عطا کیا۔ اس کے ماسوا اس کے ایک باغ موضع سانوہ میں ملا کہ جس کی زمین چالیس بیگہ ہے معہ بہشت وارا اور کل آمدنی جو سو روپیہ سالیانہ مقرر کر دی۔" (1)

یہ واقعہ 1818ء یا 1819ء میں ہوگا۔ یہ جاگیر 1849ء تک قابل استفادہ رہی۔ چونکہ خاندان کا کوئی فرد کاشتکار نہیں تھا لہٰذا 1849ء تک کل آمدنی میں کم رہ گئی تھی۔ 1849ء کی یادداشت میں بگدل نے لاہور کی آمدنی کے بارہ میں لکھا ہے: "از جاگیر ان رحمۃ مرد) مرا توجیہ کردند۔" اس سال چار سانڈنیاں، چار ترکی گھوڑیاں، چار تلوارڈھال، چار سرپیچ پورہ اور ججک پورہ یا جک ہنوار کی کل آمدنی ایک سو اٹھارہ روپے تھی۔ (2)

1824ء میں مولوی بگدل کی والدہ عظمت النساء بیگم فوت ہو گئیں۔ مولوی صاحب نے تاریخ وفات موزوں کی:

مادرم رفت و غمم در گرفت — خاتمہ را فاتحہ از سر گرفت

فکر چون اندر پئے آنہا شدہ — رضوان اللہ علیہا شدہ

۱۲۴۰ھ

1828ء میں دیوان دینا ناتھ کے بیٹے امرناتھ (3) شاگرد ہوئے اور دیوان موصوف نے پانچ سو روپے ماہانہ مقرر کیے۔ امرناتھ کے علاوہ اس کے چچا کیدار ناتھ کے دو بیٹے سیران ناتھ اور میران ناتھ بھی بعد میں مولوی بگدل کی شاگردی میں آ گئے۔ لیکن مولوی صاحب ان کے باپ کے گستاخانہ رویے سے خوش نہیں تھے۔ اور صاف لکھا ہے کہ "و باز کیدار و بامن بدی ہا کرد" دیوان دینا ناتھ کے بیٹے امرناتھ نے استاد کا احترام کیا اور مولوی صاحب نے اسے علم و دانش کا

---

(1) مولوی نور احمد چشتی: تحقیقات چشتی، لاہور، 1964ء ص 23

(2) مولوی احمد بخش بگدل چشتی: بیاض بگدل شمارہ 16 ص 38۔

(3) بعد ازیں دیوان امرناتھ اکبری مصنف ظفر نامہ رنجیت سنگھ۔

آفتاب بنا دیا۔ اس کے علمی اور ادبی کارنامے جن کی وجہ سے نمایاں ہیں، آئندہ ابواب میں زیر بحث آئیں گے۔

۱۲۵۰ھ/1836ء میں مولوی احمد بخش یکدل کی اہلیہ فضل النساء نے وفات پائی۔ فضل النساء کے بطن سے اس وقت تک مولوی صاحب کے ہاں سات بچے پیدا ہو چکے تھے اور آٹھواں بچہ پیٹ میں تھا کہ موصوفہ کا انتقال ہو گیا۔ مولوی صاحب کو ان کی وفات سے بے حد صدمہ پہنچا۔ مرحومہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"نیک بخت و پاک دامن و فرماں بردار من و مادر اولاد من بود" (۱)

۱۲۵۰ھ/1836ء میں ہی مولوی یکدل مزارات خواجگان چشت کی زیارت کی غرض سے شاہجہان آباد گئے۔ اور آٹھ مہینے وہاں قیام کیا:

"در مکتوب خودم بتکرار تعلم آمد کہ در ۱۲۵۰ھ بشاہجہان آباد پیوستم و ہشت ماہ در آنجا بودم"۔ (۲)

اس سفر میں جن مزارات کی زیارت کی اس کی تفصیل کہیں نہیں ملتی ہے۔ قیام دہلی کے دوران مغل فرمانروا بہادر شاہ ظفر نے اپنے دربار میں باریابی دی۔ مولوی یکدل نے بادشاہ کو جب بتایا کہ حضرت فخر الدین فخر عالم چشتی میرے والد بزرگوار کے پیر تھے اور میرے دادا پیر بھی ہیں تو بادشاہ بہت خوش ہوئے کیونکہ وہ بھی حضرت فخر عالم سے دلی ارادت رکھتے تھے۔ بادشاہ نے یکدل کو حضرت فخر عالم کی تاریخ وفات نکالنے کی فرمائش کی، تاریخ نکل گئی۔ بہادر شاہ ظفر، مولوی یکدل کی شاعرانہ دسترس اور علمی عظمت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اپنی خلوت نشینی کا شرف بخشا۔ دونوں دیر تک تصوف اور صوفیاء اہل اللہ کے حالات و مقامات پر تبادلہ خیال کرتے تھے۔ حضرت فخر عالم کی تاریخ کی مناسبت سے مولوی یکدل کو شاہی دربار سے فخر الشعراء کا خطاب، خلعت سیزدہ پارچہ اور دو رقم جواہر عطا ہوئے۔ اس سفر میں ان کے فرزند اکبر مولوی نور احمد چشتی بھی ان کے ہمراہ تھے، انہیں بھی بادشاہ کی جانب سے سات پارچے کا خلعت عطا ہوا۔ مولوی یکدل کی دہلی سے واپسی کے بعد بھی ان کے نام بہادر شاہ ظفر کے فرمان اور پیغام آتے رہے اور یکدل بھی بادشاہ کی خدمت میں خطوط ارسال کرتے رہے۔ (۳)

---

(۱) مولوی احمد بخش یکدل چشتی: بیاض یکدل شمارہ 12۔

(۲) اوراق منتشرہ گلستان سعدی بخط یکدل۔ مکتوبہ ۱۲۷۹ھ/۱۸۶۳ء مخزونہ نیشنل میوزیم کراچی۔ راقم الحروف کے پاس اس کتاب کی مکمل فوٹو سٹیٹ موجود ہے۔

(۳) بہادر شاہ ظفر کے نام لکھا ہوا مولوی یکدل کا ایک خط جس پر ۱۲۵۸ھ درج ہے راقم الحروف کے کتب خانہ میں ہے۔ کسی اہم کام کی انجام دہی کے لئے بادشاہ سے اجازت اور ماموریت طلب کی ہے۔

دہلی سے واپسی پر ۲۷۔ شعبان ۱۲۵۱ھ مطابق ۱۹۔ دسمبر 1835ء کو مولوی احمد بخش یکدل نے دوسری شادی کی۔ اس کے بعد پے در پے شادیاں کیں۔ ۲۸۔ رمضان ۱۲۷۹ھ تک مولوی یکدل کے رشتۂ ازدواج میں پانچ بیویاں آ چکی تھیں۔ جیسا کہ اس دن کے روزنامچے میں لکھتے ہیں:

"امروز کہ ۲۸۔ رمضان المبارک ۱۲۷۹ھ روز پنجشنبہ ۹۔ ماہ چیت سمت ۱۹۲۰ (۱۹۔ مارچ 1863ء) می گزرد۔ سبحان اللہ طبع درگرفت است۔۔۔ تا در ۱۲۵۰ھ آن حیث نشین کشادہ پیشانی (۱) روانۂ ملک تقدس گردید و بازدوم یک سال و چار ماہ و باز سوم یک سال و یک ماہ و باز چہارم پانزدہ سال و باز پنجم زن را امروز ہشتم سال است" (2)

ان پانچوں خواتین کے بارے میں مزید تفصیلات حسب ذیل ہیں:

۱۔ فضل النساء بیگم۔ مولوی یکدل کی پہلی بیوی۔ مولوی محمد بخش جلدی کی بیٹی تھیں۔ ۱۲۳۰ھ میں مولوی یکدل کے رشتۂ ازدواج میں آئیں۔ دوشنبہ ۳۔ شوال ۱۲۵۰ھ مطابق ۲۲۔ ؟ کے دن فوت ہوئیں اور قبرستان گنج شہیدان متصل شاہ ابوالمعالی میں سپرد خاک کی گئیں۔ ان سے پانچ لڑکے اور تین لڑکیاں پیدا ہوئیں۔

2۔ عظمت النساء:۔ الہ بخش فراطی کی بیٹی تھیں۔ ۲۷۔ شعبان ۱۲۵۱ھ کو یکدل کے عقد میں آئیں اور ۴۔ شوال ۱۲۵۳ کو بدھ کے دن فوت ہو گئیں۔ قبرستان میانی میں مدفون ہیں (3) ان کے بطن سے ایک بیٹا پیدا ہوا۔

3۔ مولوی یکدل کی یادداشتیں ان کے بارے میں مبہم ہیں۔ بیاض یکدل شمارہ 5 کے حاشیے پر مولوی یکدل کے پوتے مولوی حامد علی چشتی نے لکھا ہے "جدۂ سوم خاکسار، لعل بی بی بنت حافظ نظام الدین انصاری سادہ کار بود۔ او لعسر محمد عظیم و او لعسر حافظ عصمت اللہ بود"۔ لیکن مولوی یکدل کے بیان کے مطابق اس خاتون سے اولاد

---

(۱) مراد ہے فضل النساء بیگم۔ (2) مولوی یکدل: اوراق منسلکہ گلستان سعدی بخط یکدل

(3) بعد میں ان کی قبر میانی سے گورستان چشتیاں واقع سلطان پورہ روڈ، میں منتقل کر دی گئی تھی۔ (بحوالہ مولوی مسعود علی چشتی)

[illegible]

۲۵ ذوالحجہ ۱۲۵۳ھ کو نکاح کیا اور وہ ۲۶ صفر ۱۲۵۵ھ کو فوت ہو کر شاہ ابو المعالی
کے قبرستان میں سپردِ خاک کی گئیں۔ (۱) ان کے بطن سے ایک لڑکی پیدا ہوئی
جس کا بچپن میں ہی انتقال ہو گیا۔

۴۔ مجھّو بی بی: ان کے بارے میں بیکل نے ۱۲۶۵ھ میں لکھا ہے کہ وہ زندہ ہیں۔
اور ان کی شادی کو دو سال ہو چکے ہیں (2)۔ اس اعتبار سے مولوی بیکل سے ان
کا نکاح ۱۲۶۳ھ میں ہوا۔ مولوی حامد علی کی بیاضوں میں ان کی وفات
کی تاریخ چہار ذیقعدہ ۱۲۷۱ھ درج ہے۔ ان سے ایک بیٹا بیکل پیدا ہوا۔

۵۔ مہران: - بیکل نے ان کا نام نہیں لکھا۔ ۱۲۷۹ھ کی یادداشتوں میں صرف اس
قدر ملتا ہے کہ ان کو بیکلوں کے رشتۂ ازدواج میں آئے آٹھ سال ہو گئے ہیں (3) گویا
ان کی مولوی بیکل سے شادی ۱۲۷۱ یا ۱۲۷۲ھ میں ہوئی۔ مولوی حامد علی فرحتی
نے اپنی بیاض میں لکھا ہے کہ ان کا نام مہران ہے (ممکن ہے مہر النساء ہو) اور
وہ ۱۱۔ شوال ۱۲۹۰ھ مطابق 2۔ دسمبر 1873ء کو ایک سال تک دق کے مرض
میں مبتلا رہنے کے بعد فوت ہو گئیں۔ ان کے بطن سے ایک لڑکا اور دو لڑکیاں
تھیں۔ گویا مولوی بیکل کی بیویوں میں صرف یہی خاتون تھیں جو شوہر کی وفات
کے بعد تک زندہ رہیں۔

ان بیویوں سے خدا تعالیٰ نے جو اولاد مولوی احمد بخش بیکل کو دی اس کی تفصیل یہ ہے:
پہلی بیوی فضل النساء کے بطن سے:-

۱۔ فاطمہ بی بی: - بچپن میں ہی وفات پا گئیں۔

2۔ عطاء الحق: بچپن میں ہی فوت ہو گیا۔ نانا نے اس بچے کا نام چراغ الدین رکھا تھا۔

3۔ عطا حسین: چھوٹی عمر میں ہی فوت ہو گیا

۴۔ فضل بخش: بہت تھوڑی مدت زندہ رہا۔

۵۔ امۃ الزہرا: - جمادی الاول ۱۲۵۶ھ کو پیدا ہوئیں تو بتا گیارہ ماہ زندہ رہ
کر ۱۸ ربیع الاول ۱۲۵۷ھ کو فوت ہو گئیں۔ (۴)

۶۔ غلام محی الدین: چھوٹی عمر میں ہی فوت ہو گیا۔

---

(۱) مولوی احمد بخش بیکل: بیاض بیکل شمارہ 7۔

(2) ایضاً شمارہ 13۔ (3) اوراق متفرقہ مجلد کر راقم الحروف بخط بیکل۔

(۴) مولوی بیکل: بیاض بیکل شمارہ 2۔ ص 14۔

۷۔ احمد البتول :۔ ۲۔ رجب ۱۲۴۰ھ (۱۲۴۹ھ) بروز سہ شنبہ پیدا ہوئیں۔ ۱۵۔ رجب مطابق مگھر سمت ۱۸۹۰، مطابق 28۔ نومبر 1833ء کو حضرت علی اللہ بن حضرت خیر الدین کے خاندان کے ایک فرد حضرت امام الدین بن حضرت نظام الدین سے ہوئی۔ بیس سال تک زندہ رہ کر یہ خاتون ۱۲۶۰ھ مطابق 1844ء میں فوت ہوگئیں۔ حضرت امام الدین کی وفات 11۔ دسمبر 1892ء کو ہوئی۔ (1)

8۔ نور احمد چشتی :۔ متولد : ۷۔ ذی الحجہ ۱۲۴۴ھ مطابق ۱۰۔ جون 1829ء۔
وفات : ۱۰۔ ربیع الثانی ۱۲۸۴ھ مطابق ۱۱۔ اگست 1867ء
سوانحی تفصیلات "خاندان چشتی کے اہم مصنفین" کے زیر عنوان اگلے باب میں درج کی جائیں گی

دوسری بیوی عظمت النساء کے بطن سے :۔

9۔ مولوی محمد علی :۔ شوال ۱۲۵۲ مطابق جنوری 1837ء کو پیدا ہوئے۔ اور 17۔ مارچ 1891ء مطابق ۷۔ شعبان ۱۳۰۸ھ منگل کے دن انتقال کیا۔ سوانحی اور ادبی کوائف کی تفصیل اگلے باب میں آئے گی۔

10۔ زینب النساء :۔ عرف بی بی۔ ۱۹۔ شعبان ۱۲۶۶ھ مطابق 30 جون 1850ء کو پیدا ہوئیں۔ ان کی شادی مولوی سراج الدین صحاف بن مولوی عنایت اللہ بن مولوی محمد بخش صحاف سے ہوئی۔ ان کے بطن سے مولوی فخر الدین صدیقی پیدا ہوئے۔ زینب النساء تقریباً پچاس سال عمر پاکر 23۔ دسمبر 1898ء کو فوت ہوئیں۔ (2)

11۔ اقبال النساء :۔ ان کے بارے میں اس سے زیادہ معلومات مہیا ہیں کہ 17۔ ستمبر 1868ء کو ان کی شادی مولوی امیر بخش صحاف بن خیر الدین بن مولوی محمد بخش صحاف سے ہوئی تھی۔ ان کے بطن سے دو لڑکیاں پیدا ہوئیں : ایک کا نام نجم النساء تھا اور دوسری کا نام مخدوم فاطمہ تھا جو مولوی عبد الرحمن (اول) چشتی بن مولوی حامد علی چشتی بن مولوی محمد علی چشتی بن مولوی احمد بخش یکدل چشتی کی اہلیہ تھیں۔ (3)

---

(1) مولوی حامد علی چشتی : روزنامچہ حامد علی چشتی : مملوکہ پروفیسر قرۃ العین چشتی، لاہور
(2) ایضاً (3) ایضاً

تیسری بیوی لعل بی بی کے بطن سے :-

12۔ دختر :- نام معلوم نہ ہو سکا۔ مولوی بگوی نے اپنی اس بیٹی کے بارے میں ایک جگہ لکھا ہے "بعد از انفصال شیر دایہ رخصت شد"۔

چوتھی بیوی بختاور بی بی کے بطن سے :-

13۔ محمود علی :- بچپن میں فوت ہو گئے؟ - ان کی ولادت پر مولوی بگوی کے شاگرد رشید دیوان اوناتھ اکبری نے مندرجہ ذیل قطعہ تہنیت کہا تھا:

چون با احمد بشیری داد وہاب یزداں
طبع بشگفت ازین مژدہ چون گل در گلشن
سال میلاد بگفت از سر احمد احمد
شد ز محمود علی لحمک لحمی روشن (۱)

پانچویں بیوی مہران (مہر النساء) کے بطن سے :-

14۔ مولوی محرم علی :- ولادت : ۶۔ محرم ۱۲۸۰ھ مطابق ۲۳۔ جون 1863ء
وفات : 8۔ دسمبر 1934ء علی الصبح۔
سوانحی کوائف اور ادبی کارناموں کی تفصیل اگلے باب میں درج ہوگی۔

15۔ نور النساء :- مولوی احمد بخش بگوی کی سب سے آخری اولاد۔ تاریخ ولادت معلوم نہ ہو سکی۔ اکتوبر 1869ء میں ان کی شادی امیر الدین بن نظام الدین سے ہوئی۔ تا دیر زندہ رہیں لیکن اولاد کے بارے میں حتمی خاندان کے تمام تحریری و تقریری ذرائع خاموش ہیں۔

مولوی احمد بخش بگوی اپنے عہد کے ممتاز ترین فضلاء میں شمار ہوتے تھے۔ ان کے معاصرین کی تحریریں ان کے فضائل علمی کے تذکروں سے بھری ہوئی ہیں۔ مہاراجے، امراء، رؤسا اور عوام سبھی ان کے علم و فضل اور دانش و حکمت کا اعتراف کرتے تھے۔

مولوی بگوی گوناگوں شخصیت کے مالک تھے۔ ان کے سوانحی کوائف کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ دین اور دنیا دونوں کو یکساں طور پر اہمیت دیتے تھے۔ سکھوں کے عہد میں جبکہ پنجاب فسق و فجور کا مرکز بنا ہوا تھا جن چند مردان حق نے لاہور میں دین کی شمع کو روشن رکھا اور تہذیب اسلامی اور تعلیمات قرآنی کے فروغ میں کوشاں رہے ان میں مولوی احمد بخش بگوی کا نام نمایاں نظر آتا ہے۔ انہوں نے غیر مسلموں کو تعلیم دے کر اگر ایک طرف مسلمانوں کو

---

(۱) مولوی احمد بخش بگوی مرحوم: بیاض بگوی شمارہ 12۔

سیاسی اور معاشرتی تحفظ دیا تو دوسری طرف غیر مسلموں کے دلوں میں توحید و رسالت اور
وحی و قرآن کا نقش بٹھا دیا۔ آپ کے ہندو شاگردوں کی تحریریں قرآنی آیات، احادیث اور
اسلامی اصطلاحوں سے پُر ہیں۔ لیکن ان باتوں کے باوجود ان کے ہاں عاشقانہ جذبات و خیالات
اور دنیاداری سے گہرا تعلق اور تعلق کی نمایاں ہے اور کبھی کبھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ اپنے
گرد و پیش کے فاسد معاشرے سے پوری طور پر اپنا دامن نہیں بچا سکے۔ البتہ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ مولوی نکیول کے
ہاں کوئی ایسی لغزش یا غلطی نظر نہیں آتی جس سے اُن میں اور ان کے معاشرے میں کوئی فرق
نہ رکھو۔ انھیں اپنی خاندانی شرافت اور اپنے علمی وقار کا ہمیشہ خیال رہتا تھا۔ اور وہ ہمیشہ اس
حوالے سے سنجیدہ رہا کرتے تھے۔

مولوی نکیول بے حد نفیس طبیعت کے مالک تھے۔ سادہ لیکن نہایت صاف ستھرا لباس پہنتے تھے۔[1]
بیاضوں میں اکثر لکھا ہے "گلہائے خوشبو را دوست دارم"۔ خوش خوراک تھے انھوں نے اپنی بیاضوں
میں اپنے گھر پر پکنے والی متعدد غذاؤں کا ذکر کیا ہے۔ ان میں انواع و اقسام کے کھانے اور
فروٹ کی کثرت ہوتی تھی۔ وہ تنگدستی کے زمانے میں بھی وضع رکھا کر مہمان نوازی کا حق ادا
کر دیتے تھے۔

"شب گلگلہ کے دور روغن کردہ شد۔ و ہمہ شب در سرود ماندند و در بیاع عشرت و خوب رقص
(ازدم) مناسب آتش آراستہ شد۔ مغفل آتش را متغیر شد۔ و زن کے شب نیکو سرود کردند"۔[2]

وہ بے حد اقربا پرور اور خدا ترس تھے۔ اقربا پروری کے بارے میں انھوں نے لکھا ہے:

"بندہ احمد بخش خیتہ را نصیحت است کہ اگر دست رسد، با اقربا خوبی باید رسانید،
چرا کہ در محروم پسر خود ہم باید نشست۔" (3)

خدا ترسی کا جہاں تک تعلق تھا اس کا مثال اس سے ظاہر ہے کہ جب توہم آگئے ہو ایک صبح میں مولوی نکیول
عبادت کرتے تھے۔ یہ 1833ء کا ذکر ہے اور یہ وہ زمانہ تھا جب کہ مقبول نکیول:

---

(1) "وقت مغرب بود، من خانہ خداوند از خانہ روانہ شدم۔ نزدیک صبح توپ مستقر رسیدم، آنجا باران شد
ہمین طور کلاہ بر سر و تہ بند و دوپٹہ در داشتم۔۔۔ جہاں اقبال لونگی داد، بستہ نمودم و بالا گرفتم"
(مولوی نکیول: بیاض نکیول شمارہ 2۔ ص 15) (2) بیاض نکیول: شمارہ 2 ص 22۔
(3) ایضاً ص 24۔

"در این روزہا سخت عسرت دامنگیر حال شدہ و دیگر عضو آبی شدہ بہ بستر مبدل گردد۔ یک آثار آرد در خانہ نیست و اگر از کسی طلب نمودہ میشود، [illegible] یکی چشم پوشی می نماید۔"[1]

"چون از باعث ادای قرض فدوی بسیار مجبور بود و محض گزران بمشاہرہ شش روپیہ می کند و بیشتی از ہمسایہ وغیرہ گرفتہ ادای قرض نمودہ یک خرمہرہ پیش خود نداشت۔" (2)

اس کے باوجود مولوی تکیدار نے اس مسجد کی امامت ایک بزرگ قاضی محمد بخش رسول نگری (3) کے سپرد کر دی محض اس لئے کہ "کثیر الاحتیاج است"۔

مولوی تکیدار نو گھرا یا قوت خان والے مکان کو چھوڑ کر محلہ قاضی صدر الدین میں آ گئے تھے۔[4] اس گھر کا محل وقوع حسب ذیل تھا:

"دیوار بخانۂ فقیر خانہ واقع دار السلطنت لاہور، محلہ قاضی صدر الدین مرحوم، حویلی آدینہ بیگ گذر جائے سواران کنگ زئی، متصل کوچہ قدوۃ العلماء حضرت محمد شہر یار مغفور لاہوری کہ متصل مسجد چینی مبنیہ حضرت بہادر شاہ عالمگیر بادشاہ، فیل خانہ شہنواز خان، تکیہ سادھوا کشمیرہ حاجی امان اللہ، حویلچہ حقیقی باقر۔" (5)

1833ء کے روزنامچے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سال انھیں فشار خون یعنی بلڈ پریشر کا عارضہ لاحق تھا۔ عمر کے ساتھ ساتھ آلام کی کثرت اور دنیاوی پریشانیوں کے سبب امراض میں اضافہ ہوتا گیا۔ 1866ء کے اواخر میں مولوی تکیدار پر فالج کا حملہ ہوا جس میں وہ ایک سال تک مبتلا رہے۔ چنانچہ 11۔ اگست 1867ء کو جب ان کے چھوٹے بیٹے مولوی نور احمد چشتی کی رحلت ہوئی تو وہ مفلوج تھے۔ مولوی حامد علی چشتی لکھتے ہیں:

"جناب جدم بیمار و مفلوج و بیہوش بودند، اوشان را در حافہ سوار، ہمراہ جنازہ بردند اوشان از صدمۂ عظیم خود خبر نداشتند۔" (6)

مولوی حامد علی چشتی نے اپنے دادا مولوی تکیدار کو اچھی طرح دیکھا تھا۔ وہ آپ کی لفظی تصویر کھینچتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

"باوجود ضعیفی بحر جناب ممدوح، رنگ مبارک سرخ و شکم کلاں و دست و انگشتہا کلاں، آواز بلند و کشیدہ ہمچو شیر بود۔ یک سال کامل در فالج مبتلا ماندند۔" (7)

---

(1) مولوی احمد بخش چشتی تکیدار: بیاض تکیدار شمارہ 2۔ ص 32۔ (2) ایضاً ص 3۔

(3) قاضی محمد بخش رسول نگری 17۔ جولائی 1893ء کو فوت ہوئے۔ (روزنامچہ مولوی حامد علی چشتی) قاضی مقصود آخر عمر میں مسجد چینی کے امام تھے۔ (4) محلہ نو گھرا والا مکان مولوی تکیدار نے فروخت کروا کر کرایہ پر دے دیا تھا اور اس میں گھسیٹا نقیب رہتا تھا۔ (5) مولوی تکیدار: بیاض تکیدار شمارہ 12۔

(6) مولوی حامد علی چشتی: بیاض حامد یا روزنامچہ حامد علی چشتی، مملوکہ پروفیسر [illegible] چشتی [illegible]

(7) ایضاً۔

جوان بیٹے کے جنازے میں شرکت نے مولوی احمد بخش یکدل کے ایامِ حیات کو اور مختصر کر دیا۔ وہ اس سانحۂ عظیم کی تاب نہ لا سکے جاں بحق ہو گئے۔ ۲۔ نومبر 1867ء (۱۲۸۴ھ) کو انیسویں صدی ~~[illegible]~~ میں علم و ادب، دانش و حکمت اور تاریخ نویسی کا یہ آفتاب ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا، لیکن بقول یکدل:

نوشتیم بر در و دیوارِ خانہ — بجا ندارز غمِ یکدل نشانہ

اگر پرسند این یکدل کجا رفت؟ — بگو، بگریخت از دستِ زمانہ (۱)

مولوی حامد علی چشتی نے لکھا ہے کہ مولوی صاحب موصوف کو سینکڑوں سوگوار اخلاف، شاگردوں اور عقیدت مندوں کے ہجوم میں تکیہ گورے شاہ۔ نولکھا لاہور کے قبرستان میں سپردِ خاک کیا گیا[2]۔ مفتی غلام سرور لاہوری نے گنجِ تاریخ میں مندرجہ ذیل قطعہ تاریخ درج کیا ہے[3]:

شد بہ بزمِ محمدی آخر — ~~[illegible]~~ احمد آن بندۂ صداقت نقش

سالِ تاریخ رحلتش سرور — گفت دیدارِ حق با احمد بخش

۱۲۸۴ھ

مولوی احمد بخش یکدل کو لاہور کے چشتی خاندان کا معنوی جدِ اعلیٰ کہنا بے جا نہ ہوگا۔ اس لئے کہ اس خاندان کا تمام علمی و ادبی کام انہی کی اولاد سے وابستہ ہے (2)۔ اپنے خاندان کی علمی ناموس اور ادبی شخصیت کی تعمیر کے لئے انہوں نے نہ صرف اپنی زندگی وقف کر دی بلکہ اس روایت کو ایسا حیاتِ جاودانی عطا کی کہ آج تک اس کے اثرات اس خاندان کے افراد میں موجود ہیں۔ مولوی احمد بخش یکدل کے علمی کارناموں اور اردو ادب میں ان کی خدمات پر آئندہ باب میں بحث ہوگی۔

---

(۱) مولوی احمد بخش یکدل: دیوانِ یکدل (اردو) مخطوطہ مملوکہ راقم الحروف۔

(2) مولوی حامد علی چشتی: روزنامچہ مولوی حامد علی، مملوکہ میر منیر فراق العین چشتی، لاہور

(3) مفتی غلام سرور لاہوری: گنجِ تاریخ، ~~[illegible]~~ لکھنؤ، نولکشور، 1877ء۔ ص 216۔

(4) چشتی خاندان کا مفصل شجرۂ نسب جو اس خاندان کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تحریروں کی مدد سے مرتب کیا گیا ہے، اس باب کے ساتھ منسلک ہے۔

لاہور کے چشتی خاندان کا شجرۂ نسب

- مولوی محمد عاقل چشتی اورنگ آبادی
  - مولوی نظام الدین چشتی (عرف پیر مُہکا)
    - مولوی ضیاء الحق چشتی
      - مولوی محمد ابراہیم چشتی
        - عائشہ بی بی (زوجہ معززادہ محمد شاہ)
          - امام بخش
            - محمد بخش
              - علم الدین
              - چراغ الدین
              - شہاب الدین
            - بیگم
            - بھاگن
        - مولوی غلام حسین چشتی
          - حبیب اللہ
          - قادر بخش
          - بیگم بی بی
          - رتی
          - مولوی احمد بخش یکدل چشتی
      - لڑکی (زوجہ مرزا ہدایت اللہ)
    - مولوی بہاء الحق چشتی
  - مولوی عنایت اللہ چشتی

(ج)

(بقیہ لاہور کے چشتی خاندان کا شجرہ نسب)

- مولوی حامد علی چشتی
  - مولوی عبدالحمید چشتی
    - پانچ دختر
    - عبدالقادر
      - عبدالحی
      - عبدالقدوس
    - عبدالباسط
      - جاوید باسط
  - مولوی عبدالمجید چشتی
    - عبدالماجد
    - عبدالرشید
    - عبدالواحد
    - قرۃ العین چشتی
    - امۃ اللہ (سلمیٰ)
    - امۃ اللطیف
  - محمودہ بیگم اکبری
    - عبدالرشید
      - دختر
      - دو لڑکیاں
    - لطیف
    - حکیم
    - حفیظ
    - وحید
    - روشن آراء
  - مسعودہ بیگم اصغری
    - سروری بیگم
    - ڈاکٹر محمد اجمل
      - محمد اکمل
      - محمد اظفر
      - محمد آشر
      - محمد ارحم

باب چہارم — چشتی خاندان کے اہم مصنفین

۱۔ مولوی ضیاء الحق چشتی

مولوی ضیاء الحق چشتی بن مولوی عنایت اللہ چشتی اجودھنی بن مولوی محمد عاشق اورنگ آبادی، متوفی ۱۱۶۰ھ کے سوانحی کوائف پچھلے باب میں بیان ہو چکے ہیں۔ مولوی احمد بخش یکدل کے بیانات کے مطابق مولوی ضیاء الحق چشتی نے لاہور میں نواب عبدالصمد خان اور نواب زکریا خان کا زمانہ پایا۔ مولوی صاحب موصوف نے نواب عبدالصمد کی تاریخ وفات مندرجہ ذیل مصرعے میں تعمیہ موزوں کی:

"صمد مانند، عبدالصمد خان خاند" (1)

مولوی نور احمد چشتی نے لکھا ہے کہ نواب خان بہادر، ناظم لاہور نے اسے اپنے صاحبزادوں میں سے یحییٰ خان کا اتالیق مقرر کیا تھا۔(2) نواب خان بہادر سے مراد یقیناً نواب زکریا خان ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ مولوی ضیاء الحق چشتی اپنے زمانے کے جانے پہچانے علماء میں سے تھے۔ نواب زکریا خان خود صاحب علم آدمی تھا۔ نادر شاہ نے شالامار باغ میں قیام کے دوران جب نواب موصوف سے شالامار کے معنی دریافت کیے تو اس نے برجستہ کہا "نرگس چشمان ہند شالامار باغ گویند و لفظ ترکی است و فرحت گاہ فارسی"۔ (تحفۂ یکدل) نواب زکریا خان کی علم دوستی اور درویش پروری کے واقعات پیر کمال لاہوری نے مثنوی تحائف قدسیہ میں بھی درج کیے ہیں۔ (3) مولوی ضیاء الحق چشتی کو اس ماحول میں جو رتبہ اور احترام ملا وہ حقہ بہ حقدار رسید کے مترادف تھا۔

مولوی نور احمد چشتی نے لکھا ہے کہ "مولوی ضیاء الحق خلف مولوی عنایت اللہ صاحب مرحوم، نادر شاہ کے ارشاد حضور ہو کر ہند میں تشریف لائے"۔ (4)

اگر نادر سے مراد نادر شاہ ہے تو یہ بیان محل نظر ہے۔ مولوی صاحب موصوف جیسا کہ ملا چشتی یکدل کے مندرجہ بالا بیان سے ظاہر ہے، مولوی ضیاء الحق چشتی حملہ نادری 1738ء سے پہلے لاہور میں موجود تھے اور دوسرے یہ کہ حملہ نادری کے وقت مولوی ضیاء الحق نے اس حملے کی جو تاریخ منظوم کی ہے وہ نادر شاہ کے ارشاد کی نہیں اس کے کسی مخالف کی ہی ہو سکتی ہے۔ مولوی یکدل نے یہ تاریخ تحفۂ یکدل میں درج کی ہے جو درج ذیل ہے:

"قدوۃ الکاملین مولوی ضیاء الدین والحق چشتی جد راقم الحروف آن در حالی بر زبان آورد:

نادر آمد بہ ہند در یکدم — کرد بر خلق جور و ظلم و ستم

مولوی احمد بخش یکدل چشتی: تحفۂ یکدل (نسخۂ مصنف) مملوکہ راقم الحروف۔ ص 33 - (2) مولوی نور احمد چشتی: تحقیقات چشتی ص 8 - (3) تحائف قدسیہ تصنیف ۱۱۶۹ھ مملوکہ راقم الحروف (4) تحقیقات چشتی: ص 7 -

سالِ تاریخ او دو تا آمد   غم عام است و غیر چند قدم (1)

امرناتھ اکبری نے آدینہ بیگ لاہوری، محمد امین بٹالوی سیالکوٹی، میر مومن خان، میر نعمت خان بخاری اور دیوان مورث سنگھ لاہوری کو مولوی ضیاء الحق کا ہم عصر اور ہم صحبت قرار دیا ہے۔(2) ان میں سے ہر شخص علم و دانش میں یگانۂ روزگار تھا۔

مولوی ضیاء الحق چشتی صاحبِ تصنیف و تالیف تھے۔ ان کی تصنیف "ضیائی" کو اس خاندان کے علمی کارناموں میں خاص شہرت حاصل ہے۔

"ضیائی" کا نسخہ مولوی یکدل کے زمانے تک ان کے خاندان کے پاس موجود تھا۔ چنانچہ 1849ء میں جب مولوی یکدل نے اپنے کتب خانے کی فہرست تیار کی تو اس میں یہ کتاب "رسالہ مصنف اجداد بندہ" کے زیرِ عنوان موجود ہے۔ میں نے چشتی خاندان پر تحقیقی کام کے دوران اس کتاب کی تلاش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ مولوی یکدل کے ذاتی کتب خانے کا غالب حصہ مولوی حامد علی چشتی کے گھر میں تھا۔ اس کے علاوہ کچھ کتب بیں اور شہر کے مولوی مسعود علی چشتی نے اپنے ہاں محفوظ کی ہوئی تھیں۔ میں نے دونوں کتب خانوں میں اس کتاب کو بہ دقت تلاش کیا لیکن اس کا کوئی نسخہ دستیاب نہیں ہوا۔

مولوی حامد علی چشتی کی وفات کے بعد مولوی یکدل کا کتب خانہ کئی لوگوں میں بٹ کر منتشر ہو گیا تھا۔ معلوم نہیں اس کتاب پر کیا مصیبت نازل ہوئی۔ شاید کسی وقت اس کتاب کا کوئی سراغ مل جائے اور اس خاندان کے ایک اہم تصنیفی کام کو منظرِ عام پر لایا جا سکے۔(3)

2۔ مولوی محمد ابراہیم چشتی المتخلص بہ خوشدل

مولوی محمد ابراہیم چشتی متوفی ۱۲۰۲ھ / 88-1787ء۔ مولوی ضیاء الحق چشتی کے صاحبزادے تھے۔ ان کا عہدِ حیات لاہور میں سیف الدولہ نواب زکریا خان بہادر دلیر جنگ کے دورِ نظامت سے لے کر لاہور پر بھنگی سرداروں کے قبضے تک ہے۔ اس تمام عرصے میں وہ قدر و منزلت کے اعلیٰ مراتب پر فائز رہے۔ مولوی احمد بخش یکدل نے لکھا ہے کہ مولوی محمد ابراہیم چشتی نواب زکریا خان کے استاد تھے۔(4) جو محلِ نظر ہے۔ ان کی بجائے اگر وہ مولوی ضیاء الحق چشتی کا نام

---

(1) مولوی احمد بخش یکدل: تحفۂ یکدل ف 52۔ (بخطِ یکدل)

(2) دیوان امرناتھ اکبری: ظفر نامہ رنجیت سنگھ، لاہور 1928ء ص 106۔ اکبری نے "صمد خاں، عبدالصمد خاں نمانند" والے مصرعے کو مولوی ضیاء الحق کے بجائے زاہد خان ایدالی کی ملکیت قرار دیا ہے۔ (3) "ضیائی" فارسی زبان میں لکھی ہوئی کتاب ہے۔

(4) مولوی یکدل: تحفۂ یکدل (بخطِ مصنف) ف 31۔

لیا جاتا تو ڈیرہ میں مقیاس تھا۔ مولوی محمد ابراہیم حنیفؒ علم و فضل کے ساتھ ساتھ فارسی اور اردو میں شعر کہتے تھے۔ انہوں نے نواب زکریا خان صوبہ دار کی تاریخ وفات لفظ تعمیہ موزوں کی تھی:

حیف صد حیف کہ شہر لاہور — زیر و بالا شد و اخگر معدوم
رونق از عرصۂ پنجاب برفت — گریہ ها کرد کلان و معصوم
گشت امروز بہارا ویران — صد شرف داشت بہا نور بروم
دامن لطف جناب ناظم — امن ها داد ز ہر چغد و بوم
روز سہ شنبہ جمادی الثانی — خاک بنگر بہ پرہ گردش منظوم
سال او از سر رنجبر گفتہ — ع لفظ "خان بہادر مرحوم" (۱)

مولوی محمد ابراہیم حنیفؒ اپنے زمانے کے سیاسی اور معاشرتی احوال سے گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ چنانچہ جب فلک کفایت خان نے نواب زکریا خان سے نمک حرامی کرتے ہوئے اس کے خلاف نادر شاہ سے سازباز شروع کی اور نادر شاہ نے نواب موصوف کے سامنے خود اس راز کو فاش کر دیا تو اہل لاہور کے دلوں میں کفایت خان کے خلاف نفرت پیدا ہو گئی۔ مولوی محمد ابراہیم حنیفؒ نے اس واقعہ کی تاریخ منظوم کی جو درج ذیل ہے۔ (2)

کشمیری بد خواہ خلائق خلل اندیش — آن موذی مطلق کہ بہ تشویش بی افسردہ
از بسکہ شدہ معنی نا خوب پسندش — ہر فرد ہم از قول ہم از فعل بسیار زرد
آخر چو بپا داشتن عقاد بہ شرارت — از دست فلک مشلق بیزاری جان خورد
یعنی کہ بہ بزم درین مصحف ناگی نواب — جاندار بہ بد مشواری و صد گونہ جفا برد
این واقعہ شد وای [illegible] واقف کارش — یکبوع تقارت چو لعین دلم آورد
تاریخ وقوعش پی خود ساز اصحاب — جستم ز خرد، گفت بہ بیں کیدی خرمرد

مولوی یکدل کا کہنا ہے کہ جب نادر شاہ لاہور میں خیمہ زن تھا تو نواب زکریا خان کی طرف سے مولوی محمد ابراہیم حنیفؒ کو جرأت نادری اور سلام کے منشاء اور کرنے کا اہتمام کیا اس موقع پر مولوی صاحب نے شہنشاہ ایران نادر شاہ کی خدمت میں ایک قطعہ پیش کیا۔ بادشاہ نے خوش ہو کر خلعت فاخرہ، اسپ ایرانی بازین طلائی اور

---

(۱) مولوی احمد بخش یکدل حنیفؒ: تحفۂ یکدل (نسخۂ مصنف) مملوکہ راقم الحروف - ص
(2) الفیۃ: ص 43۔ (3) ان لفظ [illegible] کی کتابت واضح نہیں۔ شادابی اور شادانی دونوں صورتوں میں پڑھا جاتا ہے۔

"حسانِ عجم" کا خطاب دیا۔ مولوی بگدل کے الفاظ ہیں:

"درزمانی کہ نادر شاہ در شاہ لاہور بود و نواب صاحب، مولوی صاحب را حکم مجرا دادند۔ لاجرم
این قطعہ را ذریعہ ملازمت نمودہ چارہ تہی دستی شمردند۔ نظم:

ایا اہلِ ذوق خذو من لسانی	کلاماً لطیفاً کدرٍّ ثمینا
کہ ہوی شاہِ ایران شہنشاہِ گیتی	ملیکاً قدیراً لفیراً معینا
کمربست در حفظ عالم چو گردون	برب شدید القوی مستعینا
شدش والی ما چو شاہان کشورگیر	مطیعاً سمیعاً رہینا مہینا
بتاریخ این سال گردیدہ ناطق	سیاقِ فتحنا لک فتحاً مبیناً

و بعد نادر شاہ خلعت یازدہ پارچہ و دیگر اسپ ایرانی با زین طلا سرفراز
نمودہ "حسانِ عجم" فرمودند۔" (۱)

مولوی محمد ابراہیم چشتی فارسی کے علاوہ اردو زبان کے بھی بہت اچھے شاعر تھے۔ ان
کا کلام پنجاب میں اردو کا ایک نادر نمونہ ہے۔ حافظ محمود شیرانی نے اپنی یادگار
تصنیف "پنجاب میں اردو" میں آپ کی ایک اردو نظم دی تھی۔ مولوی محمد ابراہیم
چشتی خوشدل تخلص کرتے تھے۔ آپ کی مذکورہ نظم پنجاب میں جو مقبول رہی ہے جو کہ
درج ذیل ہے:

چرخہ نامہ

1. عشق کے غم میں ہوں محزوں — آہ دنیا سب مکر و فسوں
   چرخہ تو چاہے تا در کوں — اس عالم میں ہو بیدروں
   کدھر کی بڑھیا کدھر کا توں
   چل مرے چرخے چوں چوں چوں

2. اے رنگیں دل دیوانہ ہو — عالم میں بیگانہ ہو
   دل جیسے پروانہ ہو — وہ ہیگا بے شبہ و نمو
   کدھر کی بڑھیا کدھر کا توں
   چل مرے چرخے چوں چوں چوں

---

(۱) مولوی احمد بخش بگدل چشتی: تحفہ بگدل (مخطوطہ مصنف) ص: 43

۳۔ نابود سمجھ آہ ہستی ہے — بنیاد فراز مثل پستی ہے
دولت خواب کی مستی ہے — مت کر اتنا سود و تخمین

کدھو کی بڑھیا کدھو کا توں
چل رے چرخے چرخ چوں

۴۔ تن چرخہ بڑھیا سانس تار — مل گیا اس کا کیسر تار
چھوڑ پیارے ایسی یار — میرے دوار کاتے توں

کدھو کی بڑھیا کدھو کا توں
چل رے چرخے چرخ چوں

۵۔ آہ جیو میرا چھپا دیوانہ — دنیا سے تو بہت بھٹانا
بھول گیا تو سے اونا جانا — اب کیا اس کا فکر کروں

کدھو کی بڑھیا کدھو کا توں
چل رے چرخے چرخ چوں

۶۔ کدھو گئے گوہر اور بہرام — کدھو گئے حیا اور دام
کدھو گئے جمشید اور خام — کدھو گئے گنج اور قارون

کدھو کی بڑھیا کدھو کا توں
چل رے چرخے چرخ چوں

۷۔ کدھو گئے حضرت یعقوب — کدھو گئے یوسف محبوب
کدھو گئے طالب مطلوب — کدھو گئے لیلیٰ مجنوں

کدھو کی بڑھیا کدھو کا توں
چل رے چرخے چرخ چوں

۸۔ او بے خبر (از) ارض و سما — جان (کہ) مرغ اسیر فنا
لوگ ابرت، نام خدا — آخر عدم سے دنیا دوں

کدھو کی بڑھیا کدھو کا توں
چل رے چرخے چرخ چوں

۹۔ کہاں سکندر سے سلطان — دارا کہاں رفیع الشان
سیہ چنگ کوئی فانی جان — چھوڑ، نہ کر مکر و فسوں

کدھو کی بڑھیا کدھو کا توں
چل رے چرخے چرخ چوں

بٹ گئے ہیں۔ مثال کے طور پر بند نمبر 3، ۵، ۱۱، ۱۶ اور ۱۷۔ ان اشعار کو ذرا سی توجہ
سے درست کیا جا سکتا ہے لیکن تحقیق کی زبان میں اسے تحریف سمجھا جائے گا جو مناسب نہیں۔
حافظ محمود شیرانی نے اس نظم پر اظہار رائے کرتے ہوئے اسے استعاراتی یا علامتی
نظم کا قرار دیا ہے۔ حافظ صاحب کے بقول اس نظم میں "دنیا کو بڑھیا اور جسم انسانی
کو چرخہ تصور کیا گیا ہے"۔ (۱) راقم الحروف نے بھی مولوی مسعود علی چشتی کی زبان سے
اس نظم کے کچھ اشعار سنے تھے لیکن ان کے پاس اس کا کوئی نسخہ نہیں تھا۔ جس سے
اس نظم کی صحت کا اطمینان کیا جا سکتا۔

اس نظم سے متصوفانہ افکار کے علاوہ اس دور کا معاشرتی شعور اور سیاسی احساس
بھی جھلکتا ہے۔ مثال کے طور پر چودھویں بند میں "مکر معیشت گھر کی خواری" والا
مصرعہ انگریزوں کے عہد کے ربع آخر میں پنجاب کی معاشرتی صورت حال کا آئینہ دار
ہے۔ خود اس نظم کا صوفیانہ لہجہ اور تسلیم و رضا کے مضامین اس دور کے سیاسی
ماحول کا رد عمل ہیں۔

3۔ مولوی غلام حسین چشتی متخلص بہ حسین

مولوی غلام حسین چشتی، مولوی محمد ابراہیم خوشدل چشتی کے فرزند تھے۔
درس و تدریس کے علاوہ ہمہ تن یاد حق میں مصروف اور اپنے نام کی نسبت سے حضرت
امام حسین علیہ السلام کے تصور میں فنا فی الحسین تھے۔ حضرت فخر الدین فخر عالم
چشتی سے بیعت تھے۔ پیر روشن ضمیر نے عشق حسین کی آگ جو اُن کے اپنے دل میں تھی اُس
طالب صادق کے دل میں بھی روشن کر دی۔ اور انہیں غلام علی سے غلام حسین بنا دیا۔ زندگی
کا بیشتر حصہ سیر و سیاحت میں بسر کر کے مشاہدے کو وسعت دی۔ اہل باطن کے فیض صحبت
سے باطنی مدارج حاصل کیے۔ مولوی نور احمد چشتی لکھتے ہیں کہ مولوی غلام حسین سات برس تک
اپنے مرشد حضرت فخر عالم کی خدمت میں رہے اور بارہ سال اجمیر شریف میں "باوا کے چلہ
دوازدہ سالہ مصروف بعبادت حق رہے"۔ (2)۔ فنا فی الحسین کی کیفیت بیان کرتے ہوئے
مولوی نور احمد چشتی نے لکھا ہے:

چونکہ بیعت اُن کی کا ماہ محرم اور جلسہ عزاداری حسین تھا۔ آپ جب تک زندہ
رہے تو آپ کا یہی حال رہا کہ اگر نام تک حضرت امام حسین کا سنے غلام حسین سن

---

(۱) حافظ محمود شیرانی: پنجاب میں اردو، مرتبہ ڈاکٹر وحید قریشی، لاہور 1972، ص 320 تا 324

لیتے تو دو دو گھنٹے تک آپ کو حالتِ وجد رہتی۔"(۱) اس حبِ حسینؓ کا ایک نتیجہ
یہ ہوا کہ مولوی غلام حسین چشتی کے خاندان میں مرثیہ و سلام رکھنے کی روایت آ گئی۔ مولوی
نکیدل اور مولوی نور احمد چشتی کے کچھ مطبوعہ اردو مرثیے متفرق یادداشتوں میں موجود
ہیں، جن کا تذکرہ اپنے اپنے مقام پر ہوگا۔

مولوی غلام حسین چشتی خود بھی شعر کہتے تھے، اکثر پنجابی میں اور کبھی کبھی اردو
میں۔ اس زمانے میں رواج تھا کہ شاگرد رشتہ داروں کو عید ملنے جاتے تھے اور
نقدہ جنس بطور ہدیہ نذر کرتے تھے۔ رشتہ داروں میں ان کو رنگ برنگ کاغذوں
پر لکھ کر عید کی مبارک باد کے اشعار دیتے تھے۔ ہندو اور غیر مسلم طالب علموں
کو ان کے تہواروں پر یہ مبارکباد نامے دیے جاتے اور ہر ایک وصول کیا جاتا تھا۔
مولوی غلام حسین چشتی کی لکھی ہوئی عیدیاں اور ہولی نامے نکیدل کی بیاضوں
میں موجود ہیں۔ مولوی غلام حسین چشتی نے اپنے اشعار خود جمع نہیں کیے۔ جس طرح [illegible]
[illegible] صاحب تحقیقات چشتی نے لکھا ہے وہ آخری عمر میں بالخصوص علائق [illegible] دنیوی
سے قطع تعلق رہے۔ مولوی صاحب کے اشعار ان کے شاگردوں، دوستوں اور ہم عصر
وابستہ مندوں کی زبان پر تھے۔ ان کی وفات کے بعد انھوں نے خود آ کر ان کے بیٹے مولوی
نکیدل کو یادداشت کروائے اور نکیدل نے انھیں بیاضوں اور روزنامچوں میں محفوظ کر کے
حیاتِ جاوداں بخش دی۔ ذیل میں ان کا اردو کلام درج کیا جاتا ہے:

عیدی کے مولفہ جناب [illegible] مولوی غلام حسین چشتی قدس سرہ
زبانی جیسیمہ حمار (۲)

دیوالی کی اٹھکھیلیاں کیا کہوں　　جھمک اور جھوک جھو شاں کیا کہوں
چراغوں کی جگمگ ستاروں کی ضو　　عجب سج ہے اور دیکھے بہار کیا کہوں

کیفیت کہ جناب بابا قدس سرہ نے کہا ہے شب باقی ماندہ میخواندند
امروز زبانی ماسٹر غلام حسن خیاط شنیدم: (۳)
میں مَن چاہ بناہ کرو میرے کام سنوار دیو پل میں
جب آن کینے تب مان رکھو تیرے نام کی مالا پڑی گل میں

---

(۱) مولوی نور احمد چشتی، تحقیقاتِ چشتی، لاہور ۱۹۶۴ء ص ۱۷۔ "اس اعتقاد کی بنیاد سے بعضے جاہلوں نے آپ کو شیعہ کہا کرتے تھے۔" (۲) مولوی احمد بخش نکیدل: بیاض نکیدل شمارہ: ۱۶۔ ص: ۱۲۷
(۳) الفیا شمارہ: ۱۳۔ ص: ۱۹۳۔ یہ کتب مولوی غلام حسین چشتی کے حوالے سے مولوی مسعود علی چشتی
کے پاس جمع رہتا آیا تھا۔

محبت جیسی گر حُب گھٹیے جیا جنت جیسی جل میں محل میں
ابوطالب کے تم فرزند بہادر مرے کام سنوار دیو بل میں

اس کبت کا موضوع مناقب حضرت علی علیہ السلام ہے۔ مولوی صاحب کو خانوادہ رسولؐ سے جو عشق تھا، اس کے الفاظ سے ظاہر ہے۔

۱۔ فخر الشعراء مولوی احمد بخش چشتی المتخلص بہ یکدل

پچھلے باب میں مولوی احمد بخش یکدل چشتی کے سوانح پر مفصل بحث کی جا چکی ہے۔ اس موقع پر محض ان کے ادبی کارنامے زیر بحث آ سکیں گے اور انہیں مولوی صاحب کی شخصیت کے پس منظر میں ہی جانچا کیا جا سکے گا۔

مولوی صاحب نے لکھا ہے ان کی ولادت کی تاریخ ان کے والد ماجد مولوی محمد ابراہیم چشتی نے "با احمد بخش یکدل لطف یزداں" کے مصرعے سے موزوں کی تھی۔ جب یہ تاریخ انہوں نے اپنے دوست میر معصوم شاہ کو سنائی تو انہوں نے کہا کہ بچے کا نام احمد بخش اور تخلص یکدل ہوگا:

"میر معصوم شاہ کہ نام ایشاں امیر بخش بود، نام بندہ ہم بخش خیال کردند و فرمودند کہ مراد از این تاریخ معلوم شد کہ او فقیر و شاعر و ناثر باشد۔ پس تخلص ہم از جانب بندہ یکدل برشد۔" (۱)

یہ محض توارد تھا کہ امیر بخش سے احمد بخش اور مولوی محمد ابراہیم چشتی کے تخلص خوشدل کی مناسبت سے یکدل دونوں نام ایک مصرعے میں جمع ہو گئے۔ مولوی یکدل بچپن ہی سے خود مختار اور خود ساختہ انسان تھے۔ والد کی گھر سے مسلسل غیر حاضری اور ماں کی تعلیم کی طرف رغبت اور تعمیر اخلاق میں جانفشانی نے یکدل کی شخصیت کو جلا بخشی۔ مولوی یکدل سے پہلے ان کے چھ بہن بھائی پیدا ہوئے، سب فوت ہو گئے۔ "بعد بیگم بی بی و حبیب اللہ و قادر بخش و دیگر خواہران و برادران من شدند، اما ہیچ کس نماند، الا ہذا من۔" (۲) اس اعتبار سے یکدل ایام طفولیت ہی سے تنہائی کا شکار رہے۔ اس تنہائی، باپ کی سرپرستی سے محرومی اور گھریلو ذمہ داریوں نے زندگی میں ایک ایسی مشکلات سے بنیادی حق حاصل کیا جو فرد نے ان کے مستقبل کی تعیین میں حصہ لیا۔

---

(۱) مولوی احمد بخش یکدل چشتی: بیاض یکدل شمارہ 13۔ ص 115۔

(۲) ایضاً شمارہ 13۔

اس محنت شاقہ اور شوق تحصیل نے مولوی یکدل کو اس قابل بنا دیا کہ وہ سترہ برس کی عمر میں عشرت تصنیف اور سترہ سال کی عمر میں باپ اور دادا کی مسند درس پر متمکن ہو گئے۔ چنانچہ "عشرت" کی تصنیف کے بارے میں مولوی صاحب نے لکھا ہے:

"در دیباچۂ خود وی در باب لاہور کہ وطن من است بجناب باری مناجات کردہ بودم:

گل یکدل و آن دارہ مہ و سال — نگہدارش از اکرام و افضال

و آن کتاب "عشرت نامہ" کتابی عجائب است و من عاجزم و گفتہ بودم کہ:

بجنبش ہای خامہ تمام کردم — عشرت نامہ این را نام کردم

و این کتاب در عمر پانزدہ سالگی تصنیف کردہ بودم و آن ہشت جزو است" (۱)

عشرت نامہ فارسی زبان میں منظوم کتاب ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پندرہ سال کی عمر تک یکدل فارسی زبان میں قابل قدر شاعری کی قدرت پیدا کر چکے تھے۔

یکدل نے جس محنت اور ریاضت سے خود پڑھا تھا وہ محنت اور جانفشانی وہ اپنے شاگردوں میں دیکھنا چاہتے تھے۔ تدریس میں وہ سرزنش اور سخت گیری کو طالب علم کے لیے جزو ضروری سمجھتے تھے۔ ~~[illegible]~~ امرناتھ اکبری نے استاد کی سخت گیری کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

"در این سال (۱۸۲۸ء) من آہوی صحرای بی ادبی را بہ مکتب سپردہ بتعلیم ادیب سراپا ادب مقرر نمودہ۔ ہم کہ از رنا خود از جفاہای عام بمرتبۂ دانش و شفقت مولوی غلام حسین چشتی تربیت عام و علم فائز شدند۔ نظر بر وارستگی ہا متوجہ زیارت خواجہ معین الدین چشتی بہ اجمیر گشتند۔ مرا خلف رشیدش مجموعۂ فضائل و کمالات مخدومی و مطاعی مولوی احمد بخش چشتی برای اکتساب علوم موروثی و مکتبی تقیید نمودند۔ استاذم حفظ ما ہم تنگ نداشتی و پدرم نیز ہنگام الغیاث لغربای در آمدی۔ تخم ~~[illegible]~~ عداوت در دل ہمی کاشتم و بمکافات متعہد بودہ از زندان دبستان نجات آرزو می کردم۔ چون دانش رسمیم دامن گرفت و بامتیاز سپید و سیاہ فرحت اندوختم، حالیا استاذ را برحق شناختم و ہم اوقات بیاد داشتن آن رنج شکنجہا برای آن می اندیشم۔" (۲)

اس اقتباس میں مولوی یکدل کی دو خصوصیات نمایاں طور پر بیان کی گئی ہیں:

(۱) ادیب سراپا ادب

(۲) حفظ ما ہم تنگ نداشتی

---

(۱) مولوی احمد بخش یکدل چشتی: بیاض یکدل شمارہ ۱۱۔

(۲) دیوان امرناتھ اکبری: ظفرنامہ رنجیت سنگھ، لاہور 1928، ص 186۔

اور یہی وہ خوبیاں ایک اچھے استاد کی بنیادی جوہر ہیں۔ مولوی بگیدل کو معلمی وراثت میں ملی تھی۔
اس لئے بڑے سے بڑے منصب کو وہ معلمی کے سامنے کمتر سمجھتے تھے۔ اپنے شاگرد کے دماغ
سے "حفظ جاہ" والی بات تو وہ خود نکالنا چاہتے تھے اور اس میں وہ کس حد تک کامیاب رہے اس
کا اندازہ دیوان اور تذکرہ کبیری کی شخصیت اور علمی کارناموں کے مطالعے سے بخوبی
کیا جا سکتا ہے۔ "معلمی کے امتیاز" کی مناسبت سے اس واقعہ کا بیان بھی بے محل نہ ہوگا کہ
مولوی بگیدل کو مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اپنے دربار میں کوئی منصب دینا چاہا تھا۔ جس پر انھوں نے
مہاراجہ سے عرض کیا کہ میری ماں کا حکم ہے کہ " پیشہ آبائی تو معلمی ہے ترک نہ کرنا"۔
اس واقعہ کو بگیدل نے اپنی یادداشتوں میں کئی جگہ اشارۃً بیان کیا ہے۔ اس کے
علاوہ مولوی نور احمد چشتی نے بھی اس واقعہ کو مولوی احمد بخش بگیدل کے بیان میں نمایاں
جگہ دی ہے۔ (۱)

اس ذوقِ تعلیم و تعلّم نے ان کی تخلیقی اور تحقیقی صلاحیتوں کو جلا بخشی۔ 1818ء میں
جب ملتان کی فتح کے بارے میں خود لکھا تو ان کی انشا پردازی اور فضیلت علمی کا ہر طرف شہرہ ہونے لگا اور دربار میں
بلکہ پنجاب کے خواص و عوام کے دلوں میں ڈنکا بجنے لگا۔ عزت اور شہرت میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔
شاگردوں اور قدر دانوں کی تعداد بڑھتی گئی۔ ان کے صلبی بیٹے مولوی نور احمد قتیل اور ان کے دو [illegible]
فرزند دیوان اور تذکرہ کبیری کی شہرت اور شہرت کا وسیلہ منظر عام پر آگئے، جن میں بگیدل کی شخصیت
ہی ایک کمال ہمیشہ جھلک رہی تھی۔ اس لئے ان کی قلمرو شہرت و ثقافت کی سرحدیں وسیع سے وسیع تر
ہوتی گئیں۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۲۵۸ ہجری 1842ء میں جب مولوی بگیدل دہلی گئے تو وہاں سے ان کی
علمی شہرت وہاں پہنچ چکی تھی۔ بہادر شاہ ظفر نے دربار میں اسے "ادیب بے مثال باادب"
کو ستائش نہ [illegible] سلف کی روایت کے مطابق خوش آمدید کہا۔ خود بھی مولوی بگیدل
نے اس واقعہ کو یوں منظوم کیا ہے!

این قصہ بہ شہ بہادر — از بہر ملوک کیا بہادر —

---

(۱) سرکار نے حکم دیا کہ اے مولوی احمد بخش! آپ سرکار کی نوکری کریں۔ انھوں نے جب اپنی والدہ
ماجدہ سے پوچھا تو انھوں نے کہا کہ ہمارا موروثی پیشہ معلمی ہے، تم کو لازم ہے کہ تم اپنے
موروثی کام پر کمربستہ رہو۔ خدا تعالیٰ جل شانہ جو رزاق مطلق ہے، اس کام میں برکت
دے گا۔ جب مہاراجہ کی خدمت میں جناب والا نے عرض کی کہ میری والدہ ماجدہ نہیں فرماتیں
تو یہ سن کر مہاراجہ خوش ہوئے۔" مولوی نور احمد چشتی: تحقیقات چشتی، لاہور، 1964ء، ص 24۔

گفتند کہ آمد از لہانور | چشتی یکدل فقیر مشہور
او کرد ہمی ثنائے خویش | دادہ شرف از ولایتِ خویش
بہر خلعت خاص لطف آمود | از فیل و فرس عنایت افزود
بار دیگر من ز بحر جوشی | مانع شد از گلیم پوشی
چون دید کہ این فقیر ہندی ست | مشہور دیدہ و مائلی بہ زندی ست
آزاد و گریبان بہ دل نشستہ | از بند رسوم باز رستہ
بامی ز توجہات خود خواند | در خلوتِ خاص خویش بنشاند

اس سفر میں جیسا کہ پہلے اشارہ کیا گیا، مولوی یکدل کے ہمراہ ان کے بیٹے مولوی نور احمد چشتی بھی تھے۔ بار یابی پر دو بزرگوں کی شان اور کیا ہوگی کہ بادشاہ نے یکدل کے لئے "فیل" اور ان کے بیٹے کے لئے "فرس" کی سواری بھیجی۔ مولوی یکدل نے ذریعہ ملازمت کے طور پر ایک مرصّع نعت بادشاہ کی خدمت میں پیش کی جو اسی موقع کے لئے لکھی گئی تھی۔ یہ نعت "تحفۂ یکدل" میں بہ تمام و کمال محفوظ کر دی گئی ہے۔ اس نعت میں مولوی یکدل نے اپنی نادر الکلامی اور نادر البیانی کا بھرپور مظاہرہ کیا ہے۔ نعت کا ہر بند شاعر کے علم و فضل کا غماز ہے۔ پوری نعت ضمیمے میں موجود ہے۔ یہاں محض دو بند بطور تبرک درج کئے جاتے ہیں: (۱)

امام الانبیا و المرسلین آن ہادی رہبر | کہ از نقش وجود او لیسطر کاف و نون مسطر
بذات و با صفات از حق و ہر کائین مقرب تر | ز فرطِ اقتراب او ملک حیران فلک مضطر

دقیق فرقہ من رتبۂ من ذاہبۂ ضاع

نفیس النفس عالم کہ در تحقیق ز جانش | کمال صورت و معنی مرتب کردہ برہانش
لیصدر مرصد تبلیغ مالیوحی ز اقرانش | نیرزد ہیچکس را ادعاء منزل و شانش

لہا قیل ہذا شمس فضل ہم کواکبہا

اس موقع پر مولوی احمد بخش یکدل کو بہادر شاہ ظفر سے فخر الشعراء کا خطاب، خلعتِ سہ پارچہ اور دو رقم جواہر عطا ہوئے۔ بادشاہ نے خطاب کی مہر بدر الدین مہرکن سے کندہ کروا کر دی۔ اس کے علاوہ آپ کے صاحبزادے مولوی نور احمد چشتی کو بھی خلعت ہفت پارچہ عطا ہوا۔ (۲) خطاب کی عبارت جو مہر پر کندہ کی گئی،

---

(۱) مولوی احمد بخش یکدل چشتی: تحفۂ یکدل (بخطِ مصنف) مملوکہ راقم الحروف۔ ص 70۔
(۲) مولوی نور احمد چشتی: تحقیقاتِ چشتی، لاہور، 1964ء، ص 25۔

حسبِ ذیل ہے:

"فضیلت پناہ، بیدلی آگاہ، فخر الشعرا مولوی احمد بخش یکدل
فدوی محمد بہادر شاہ، بادشاہ غازی ۱۲۵۸ھ (۱)"

قیام دہلی اور قلعہ معلیٰ میں باریابی سے مولوی یکدل کو ایک فائدہ یہ ہوا کہ انہوں نے دہلی کے ادبی ماحول کا بغور مطالعہ کیا۔ اپنی بیاضوں میں انہوں نے اہلِ دہلی کی فصاحت کی بہت تعریف کی ہے۔ انہوں نے دربار سے منسلک اور دیگر نامور شعرائے دہلی سے ملاقاتیں کیں، اُن سے روابط پیدا کیے اور اُن کے کلام سے متاثر ہوئے۔ یہی سبب تھا کہ دہلی سے واپسی کے بعد انہوں نے اردو و نظم و نثر کی طرف خاص توجہ دی۔ ورنہ اس سے پہلے اُن کی اکثر تحریریں فارسی زبان میں ہی ملتی ہیں۔ دہلی کے ہم صحبت شعرا میں انہیں خاص طور پر استادِ شاہ محمد ابراہیم ذوق نے متاثر کیا۔ چنانچہ 16-نومبر 1854ء کو جب ذوق کی وفات ہوگئی تو مولوی یکدل نے فارسی میں قطعۂ تاریخ موزوں کیا جو "کوہ نور، لاہور" کے 2-جنوری 1855ء کے شمارے میں شائع ہوا۔ اس قطعے کے ساتھ فارسی زبان میں لکھا ہوا یکدل کا ایک خط بھی ہے جس میں انہوں نے منشی ہرسکھ رائے مہتمم اخبار کو لکھا تھا:

"از مطالعۂ نسخۂ اخبار کہ از نتائجِ طبعِ اقدس ہر صفحۃ الطباع می پذیرد، در بابِ ثبتِ تواریخِ وفاتِ میاں ذوق نمودہ، بیادِ صحبت ہای شاہجہان آباد بسیار تاسف کردہ۔"

اس کے علاوہ اشعار میں بھی ذوق کی دوستی کا ذکر موجود ہے۔ یہ قطعہ بہت طویل ہے آخری چار شعر درج کیے جاتے ہیں: (۲)

بگو اے یکدل احمد ز سالِ فوتِ آن شاعر — کہ بود در شاہجہان آباد صحبت در خیالِ او
بذوق و شوقِ احمد چونکہ مستغنی دوراں بود — از آن شد "ذوق و شوقِ احمد" از تاریخِ سالِ او (۱۲۷۱ھ)
دوبارہ موج زد بحرِ طبیعت در تکلف آمد — بگوشِ سامعین آویزہ بادا سالِ حالِ او
بیا شد امیرِ المومنین و فخرِ حق یکدل — بجنت رفت مومن آمدہ سالِ رحالِ او

۱۲۷۱ھ

مولوی احمد بخش یکدل کی بیٹی لطیف "عصمت نامہ" جیسے یکدل نے پندرہ برس

---

(۱) ایضاً۔ (۲) اس قطعے کا مطلع حسبِ ذیل ہے:

جہانِ فضل ابراہیم ذوق آن مومنِ متقی — کہ در فکرت نگنجد شرحِ اوصافِ کمالِ او

کی عمر یعنی ۱۲۲۷ھ / ۱۸۱۲ء میں نظم کیا۔ ۱۸۱۲ سے 1866 تک (جب بیدل پر
فالج کا حملہ ہوا) بلا ناغہ تصنیف و تالیف کا کام انجام دیتے رہے۔ اس لحاظ
سے بیدل کی علمی اور تصنیفی زندگی کا دور نصف صدی پر محیط ہے بلکہ
پچاس سال سے متجاوز ہے۔ اس عرصے سے متعلق بیدل کے علمی اور
ادبی کاموں کی جو فہرست دستیاب ہوئی، درج ذیل ہے:

(۱) حسرت نامہ: فارسی۔

مثنوی کی ہیئت میں۔ لاہور کی تعریف اور وہاں کی خوشحالی اور
آبادی کے ترک رشد تعالیٰ سے متاثر اس کتاب کا موضوع تھا۔
کتاب آٹھ اجزاء پر مشتمل تھی۔ راقم الحروف کے مطالعے میں نہیں
آئی۔ باوجود کوشش کے دستیاب نہیں ہو سکی۔ جیٹھی خاندان کے
کسی فرد کے پاس اس کتاب کا سراغ نہیں ملا۔

(۲) واسع باری: خالق باری کی طرز پر لکھی ہوئی لغات کی کتاب ہے۔ فارسی الفاظ
کے سندھی مترادفات دیے ہوئے ہیں۔ اس کی بحر بھی خالق باری
کی ہے۔ مولوی احمد شفیق بیدل کے شاگرد مشہود دست نارائن
سے لے تو کا کتابت کیا ہوا ایک مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے
ذخیرہ شیرانی میں محفوظ ہے۔ سائز 8 × 5.5۔ کاغذ
سیالکوٹی، خط شکستہ ناپختہ۔

(۳) دیباچہ دیوان سبحان اللہ حقیر: فارسی، (منثور بیدل)

مخزونہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، ذخیرہ شیرانی مخطوطہ نمبر 7422
سبحان اللہ حقیر کے دادا مولوی فتح محمد ایک مرد باخدا تھے۔
بیدل نے دیباچے میں ان کو مظہر حق، صاحب
بحث، متصوف اور تصوف میں پیش قدم لکھا ہے۔
بیدل نے لکھا ہے صاحب وجد و حال خاندان کے
فرد سبحان اللہ حقیر کے کلام کو اسی حالتوں کے زیرِ کشف اور سرگفتہ
حاصل ہے۔ "سید احمد شفیق جتوئی بیدل صاحب دیوان گوشہ بیکدلی دارد"
کا جملہ واضح کرتا ہے کہ حقیر بیدل کے دوستوں اور ہم مشورہ
شاعروں میں سے تھے۔

دیباچے کا مسودہ دیوان سے بالکل الگ ہے۔ دیباچے کی عبارت ختم ہونے
کے بعد بیدل نے اپنی کچھ اردو غزلیں نقل کی ہیں۔ یہ غزلیں

"بیاض اشعار" اور "دیوان اردو" (نامکمل) بھی یہیں موجود ہیں۔ دیباچہ دیوان سبحان اللہ حقیر کی کتابت کا سال ۱۲۵۸ھ ہے۔ خاتمے کی عبارت یوں ہے:

بہ ۲ شہر ربیع الاول ~~سنہ~~ ۱۲۵۸ سنہ ہجری قدسی
مطابق پنجم بیساکھ ۱۸۹۹ سمت در حضرت لاہور
حرسہا اللہ تعلی بیروا شہۃ مرقوم شد۔ فقط

تقطیع: 5×8 – کاغذ سیالکوٹی، بوسیدہ۔

۴۔ سوانح عمری مخدوم علی ہجویری (حضرت داتا گنج بخش) لاہور رحمۃ اللہ علیہ
فارسی – بخط بیدل، نامکمل۔

آغاز: "اما بعد فیقول العبد المفتقر الی رحمۃ اللہ تعالی احمد بخش چشتی الذی تخلص المشہور بیدل ابن غلام حسین بن محمد ابراہیم الچشتی الاجودھنی ثم اللاہوری۔"

اختتام: ناقص الآخر

تعداد اوراق: دس۔ کاغذ: سیالکوٹی درجہ دوم
تقطیع: 5.5×8۔
ملکیت: کتب خانہ شخصی راقم الحروف

۵۔ رسالہ چہار خانوادہ: فارسی، (بخط بیدل)
بپاس خاطر: فقیر کرم بخش نوشاہی

آغاز: "می گوید خاکروب درویشان فقیر احمد بخش متخلص بہ بیدل لاہوری در سنہ دوازدہ صد و چہل و چہار ہجری:"

اختتام: "ہرکہ اسمای این دوازدہ آئمہ و چہاردہ معصوم واصحاب کبار و پنجتن پاک رضی اللہ عنہم نداند او را کسوت درویشی و لقمہ درویشی و امامت کردن و داخل شدن در سلسلۂ محمدیہ روا نباشد۔"

"الحمد للہ این صحیفہ ۱۹۔ ماہ شعبان المعظم ۱۲۴۴ھ در حضرت لاہور مرقوم شد۔"

تقطیع: 5.5×8 – کاغذ سیالکوٹی، کرم خوردہ
ملکیت: کتب خانہ شخصی راقم الحروف۔

۶۔ بیاض کلام اردو :۔ اردو ۔ بخط یکدل

ٹوٹے، مطلّا، مجدّر ۔ کاغذ، انگریزی

اس بیاض میں مولوی احمد شفیع یکدل اور مولوی نور احمد چشتی کا ملا جلا کلام ہے ۔ مولوی یکدل کی صرف آٹھ غزلیں ہیں ۔ پہلی غزل کا مطلع ہے :

گل کے تعشق دید سے تیری پڑے لالے بلبل
تو پڑے گی کس صیاد کے پالے بلبل

جلد : چرمی ؛ کار چینی ۔ مخمل بھا اور اندر لیبا دری

تقطیع : 5x8 ۔

مکتوبہ : ۱۲۷۵ھ / 1858ء

مملوکہ : کتب خانہ شخصی راقم الحروف در لاہور

۷۔ دیوان غزلیات اردو : اردو ۔ بخط مولوی محمد علی چشتی فرزند یکدل

مکتوبہ : 1866ء ۔ در حیات مصنف ۔

تعداد غزلیات اردو : ۱۴

نظم ، بعنوان عمیر : ۱

مخمس سنیہ : ۱

متفرق رسائل اردو ۔

کاغذ : انگریزی ۔ آبی رنگ ۔

خط : ~~[illegible]~~ متوسط ۔ تقطیع ۔ 4x6

مملوکہ : کتب خانۂ شخصی راقم الحروف ۔ در لاہور

8۔ انشائے یکدل : فارسی ۔ بخط یکدل

آغاز : "از آنجا کہ تقدیم محمدت قدیمی مفتاح گنجینۂ مقال تواند بود کہ مانند انفاس حبیبیہ کہ بر سبیل تعاقب و دوام کاخ وجود انسانی خاکی بنیان میگیرد"

اختتام : ناقص الآخر

کاغذ : سیالکوٹی درجہ اول

سائز تقطیع : 5x8

مملوکہ : کتب خانۂ شخصی راقم الحروف در لاہور

۹۔ رسالۂ شمسیہ (بخط یکدل)

مکمل کتاب مفقود ہے۔ یہ کتاب فقیر سید شمس الدین کے ایما پر لکھی گئی۔ اس لیے ان کے نام کی رعایت سے مولوی احمد بخش یکدل نے اس کا نام رسالۂ شمسیہ رکھا۔ اس کا دیباچہ جو دو زبانوں میں لکھا ہوا ہے، ہمارے پاس ہے، فارسی میں اور اردو میں۔

فارسی دیباچہ وزیری سائز کے تین صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کا آغاز حمد و نعت کے مرصع اور مسجع جملوں کے بعد یوں ہوتا ہے:

"وما بعد فیقول العبد المفتقر الی رحمۃ اللہ تعالی احمد بخش الذی تخلص المشہور یکدل ابن ممنون حسین ابن محمد ابراہیم الحنفی الچشتی اللاونگ آبادی، اللہم نور قلبہ بنور معرفتک۔"

یہی دیباچہ اردو میں مختصراً لکھا ہوا ہے، جو صرف ایک صفحے پر ہے۔ کاغذ وہی ولایتی، سائز وہی یعنی وزیری۔ حمد و نعت کے بعد عبارت درج ذیل ہے:

"چونکہ دیباچہ اس کتاب کے لیے لفظ تلمیع یعنی تازی و دری ملمع پایا۔ اب بحکم حروف اشتہاب قلم کو اردو زبان میں مہمیز دیتا ہوں۔ کہ یہ کتاب اس واسطے قید تدوین میں آئی ہے کہ جو مکان زیارت گاہ سلطنت اسلامیہ میں ہیں، ان کا حال ابتدا سے انتہا تک لکھوں اور اس باب میں بہت سی تکلیفیں اٹھائی گئیں۔

تیرا شگفتگی پہ دل آیا ہے یکدلا
اے غنچہ افسردہ تجھے کیا ہوا تنگ

اور یہی خیال ہوا کہ مشاہیر سلف کا حال اور ان کے تولد اور جلوس اور وفات اور مدفن کی کیفیت لکھی جاوے۔ اور یہ معلوم ہو کہ جو خاندان جو مسبوق نکلا ہے اور خواتین ملک مکانوں کا مذکور اور عمارات قدیم مساجد اور معابد کا حال مشروحاً کتاب میں آوے۔ تو اس میں تین باب ٹھہرے۔ چوتھا باب حکایات، اقوال اور افعال نیکوں کا اور نانیکوں کا کہ موجب تفنن طبع ہو ترتیب پایا۔ اور یہ کتاب بنام نامی اسم گرامی سید الشرفا فقیر شمس الدین بخاری تصنیف ہوئی، موسوم برسالۂ شمسیہ معروف ہوئی۔ ناظرین اس کے مطالعہ سے حظ اٹھاویں اور حرف گیری نہ کریں۔

آدمی از سہو و خطا پاک نیست
آب رواں بے خس و خاشاک نیست

والامر بید اللہ"

تاریخ: ندارد۔

اس کتاب کا فارسی مسودہ اور دو دیباچے راقم الحروف کے پاس موجود ہیں۔

~~میں~~ مسودے کا خط شکستہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یکدل نے پاک نویس کرنے کے لیے مسودہ صاف نہیں کیا۔ مدونِ کتاب و سیاہ نہ ہونے کی صورت میں مسودے کی ارزش اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ مسودے کے ورق ۶ ب پر بہادر شاہ ظفر کی طرف سے دیے گئے خطاب "فخر الشعرا" کی وضاحت کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ یہ خطاب حضرت فخر عالم فخر الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ وفات موزوں کرنے پر ملا تھا۔ چنانچہ بہادر شاہ ظفر سے اپنی گفتگو کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" و تاریخ حضرت مولانا (فخر الدین، فخر عالم) نظم فرمودند. گفتم که از حضرت مولانا مرشدیم، فرمودند: "مولوی فخر الدین محمد تم"، چون شمار کردند تاریخ سالم بود. بخلعت یازده پارچه و سرپیچ مرصع و مالائے مروارید و خطاب فخر الشعرا و توجه باطنی مثل بعضی از اشغال سرفراز فرمودند."

فقیر سید شمس الدین، فقیر سید عزیز الدین کے بھتیجے اور فقیر سید نور الدین مفتون کے بیٹے تھے۔ سرلیپل گرفن نے ان کی شائستگی، تہذیب اور فارسی زبان پر قدرت اور حسنِ بیان کی تعریف کی ہے۔(۱)

یہ مسودہ راقم الحروف کے ذاتی کتب خانے میں محفوظ ہے۔

۱۰۔ احوال افغانستان۔

سیاہ روشنائی کا ~~میں~~ پر شکستہ خط میں مولوی احمد بخش یکدل کے اپنے قلم کا لکھا ہوا مسودہ ہے۔ مولوی یکدل نے دیباچے میں بتایا ہے کہ یہ مسودہ تاریخ افغانستان مصنفہ امام الدین حسینی چشتی کا خلاصہ ہے ~~[illegible]~~ جس میں ۱۲۱۲ ہجری تک افغانستان کے اوضاع و احوال کا بیان تلمبند کیا گیا ہے۔ یہ مسودہ ناقص الآخر ہے۔ نواب خان بہادر یعنی نواب زکریا خان حاکم لاہور کی وفات پر کسی معاصر کی کہی ہوئی تاریخ پر ختم ہو جاتا ہے۔

کاغذ سیالکوٹی۔ سائز 6x10
کل ورق : 12
ملکیت : کتب خانۂ شخصی راقم الحروف۔

---

(۱) سرلیپل گرفن: رولرز آف انڈیا، ترجمہ مولوی خلیفہ حسین فاروقی، حیدرآباد دکن 1932ء ص 86۔

۱۱۔ بیاضِ اشعار ـــــ اردو (مخطوطہ مصنف)

یہ بیاض مولوی احمد بخش یکدل نے ۱۲۷۸ھ مطابق 1862ء مرتب کی۔ اس بیاض میں انہوں نے اپنے معاصر شعرائے پنجاب و دہلی کا اردو کلام درج کیا گیا۔ اس کے علاوہ اساتذۂ اردو کا کلام بھی موجود ہے۔ گویا یہ بیاض اردو اشعار کی ایک ایسی جُنگ ہے جس سے مولوی یکدل کے ذوقِ شعری کا سراغ لگایا جا سکتا ہے۔ نیز یہ بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ ان کے ہاں شعر کے قابلِ انتخاب اور ناقابلِ انتخاب ہونے کے کیا معیارات ہیں۔

یہ بیاض ۸×۱۱ کے تقریباً ایک سو دس صفحات پر مشتمل ہے۔ کاغذ سیالکوٹی درجِ متوسط۔ تمام متفرقات دستبردِ زمانہ سے محفوظ ہیں البتہ کاغذ پر پانی کے دھبے اس پر گزرے ہوئے مصائب کی غمازی کر رہے ہیں۔

مولوی یکدل نے اپنے علاوہ جن اردو شعراء کا کلام اس بیاض میں منتخب کیا ہے، ان کی فہرست درج ذیل ہے:

کانجی مل صبا۔ مرزا راجہ شنکرناتھ۔ غلام حسین خان صبر کشمیری۔ صدق حیدرآبادی۔ صفدر از سونی پت۔ ضمیر (شاگرد نصیر)۔ گنگادرس دہلوی۔ ضیا دہلوی۔ چھنو لال طرب۔ بہادر شاہ ظفر۔ مرزا ہمای سلاطین۔ نزاکت رحمو۔ گنا بیگم۔ نواب نجف خان۔ دلہن بیگم۔ میاں ذوق۔ ذوقی رام۔ ذوقی شاد۔ راقم۔ راغب۔ رافت۔ امیر خان انجام۔ آشفتہ۔ نواب یحییٰ خان آصف الدولہ (مرزا امانی)۔ آفتاب، شاہ عالم۔ نذر خان آگاہ۔ ٹیکارام تسلی۔ اثر (شاگرد جعفر زٹلی)۔ اثر (برادر میر درد)۔ تعشق۔ عشقی۔ میر درد۔ عظمت اللہ میر۔ مکھاری خان۔ میر ناصر خان مجروں۔ آرسی، روشن بیگ۔ امانت رائے سکھن در پیہ۔ میاں بحر۔ میاں نصیر الدین نصیر۔ واقف۔ وزیر علی وزیر۔ جوان مرد۔ آفتاب خان منیر۔ منشی میر حسین۔ مفتی مولوی محمد۔ میر قمر الدین منت۔ مرزا علی جلالت۔ ناجی بہ نالاں، میاں عسکری۔ ناظم لکھنوی۔ حسام الدین نامی۔ میر مہدی داغ (فرزند میر سوز)۔ مرزا دارابخت۔ غلام حسین خیالی۔ مرزا مظہر۔ حافظ عبدالرحمٰن احسان۔ مرزا فانی نوازش۔ محمد علی فدوی۔ حکیم ثناء اللہ خان فراق۔ مقصود تره فروش، امجد ضیا پرشاد حسرت۔ ارنا کو شعلہ۔ نور جہاں شاہجہان آبادی۔

ان میں سے بعض شعراء کی پوری پوری غزلیں اور بعض کا ایک ایک شعر درج کیا گیا ہے۔

یکدل کا اردو کلام:-

اس بیاض میں سب سے اہم اضافہ یکدل کا اپنا اردو کلام ہے۔ اس بیاض میں یکدل کا کلام سب سے زیادہ دستیاب ہے۔ اس کے مطالعے سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ یکدل نے اس بیاض کی ترتیب سے پہلے جہاں جہاں بھی پراگندہ یا مدون صورت میں اپنا اردو

معلوم ہو جاتا ہے، زیر نظر بیاض ان کے بعد کی لکھی ہوئی ہے۔ اس بیاض میں یکدل کی اردو غزلیات کی کل تعداد اکتیس ہے۔ جن میں سے پانچ غزلیں دیباچہ دیوان سبحان اللہ صغیر کے صفحے میں دس غزلیں بیاض کلام اردو میں اور پانچ غزلیں اضافی ہیں۔ کلام اردو بخط مولوی محمد علی پیر دل چشتی میں لکھی موجود ہیں۔

یہ بیاض مولوی یکدل کے فرزند مولوی نور احمد چشتی کے زیر مطالعہ رہی ہے۔ جنہوں نے بعض اشعار میں ترمیم کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔ مثال کے طور پر یکدل کی کا مطلع یوں تھا:

کوئی دن ہم دیکھ کر افلاک کے سایے تلے
خیمہ زن ہو جائیں گے جا کر خاک کے سایے تلے

مولوی نور احمد چشتی نے دوسرے مصرعے کو بدل کر یہ صورت دے دی ہے!

خیمہ زن ہو جائیں گے پھر خاک کے سایے تلے (۱)

ایسی مثالیں دو ایک اور مقامات پر بھی موجود ہیں۔

تمام نسخہ خوشخط لکھا ہوا ہے اور مولوی یکدل کے مخصوص انداز تحریر کا آئینہ دار ہے۔ یہ منحصر بہ فرد مخطوطہ راقم الحروف کے ذاتی کتب خانے میں محفوظ ہے۔

۱۲۔ رسالہ حرف شناسی (بخط مصنف)

یہ مختصر رسالہ عربی زبان کے حروف اور ہجا کی شناخت اطفال کی خواہش کے لئے لکھا گیا۔ مولوی یکدل کی یہ واحد تصنیف ہے جس کا موضوع تعلیم نسواں سے متعلق ہے۔ یہ کتاب ۱۲۷۲ھ مطابق 1856ء میں مصنف نے اپنی وفات سے دس سال پہلے تصنیف کی۔ آغاز میں بعد اعوذ باللہ، بسم اللہ اور درود ہزارہ تحریر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"این چند صفحات برای حرف شناسی و ہجا فقیر احمد بخش چشتی متخلص بہ یکدل عفی عنہ تجویز کردہ، تا تمام صبیہ ہا و بنات ناشز فایدہ شوند۔ در ینوقت بتاریخ دوازدہم ماہ جمادی الثانی یعنی خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمہ اللہ تعالیٰ روز پنجشنبہ ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۷۔۵۔ ماگھ سمت ۱۹۱۲ یعنی دیہاہ آئی و موافق مشہور عیسوی ۲۔ جنوری 1856ء

---

(۱) مولوی احمد بخش یکدل: بیاض اشعار (بخط مصنف) ف: 33-B

در دار السلطنت لاہور حرسہا اللہ عن الحور لعبد الکور بپاس خاطر نور چشمی بیگم بی بی
طال عمرہا نوشتہ و باللہ التوفیق۔" کتاب کے آخر میں چند دعائیں اور وظیفے بھی
درج کیے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک وظیفہ برائے آشوب چشم حضرت کلیم اللہ جہان آبادی
کی سند سے درج کیا گیا، اس کی اجازت انہوں نے مولوی غلام حسین چشتی کو عطا کی تھی۔
یہ رسالہ جس کے پاس خاطر سے تصنیف کیا گیا ہے یعنی مسماۃ بیگم بی بی، مولوی تکیدل کی
بہو اور مولوی محمد علی نظر دل چشتی کی اہلیہ تھیں۔ بیگم بی بی کے والد کا نام نور محمد نقاش
بن حافظ محمد امین تھا۔

اوسط درجے کے سیالکوٹی کاغذ پر 9 × 6 سائز میں یہ لکھا ہوا یہ رسالہ
22 اوراق پر مشتمل ہے۔ اس رسالے کا نادر الوجود مخطوط راقم الحروف کے شخصی کتابخانہ
میں موجود ہے۔

13- تحفۂ تکیدل

تاریخ لاہور کے موضوع پر لکھی ہوئی یہ کتاب علمی اور تاریخی قدر و قیمت کے اعتبار سے
نادر و نایاب ہے۔ اس کتاب میں امیر تیمور گورگان کی ہندوستان میں آمد سے لے کر سکھوں کے
عہد حکومت تک ہر بادشاہ کے دور کے اہم سیاسی، ثقافتی اور مذہبی حالات و واقعات
اور ان میں سے ہر بادشاہ کے عہد میں اولیائے چشتیہ کے روحانی فیوض کا ذکر کیا گیا ہے۔
کتاب کا اختتام سلطنت کشمیر کے تفصیلی تذکرے پر ہوتا۔ گمان غالب ہے کہ تکیدل کو
اس کتاب کا مسودہ مکمل کرنے کی مہلت نہیں ملی۔ کتاب مصنف کے آخری ایام حیات
میں لکھی گئی۔ اس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ تکیدل نے مثنوی "شرح احوال" پہلے اپنے روزنامچوں
اور مجموعہ بیاض اشعار و رشتہ ۱۲۷۸ھ میں درج کی تھی۔ اس کے بعد جب
یہی مثنوی "تحفۂ تکیدل" میں نقل ہوئی ہے تو تکلیف زیر نظر کتاب میں
شامل کرتے وقت اس کے کچھ اشعار میں اصلاح کر دی گئی ہے جبکہ روزنامچوں اور
بیاض اشعار میں کسی بیت میں تبدیلی نظر نہیں آتی۔ اس کے علاوہ منظوم واقعات
اور مبارکباد بیاضوں سے شامل کی گئی ہیں۔ چنانچہ بیاض نمبر 13 مکتوبہ ۱۲۶۵ھ مطابق
1849ء میں نواب عبدالصمد کے ہاتھوں بندہ بیراگی کی گرفتاری اور دیوان آذر کی
ہجو: بندہ را عبدالصمد خان بند کرد آذریں صد آفریں
کو ورق 112 پر جو تفصیل کے ساتھ درج کیا گیا ہے عیناً وہی تفصیل تحفۂ تکیدل
کے ورق 33 پر موجود ہے۔

تحفۂ تکیدل کے مطالعے سے جو اہم نکات نظر سے گزرے ہیں درج ذیل ہیں:

۱۔ نمونۂ کلام مولوی محمد عاشق اورنگ آبادی، بطلب صورت اعلیٰ خاندان چشتی در لاہور۔ صفحہ 12

۲۔ تاریخ وفات مولوی غلام حسین چشتی از فقیر سید نور الدین: ص: 13۔

۳۔ تاریخ وفات نواب مظفر یار خان از مولوی محمد ابراہیم چشتی: ص: 31

۴۔ کلام مولوی محمد ابراہیم چشتی بر موقع جراحت نادر و صاحبِ ان العجم۔ ص: 42

۵۔ مکیدل کے نانا مولوی عصام الدین کا ذکر۔ ص: 27

۶۔ تاریخ وفات نواب عبد الصمد خان مصنفہ مولوی صبغۃ الحق چشتی: ص: 33

۷۔ احمد شاہ ابدالی لاہور میں سکھوں کے کلّہ منار بنواتا ہے۔ ص: 44۔

۸۔ احوال مصنف (منظوم) ص: 83

۹۔ رنجیت سنگھ کا لاہور میں داخلہ، اور گلدین کو انعام و اکرام۔ ص: 100۔

۱۰۔ رنجیت سنگھ کی اخلاق سوز عادات۔ ص: 102 تا 103۔

یہ مخطوطہ 7.5x12 کے ورثہ سائز میں 65 اوراق یا 130 صفحات پر مشتمل ہے۔ کاغذ انگریزی دور کا ہے اور آخری دو اوراق کے متن پر اور باقی اوراق میں سے بعض کے حواشی پر پانی کے دھبے موجود ہیں۔ تمام متن سالم اور بحالت روشن قابل قرأت ہے۔

تحفۂ مکیدل کا مذکورہ بالا مخطوطہ کتب خانہ شخصی راقم الحروف میں محفوظ ہے۔ مقالے میں اس کے ابتدائی اوراق کے عکس شامل کر دیئے گئے ہیں۔

ضمیمہ
مولوی ناظم

۱۲۔ روزنامچۂ مکیدل (قلمی بیاضیں)

اس روزنامچے کے مکمل کوائف راقم الحروف نے اپنی مرتبہ کتاب "یادگار چشتی" مطبوعہ مجلس ترقی ادب لاہور کے باعث تحریر میں درج کر دیئے تھے۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر ممتاز گوہر کے مقالے "پنجاب میں اردو ادب کا ارتقاء" میں بھی یہ کوائف موجود ہیں، اس جگہ "یادگار چشتی" کے باعث تحریر کے حوالے سے ان روزنامچوں کی تفصیل درج کی جاتی ہے۔

مولوی مکیدل مرحوم نے بیس جلدوں میں روزانہ کوائف کی یادداشتیں قلمبند کی تھیں۔ یہ بیاضیں 1917ء تک ان کے پوتے مولوی حامد علی چشتی مرحوم کے پاس موجود تھیں۔ ایک بیاض جو 1857ء کے واقعات سے متعلق تھی، مولوی نور احمد نے انگریزوں کے خوف سے خطرۂ جان سمجھ کر ضائع کر دی تھی۔ 1892ء کے قریب مولوی حامد علی چشتی نے ان بیاضوں کا خلاصہ تیار کیا۔ اور اہم واقعات کو

تاریخ اور بیاض کے حوالے سے اس کو ایک دفتر میں نقل کر دیا۔ حالات کی نامساعدت
سے اصل بیاضیں جو بچا، ضائع اور تلف ہو گئیں۔ [illegible] جو بجائے خود
مفصل اور تمام اہم کوائف پر محیط ہے، خوش قسمتی سے مولانا مسعود علی چشتی
کے پاس محفوظ رہا۔ ۱۹۱۲ء میں سر عبدالقادر مرحوم نے مولوی نکیدل کے ان
روزنامچوں پر ایک مقالہ لکھا تھا۔ جس کی اشاعت پنجاب ہسٹاریکل سوسائٹی
کے جرنل کی جلد نمبر 6 شمارہ نمبر 2 میں ہوئی تھی۔ سر عبدالقادر کی فراہم کردہ
معلومات کے مطابق یہ روزنامچہ 1821ء سے 1861ء تک اکتالیس برسوں کی
یادداشتوں پر مشتمل تھا۔ ان کی ~~[illegible]~~ تفصیل مآخذ کی فہرست میں
مندرج کی جائے گی۔ (۱)

۱۵۔ مسودہ رسالہ شمسیہ بزبان اردو

اس رسالہ کا سبب تحریر اور دیباچہ بزبان اردو، پہلے درج کیا جا چکا ہے۔ اور یہ بھی
بیان ہو چکا ہے کہ رسالہ شمسیہ فقیر سید شمس الدین کے ذمے پر لکھا گیا لہٰذا انہی کے
نام کی مناسبت سے مولوی نکیدل نے اس کا نام "رسالہ شمسیہ" رکھا ~~[illegible]~~
~~[illegible]~~ یہ رسالہ مولوی نکیدل
کی نثر کا بہترین نمونہ ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ اگر اس نثر کو انیسویں صدی کے اس
نثری ادب میں رکھ کر دیکھا جائے جس کی تخلیق 1857 کے بعد ہوئی تو یہ کہنا مبالغہ
نہ ہوگا کہ یہ اپنے عہد کی بہترین نثر ہے۔ اس پر تفصیلی بحث خاندان چشتی
کی اہم تصانیف کے ذیل میں کی جائے گی۔

۱۶۔ سی حرفی نکیدل (بزبان پنجابی)

مولوی نکیدل کی سی حرفی کے ابیات بیاضوں میں موجود ہیں۔ مدون یا مطبوعہ صورت میں دستیاب نہیں۔

---

(۱) گوہر نوشاہی: یادگار چشتی (بابت تحریر) لاہور، مجلس ترقی ادب 1975
ص ۱۲۔

ممتاز گوہر، ڈاکٹر: پنجاب میں اردو ادب کا ارتقاء: مقالہ پی ایچ ڈی۔ مخزونہ
پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور۔ ورق 240-248۔

ان ~~[illegible]~~ روزنامچوں کی جلدیں راقم الحروف کے ذاتی کتب خانے میں محفوظ ہے۔
باقی جلدوں کا تفصیلی مطالعہ کرنے کا بھی راقم کو موقع مل جائے گا۔ نکیدل نے بیاضوں کے بارے
میں تاکید کی تھی: "و باید که هر کسی را که این بیاض به دست آید، لازم که خود مطالعه شب و روز کند و
حفظ کند و مهمانان را بتقریر واضح اطلاع دهد"

۵۔ مولوی نور احمد چشتی متخلص بہ چشتی

مولوی نور احمد چشتی مولوی احمد بخش یکدل کی پہلی بیوی مسماۃ فضل النساء کے بطن سے تھے۔ جو مولوی محمد بخش صحاف کی صاحبزادی تھیں۔ مولوی محمد بخش صحاف کی دوسری بیٹی رحیمہ مفتی علی الدین بن مفتی خیرالدین کی اہلیہ تھیں۔ اس اعتبار سے مفتی علی الدین مصنف "عبرت نامہ" مولوی نور احمد چشتی کے خالو تھے۔

مولوی نور احمد چشتی ۷۔ ذی الحجہ ۱۲۴۴ھ (مطابق ۱۰۔ جون 1829ء) کو پیدا ہوئے روز متولد ہوئے(1)۔ ماں کی مانی ہوئی منت کے مطابق جھنڈ (یعنی موئے شکمی) اتارے نہیں گئے جس کے سبب بچپن میں جھنڈو کہہ کر پکارے جاتے تھے۔ چھ سال کے تھے کہ والدہ انتقال کر گئیں اور مولوی نور احمد براہ راست والد کے سایہ عاطفت میں آ گئے۔ اسی سال انہیں میاں عثمان کے مکتب میں داخل کروا دیا گیا۔ میاں عثمان، مولوی یکدل کے دوست اور لاہور کے معزز اساتذہ میں سے تھے۔ مولوی نور احمد چشتی چودہ سال کی عمر میں یعنی 1843ء کے قریب تعلیم سے فارغ ہوئے۔ اور اپنے والد کے بااثر شاگرد دیوان امر ناتھ اکبر خلف راجہ دینا ناتھ مرحوم کی سفارش سے ملک فتح خان نون میں وکالت کے عہدے پر متعین ہو گئے۔ یہاں آپ کو پانچ روپے یومیہ تنخواہ ملتی تھی، اس کے بعد کچھ عرصہ کشمیر کے گورنر دیوان کرپا رام اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کے خزانہ عامرہ کے افسر بیلی رام کے بیٹوں کو اپنی خاندانی روایت کے مطابق درس دیتے رہے۔ (2)

مولوی نور احمد چشتی ۱۲۵۸ھ / 1842ء میں اپنے والد صاحب کے ہمراہ دہلی گئے، مولوی نور احمد نے لکھا ہے کہ وہ بابو بیتا راجہ دینا ناتھ کے بھائی کیدار ناتھ کی شادی میں دہلی گئے تھے۔(3) ان ایام میں مولوی نور احمد کے والد مولوی یکدل کی بیاض [illegible]

---

(1) مولوی احمد بخش یکدل چشتی: بیاض یکدل شمارہ ۱۵۔ مولوی نور احمد چشتی کی تاریخ ولادت کا مصرعہ ہے: "مہد دولت نور احمد مجتبیٰ" (تحقیقات چشتی ص 25)

(2) مولوی نور احمد چشتی: تحقیقات چشتی، لاہور، 1964، ص 26۔

(3) مولوی نور احمد چشتی نے اپنی تصنیف "خیالات دانش" میں برادرزادہ راجہ دینا ناتھ کی شادی لکھا ہے۔ جو زیادہ قرین صحت ہے۔ کیونکہ کیدار ناتھ تو اس زمانہ میں دو بچوں کے باپ تھے۔

بادشاہ کے دربار میں باریابی ہوئی۔ بادشاہ نے ٹیکول کے علم و فضل کی قدردانی کرتے ہوئے انھیں خطاب اور تیرہ پارچے کا خلعت دیا۔ مولوی شاہ احمد کو بھی سات پارچے کا خلعت ملا۔ مولوی نور احمد چشتی نے خیالات دانش میں لکھا ہے کہ بہادر شاہ ظفر کے دربار میں باریابی کے وقت ان کی عمر دس بارہ سال کی تھی۔ ۱۲۵۸ھ کے اعتبار سے یہاں دس بارہ سال صحیح؛ درست میرے خیال میں سن ہونے چاہییں۔ مولوی نور احمد کو تو صرف چار سال کا شک ہے مولوی ٹیکول کو خود ایک جگہ مولود سے آٹھ سال کا مغالطہ ہوا ہے: "در مکتوبات خود می نگارد تعلیم آمدہ در ۱۲۵۰ھ بہ شاہجہان آباد رسیدم و ہشت ماہ در اینجا ماندم۔"(۱) حالانکہ خطاب فخرالشعراء کے ساتھ عطا کی گئی مہر پر سنہ ۱۲۵۸ھ موجود ہے۔ اس کے علاوہ ٹیکول کے ایک خط بنام بہادر شاہ ظفر میں بھی تاریخ غائب ہے اور اگر مولوی نور احمد نے "خیالات دانش میں" جرأت" کے زیر عنوان بہادر شاہ ظفر کے دربار میں اپنی حاضری سے متعلق ایک واقعہ بھی لکھا ہے جو ان کی کم عمری کے مدنظر خاصا دلچسپ معلوم ہوتا ہے۔ وہ تحریر کرتے ہیں:

"در ایام خوردی کہ عمرم دہ دوازدہ سالہ بود با برکات جناب بابا دام اقبالہم کہ آنحضرت شوق بہ شادی برادر زادہ(۳) جناب راجہ ونیانا تو صاحب بہادر تشریف بردہ بودند تا بہ دہلی رسیدیم۔ بابایم بدربار حضرت فلک قدرت محمد بہادر شاہ بادشاہ غازی عزت پیدا کردند۔ روزی بروز عرس حضرت خواجہ قطب صاحب قدس سرہ بمرقد حضرت موصوف راقم را برای سلام بادشاہ ہمراہ بردند۔ حضرت بہادر شاہ بعد مصافحہ حضرت طیبات بر سینہ ملبوس فرمودند۔ بندہ بے تمیز بجلدی تمام دست خود بر سینہ ملک رسانیدہ گفتم کہ:

نہ دیدہ گر کسی ظل محمد — بچشم خویش ظل اللہ دیدم

ہمراہیان دربار حیران شدہ تحسین کردند و بعضہ گوشہ بہ بابایم کردند۔ فقط"(۴)

۱۸۴۹ء میں پنجاب پر انگریزوں کے قبضے کے بعد مولوی نور احمد چشتی اس نئے سیاسی اور معاشرتی نظام کا ایک فعال رکن بن گئے۔ چنانچہ مشرقی علوم کے درس کی آبائی مسند کو چھوڑ کر انگریزی مدرسے کے معلم ہو گئے۔ چنانچہ ۱۸۴۹ء میں

---

(۱) مولوی احمد بخش ٹیکول چشتی: اوراق منتخبہ ملفوظات مسعودی بخط ٹیکول۔ مخزونہ نیشنل میوزیم کراچی۔

(۲) مولوی نور احمد چشتی: خیالات دانش (نسخہ مصنف) ورق 33۔ مخطوطہ مملوکہ راقم الحروف۔

(۳) مولوی نور احمد نے تحقیقات چشتی میں برادر راجہ ونیانا تھ لکھا ہے۔

(۴) مولوی نور احمد چشتی: خیالات دانش، ورق 34۔ تحقیقات چشتی میں سہ گوشہ کی بجائے سات پارچہ کا خلعت لکھا ہے۔

ہی ڈاکٹر لوگن کے ایما پر مولوی صاحب ایک گھنٹہ روزانہ سول اور ملٹری
دونوں اطراف کے انگریز افسروں کو اردو پڑھانے لگے۔ اس کام کے
لئے (وہ) میاں میر چھاؤنی میں جایا کرتے تھے۔ تنخواہ بہت معقول
تھی 20 روپے فی گھنٹہ یومیہ۔ یعنی 600/- روپے ماہوار۔ 1853ء
میں مولوی صاحب انگریز افسروں کے معلم خاص مقرر ہوئے۔ 1864ء یعنی ان کی تصنیف
تحقیقات چشتی کے سال تصنیف تک ان کے یورپین شاگردوں کی تعداد دو ہزار تک پہنچ چکی
تھی۔ (1)

مولوی صاحب نے اپنی اکثر تصانیف اپنے یورپین دوستوں اور شاگردوں کے
ایما پر ہی لکھی تھیں۔ مولوی نور احمد چشتی کے چند اہم انگریز شاگردوں کی فہرست
راقم الحروف نے اپنی مرتبہ کتاب "یادگار چشتی" مصنفہ مولوی نور احمد چشتی کے
دیباچے میں دی ہے۔ (2) اس فہرست میں سی ڈبلیو فورمن، آر سی ٹمپل،
ایڈورڈ تھارنٹن، ڈبلیو گولڈ سٹریم اور لارڈ لارنس جیسے اہم شخصیتوں
کے نام بھی آتے ہیں۔ اس کے علاوہ لفٹیننٹ گورنر پنجاب سی یو ایچیسن
بھی مولوی نور احمد کے شاگردوں کی صف میں شامل تھے۔

1853ء میں مولوی نور احمد چشتی، الیگزنڈر مینکلوڈ وغیرہ کو پڑھاتے تھے۔ (3)
1853ء میں مولوی صاحب اسی ملازمت کے سلسلے میں امرتسر چلے گئے جہاں وہ
لاٹو رجمنٹ کو پڑھاتے تھے۔ دیوان چشتی میں قیام امرتسر کے ذکر میں اشعار
موجود ہیں۔ (4) چشتی نے لکھا ہے:

چھوڑ لاہور کو آ بیٹھا ہوں امرتسر میں — کیا مزہ تھا جو مرے پاس پیارا ہوتا
لاہور کو دیکھے ہوئے مدت ہوئی مجھ کو — دل اب جو نہ دیکھے گا تڑپ جائے گا یارو
لاہور میں کس منہ سے بتا جاؤ گے چشتی — جب تک کہ نیا فن کوئی پیدا نہ کریں گے

---

(1) مولوی نور احمد چشتی: تحقیقات چشتی، لاہور، 1964، ص 27۔ "اور آج تک جو
صاحبان عالی شان فدوی سے پڑھ کر عہدہ ہائے جلیلہ سرفراز ہیں، قریب دو ہزار
کے ہوں گے۔"

(2) گوہر نوشاہی (مرتب) یادگار چشتی، لاہور، مجلس ترقی ادب 1975، ص 58۔

(3) مولوی نور احمد چشتی: حالات [illegible] (مخطوطہ مصنف) ف۔ 19۔

(4) مولوی نور احمد چشتی: دیوان چشتی (مخطوطہ مصنف) مملوکہ راقم الحروف۔

مولوی نور احمد چشتی کی پہلی شادی سید [illegible] جس کی بھر میں سعید بیگم بنت
شاہ چراغ سبزواری سے ہوئی۔ شاہ چراغ سبزواری اور ان کے خاندان کے حالات
تحقیقات چشتی میں موجود ہیں (1)۔ [illegible] چراغ کا خاندان زہد و تقویٰ کے ساتھ ساتھ
علم و ادب سے بھی بہرہ مند [illegible]۔ ان کے بیٹے سید بہادر علی شاہ اعلیٰ درجے
کے ادیب اور فارسی زبان کے [illegible] بہت خوش گو شاعر تھے۔

سعید بیگم کا انتقال ۱۲۷۸ھ/1862ء میں ہوا۔ مولوی نور احمد نے حسب ذیل
تاریخ وفات [illegible] [illegible]وں کی۔ (1)

سال وصالش [illegible] جستم چون چشتی ز دل
گفت رضوان [illegible] شد حوران بہشت

۱۲۷۸ھ

سعید بیگم کے فوت [illegible] لکھے ہوئے اشعار دیوان چشتی میں موجود ہیں۔ (2)
مولوی نور احمد [illegible] محلہ چابک سواراں میں اپنے والد مولوی احمد بخش یکدل کے مکان کے
پاس ہی اپنے ذاتی مکان میں سکونت پذیر تھے۔ اس مکان کا بیعنامہ راقم الحروف
کے پاس ہے جس [illegible] حسب ذیل حدود اربعہ درج ہے:

1. متصل [illegible] محلہ حسن
2. متصل [illegible] دیوار بدیوار مولوی صاحب مولوی احمد بخش یکدل
3. متصل [illegible] سربستہ
4. متصل دیوار بدیوار خانہ میر دین و محمد و امام بخش۔

مولوی نور احمد [illegible] چشتی کی اولاد نرینہ نہیں تھی۔ ان کی دو لڑکیاں تھیں:
1. فضل النساء [illegible] 2. خیر النساء

فضل النساء جوانی [illegible] فوت ہو گئیں۔ خیر النساء 1918ء تک زندہ تھیں۔

---

(1) مولوی نور احمد چشتی [illegible] دیوان چشتی (مخطوطہ مصنف) مملوکہ راقم الحروف۔
(2) ~~[illegible]~~ مولوی [illegible] حامد علی چشتی نے سعید بیگم کی وفات کے بارے میں مولوی یکدل کے
ایک خط نوشتہ از [illegible] کی سند سے لکھا ہے کہ "از بس معلوم شد کہ او حشیایا آخر اپریل 1862
فوت شد"۔ [illegible] ترجمہ حامد علی چشتی)۔

خیر النساء کی شادی نور الدین بن رحیم بخش بن کریم بخش عرف کما سے ہوئی تھی۔ موصوف
کی وفات مئی 1896ء میں ہوئی (۱) خیر النساء کا ایک بیٹا غلام محمد تھا جو
بصرے میں جا کر مقیم ہو گیا تھا۔ 1918ء میں وہ ایک دفعہ لاہور آیا تھا۔ مولوی
ممتاز علی چشتی نے اپنی یادداشتوں میں اس سے ملاقات کا ذکر کیا ہے۔ (2)
مولوی نور احمد چشتی کو حضرت میاں اشرف شاہ چشتی ساکن کرنال سے بیعت طریقت
حاصل تھی جو شیخ المشائخ حضرت غلام محمد عرف مسکین شاہ دہلوی کے مرید تھے۔
مولوی نور احمد نے "تحقیقات چشتی" میں اپنا شجرۂ طریقت قلمبند کیا ہے۔ (3)
اس کے علاوہ اپنے والد مولوی یکدل کے فیضان کا بھی اعتراف کرتے ہیں:

آقائے دو جہانی یکدل ہے باپ میرا
مرشد مرا وہی ہے اور پیر ہے تو یہ ہے
خاک اس کے در کی مجھ کو جوں قبلۂ مکرم
اے دوستان جانی اکسیر ہے تو یہ ہے (4)

مولوی نور احمد چشتی کی وفات ۱۲۸۴ھ مطابق 1867ء کو ہیضے کی وبا میں ہوئی۔ مفتی غلام سرور لاہوری نے مندرجہ ذیل تاریخ موزوں کی ہے: (5)

نور احمد مخزن لاہور / بود مشہور نور چشتی
سال فوتش از آں بہ دل ارا / گشت منظور نور چشتی

۱۲۸۴ھ

مولوی نور احمد چشتی کی تصانیف مندرجہ ذیل ہیں:
۱۔ نور اللغات۔ 2۔ حمایت الصبیان 3۔ فوائدات دانائی و حیرت الطرائق
5۔ نظم الرمل 6۔ فال اکبر۔ 7۔ حل لغات محاورہ 8۔ دیوان چشتی۔
9۔ تحفۂ چشتی ۱۰۔ یادگار چشتی ۱۱۔ عجائبات چشتی۔ 12۔ تحقیقات چشتی
13۔ مقام حیرت۔ 14۔ رقعہ مولوی نور احمد چشتی۔
ان کتابوں میں نمبر ۱ سے نمبر 7 تک فارسی زبان میں ہیں۔ اور [illegible]

---

(۱) مولوی حامد علی چشتی: روزنامچہ حامد علی چشتی، صفحہ 32
(2) روزنامچہ مولوی ممتاز علی چشتی۔ ص: 51
(3) مولوی نور احمد چشتی: تحقیقات چشتی، لاہور 1964۔ ص 38
(4) مولوی نور احمد چشتی: دیوان چشتی: بخط مصنف۔ مملوکہ راقم الحروف،
(5) مفتی غلام سرور لاہوری، مصنف خزینہ، لکھنؤ، نولکشور 1877ء ص 216۔

باوجود راقم الحروف کو ان میں سے صرف تین کتابیں مل سکی ہیں:

(1) نور الارشاد (2) خیالات دانش (3) ندیم المرسل

تفصیل یہ ہے:

نور الارشاد:- حسب الارشاد سیادت مآب سید جعفر علی خان رضوی از جا بجا فراہم آوردہ فقیر بے تدبیر نور احمد چشتی چشتی لاہوری نژاد ترتیب دادہ۔

خیالات دانش:- یہ سرسری مسٹر سمتھ صاحب بہادر -
یہ کتاب ۱۲۶۹ھ میں لکھی گئی - یہ کتاب سعادت یار خان رنگین کی تصنیف مجالس رنگین سے متاثر ہو کر لکھی گئی۔ اس کتاب میں دانشمند حکماء کی گفتگو یا بیان، مجموعہ قصص و حکایات مختلف موضوعات کے تحت درج کیے گئے ہیں۔

ندیم المرسل:- یہ کتاب مولوی نور احمد چشتی کے پیر و مرشد کے ایک شاگرد میر گنہگاران کا نسخہ اور اور عزیز الدین رسول نگری، دونوں نے مل کر تصنیف کی ہے۔ تاریخ نوادر رقم نام:-

"تمام کلام سر نسخہ سرخود دار گنہگاران کا نسخہ و عزیزی عزیز الدین رسول نگری بہ تکلیف بندہ نور احمد چشتی عفی عنہ۔"

باقی تمام کتابیں اردو میں ہیں، سوائے "مقام حیرت" کے جو پنجابی زبان میں لکھی ہوئی ایک سی حرفی ہے اور اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

مقام حیرت:-

یہ کتاب پنجابی نظم میں لکھی گئی سی حرفی ہے۔ جس میں واقعات کربلا اور مناقب شہداء بیان کئے گئے ہیں۔ مصنف نے لکھا ہے کہ "برای آگاہی حادثات کربلا و حنی سید الشہداء و کربا خفقان تمام دریا بہ کوزہ انداختہ"۔ یہ مقام حیرت کی پہلی اشاعت ۱۲۷۷ھ/1860ء میں مطبع پنجابی لاہور سے ہوئی۔ سائز 20x30/16، صفحات: 12
دوسری اشاعت ملک ہیرا، محمدی سٹیم پریس لاہور سے 1918ء میں ہوئی۔ اس کی اشاعت کا اہتمام مولوی ممتاز علی چشتی نے اپنا لکھ کر اشاعت کیا ہے۔ بحسب فرمائش لطف الدین صدیقی خلف الصدق مولوی امیر بخش مرحوم لکھا ہوا ہے۔ مولوی لطف الدین صدیقی کو مولوی ممتاز علی نا ماموں لکھا ہے، نما نتیجہ پر ان کا نام از راہ احترام درج کرایا گیا ہوگا۔ مولوی ممتاز علی چشتی کے روزنامچے میں اس کتاب کے بارے میں مندرجہ ذیل یادداشت ملتی ہے:

31- دسمبر 1917ء

"ماموں لطف الدین صدیقی صاحب کو مقام حیرت مصنفہ حضرت بابا جان مولوی نور احمد چشتی مرحوم کی

دے آیا تھا۔ انہوں نے یہ گلزار محمدی پریس موری دروازہ لاہور میں کاپی کرنے کو دے دی تھی۔
اور یہ بغرض تصحیح لے آئے تھے۔ جو مکمل کر دی گئی ہے۔ اسکا ٹائیٹل پیج استاد
نورالدین کو لکھنے کے واسطے دے آئے ہیں۔ (1)

بروز اتوار 13 جنوری 1918ء

" مقام حیرت " مصنفہ حضرت مولوی نور احمد صاحب چشتی مرحوم، انڈین پریس لاہور میں ایک
ہزار پچاس (1050) چھپائی ہے۔ اور خرچ حسب ذیل ہوا۔ ٹائیٹل پیج
عبداللطیف رشتہ دار (تایا زاد بھائی) رشیدہ بیگم (زوجہ ممتاز علی چشتی) نے بنا دیئے۔

	پائی - آنے - روپے
کاغذ ایک ریم جس میں ایک ہزار کاپی بنی :	5 - 13 - 0
لکھوائی محمد حسین کاتب :	2 - 0 - 0
چھپوائی :	2 - 7 - 0
کاغذ برائے دس کاپی :	1 - 4 - 0
کل خرچ :	11 - 8 - 0

وہ خرچ مقام حیرت :-

بدست آپا رحیمن (دختر مولوی محمد علی پُردل) :	1 - 0 - 0
بدست آپا خیر النساء (دختر مصنف موصوف) :	1 - 0 - 0
بدست آپا نجم النساء :	1 - 0 - 0
کل رقم :	3 - 0 - 0 (2)

انڈین پریس لاہور کا کتاب پر نام ہے، لیکن غالباً اس سے یہ کام گلزار محمدی پریس کی معرفت
کرایا گیا ہوگا۔

مقام حیرت کی اشاعت کے بعد سب سے پہلا ریویو ہفتہ وار "نعیمہ اخبار" لاہور میں شائع ہوا۔
بعد میں کشمیری میگزین نے بھی اس پر ریویو کیا اور اس کتاب کی توصیف کی۔"

مولوی نور احمد چشتی کی اردو تصانیف پر اگلے باب میں تفصیلی روشنی ڈالی جائے گی۔
یہ باب چشتی خاندان کی اہم اردو تصانیف کے لئے وقف ہے۔

(1-2) مولوی ممتاز علی چشتی، روزنامچہ ممتاز علی چشتی، مملوکہ پروفیسر قرۃ العین چشتی
لاہور، ورق 16 و 17 - راقم الحروف نے اس روزنامچے کے مکمل فوٹو سٹیٹ سے استفادہ
کیا ہے۔

۶ ۔ مولوی محمد علی چشتی متخلص بہ بیدل

مولوی محمد علی چشتی ۳ شوال سنہ ۱۲۵۲ھ / جنوری 1837ء میں پیدا ہوئے۔[1] پیدائش کے وقت ان کا نام محمد بخش رکھا گیا تھا چنانچہ ان کے [illegible] بیٹے مولوی حامد علی چشتی نے مادۂ تاریخ اسی نام کے ساتھ موزوں کیا ہے:

"فہو حسبہٗ مولوی محمد بخش" (2)

مولوی محمد علی چشتی کے والد مولوی احمد بخش یکدل نے لکھا ہے کہ:

"آن برخوردار را اول کنیت کہ زین العابدین است و باز اسم کہ مولوی محمد علی است نام تاریخی شد "زین العابدین مولوی محمد علی چشتی" (3)

مولوی احمد بخش یکدل نے بیٹے کی پیدائش پر زائچہ بنا کر حکم لگایا کہ وہ کثیر الاولاد ہوں گے۔ فی الحقیقت ایسا ہی ہوا۔ مولوی محمد علی بیدل ایک سال کے تھے کہ ان کی والدہ کا انتقال ہو گیا۔ اور انھیں ایک دایہ کی گود میں دے دیا گیا جسے لوگ "نیکی" کہتے تھے۔ یہ نام معلوم نہ ہو سکا۔ یہ خطاب غالباً اس کے بہرہ ہونے کے سبب سے اُسے دیا گیا ہوگا۔

۱۲۷۳ھ مطابق 1856ء کو آپ کے بڑے بیٹے حامد علی چشتی پیدا ہوئے۔ جد بزرگوار مولوی یکدل نے تاریخ ولادت لکھی:

"تاریخ ولادت برخوردار حامد علی کہ کنیت او "نظام حق والدین" است" (4)

۱۲۷۸ھ میں بیدل کے چھوٹے بیٹے کی ولادت ہوئی۔ مولوی یکدل نے اپنی یادداشتوں میں لکھا:

"روز [illegible] ۱۲۔ مرداد ماہ الٰہی ۱۹۴۸ مطابق ۲۔ ۵ ماہ صفر المظفر درخانہ برخوردار محمد علی چشتی پسر مولوی حامد علی چشتی صاحب - لم یلد و لم یولد جل شانہٗ فرزندی کرامت کردند، از صبح صادق باقی بود آنکہ گردراز بعد مدہ روزی بود۔ بتفضل ایزدی باسم احمد علی چشتی موسوم کردند۔" (5)

احمد علی چشتی بچپن میں ہی فوت ہو گئے۔ حامد علی چشتی کثیر الاولاد ہوئے۔ گویا یکدل کے زائچے نے مولوی حامد علی کے حوالے سے صداقت حاصل کی۔

مولوی محمد علی چشتی بیدل کی دو صاحبزادیاں تھیں ایک کا نام رحیم النساء عرف

---

(1) مولوی احمد بخش یکدل چشتی: بیاض یکدل شمارہ 3۔

(2) مولوی حامد علی چشتی: حاشیہ بیاض یکدل: شمارہ 3۔

(3) مولوی احمد بخش یکدل: بیاض اشعار - ف: 12، مملوکہ راقم الحروف۔

(4) ایضاً، اوراق متفرقہ ملحقہ با مسودہ مخزن یکدل۔ مخزونہ نیشنل میوزیم کراچی۔

(5) ایضاً۔ اوراق متفرق، مملوکہ مولوی مسعود علی چشتی۔

رحیمن اور دوسری ثمن النساء عرف اچھن بی - شادی شدہ ہیں۔ ثمن النساء کی تاریخ ولادت 19 - فروری 1859ء ہے۔

مولوی محمد علی بیدل کی اہلیہ کا انتقال ۲۶ - صفر ۱۲۷۹ھ مطابق 17 - مارچ 1863ء کو ہوا۔ مولوی بیدل نے آخری عمر میں ملازمت کر لی تھی۔ مولوی محمد علی کی یادداشتوں میں لکھا ہے کہ مولوی محمد علی بیدل 11 - دسمبر 1888ء کو مشن سکول میں ملازم ہوگئے۔ یہ مشن سکول وہی ہے جو رنگ محل شاہ عالمی گیٹ لاہور میں واقع ہے۔

مولوی بیدل نے سہ شنبہ ۷ - شعبان ۱۳۰۸ھ مطابق 17 - مارچ 1891ء منگل کے دن چار بجے صبح وفات پائی۔ وفات کی خبر معاصر اخبارات میں شائع ہوئی ان کی تفصیل یہ ہے:

پیسہ گزٹ سیالکوٹ بابت 28 - مارچ 1891ء
آئینۂ ہند لاہور " 26 مارچ 1891ء
[illegible] لاہور " 23 مارچ 1891ء
صحیفۂ قدسی دہلی " 22 مارچ 1891ء
سرحد گزٹ انبالہ " 13 اپریل 1891ء
[illegible] لاہور " 25 مارچ 1891ء

مولوی بیدل فارسی اور اردو کے بہت اچھے شاعر تھے۔ ان کے اردو کلام پر الگ شذرہ ہوگا۔ خاقانی ہند شمس الشعراء ابراہیم ذوق کی وفات پر انہوں نے فارسی میں مادۂ تاریخ قطعہ کہا تھا۔ یہاں وہ قطعہ ان کے فارسی کلام کے نمونے کے طور پر نقل کیا جاتا ہے (۱)

شیخ ابراہیم عزرائیل را دید و داد گفت — فوق و تحت اے مولوی محمد محمود وا گفت
سال او چوں پیر مرید قطب حرف سلطنت — گفتیم شیخ ابراہیم اہل اللہ گفت

اس قطعہ تاریخ سے ایک بات اور واضح ہوتی ہے کہ مولوی محمد علی ۱۲۷۱ھ / 1855ء تک مولوی تخلص کرتے تھے۔

---

(۱) ہفتہ وار کوہ نور - 2 جنوری 1855ء - ص 7 -

۷۔ مولوی محرم علی چشتی المتخلص بہ چشتی

مولوی محرم علی چشتی المتخلص بہ چشتی ۶۔ محرم ۱۲۸۰ھ مطابق 23 جون 1863ء سنیچر کے دن پیدا ہوئے۔ ماہِ محرم الحرام کی مناسبت سے ان کا نام محرم علی رکھا گیا۔ آپ کے والد گرامی مولوی احمد بخش [illegible] چشتی نے مندرجہ ذیل قطعہ تاریخ ولادت موزوں کیا:

بفضلِ حق محرم علی ولادت یافتہ — شش محرم و یکشنبہ بود از میلاد
شش محرم و یکشنبہ شنیدہ تاریخ — مبارک است عزیزان بجان مبارکباد

مولوی محرم علی کے والد صاحب 2 جمادی الثانی 1867ء میں فوت ہوئے۔ اس وقت مولوی محرم علی کی عمر چار سال کے قریب تھی۔ گویا موصوف بچپن ہی میں والد کے سایہ سے محروم ہو گئے اور بڑے بھائی مولوی محمد علی بیدل چشتی کی سرپرستی میں آ گئے۔ مولوی محرم علی کی والدہ مہرالنساء بیگم عرف میراں نے 2۔ دسمبر 1873ء میں وفات پائی، گویا مولوی محرم علی دس سال کے تھے کہ والدہ کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا۔ مولوی محمد علی بیدل نے چھوٹے بھائی کی تعلیم پر پوری توجہ کی، مولوی محرم علی نے بی۔ اے کی ڈگری نمایاں کامیابی سے حاصل کی۔ موصوف علی گڑھ کے طلباء قدیم میں سے تھے۔ علم و ادب کا ذوق وراثت میں ملا تھا۔ تعلیم سے فارغ ہو کر ہفتہ وار اخبار رفیقِ ہند جاری کیا۔ جس کا پہلا شمارہ [illegible] کو جنوری 1884ء میں منظر عام پر آیا۔ اس اخبار کا مفصل تعارف اگلے باب میں پیش کیا جائے گا۔

1885ء میں مولوی محرم علی کی شادی قمرالنساء بنتِ حسن دین بن محمد بخش سے ہوئی جن کا والدین کی طرف سے نام چراغ بی بی تھا۔ مولوی حامد علی چشتی نے شادی کی تاریخ ۲۵۔ ذی الحجہ ۱۳۰۲ھ مطابق 5۔ اکتوبر 1885ء مطابق ۲۱۔ اسوج سمبت ۱۹۴۲ ب۔ بیان کی ہے۔ (1) یہ خاتون ایک سال تک دق کے مرض میں مبتلا رہنے کے بعد 9۔ مارچ 1892ء کو بدھ کے روز اذان صبح کے وقت وفات پا گئیں۔(2) اس سانحہ سے چند روز قبل خدا نے انہیں ایک بیٹی عطا کی تھی جس کا نام فخرالنساء رکھا گیا۔ فخرالنساء کی ولادت ۲۱۔ رجب ۱۳۰۹ھ

---

(1) مولوی حامد علی چشتی: روزنامچہ مولوی حامد علی۔ ق: 13۔

(2) ایضاً ق: ۱۴

وفات پائی 21 - فروری 1892ء کو۔ گویا ماں کے انتقال پر بیٹی صرف اٹھارہ دن کی تھی۔ قمرالنساء سے دو بڑے بھائی تھے مولوی محرم علی کے بیٹے، مولوی قاسم علی چشتی اور مولوی ابراہیم علی چشتی تھے۔

مولوی قاسم علی چشتی ریاست جموں میں وکیل تھے اور علم و فضل میں شہرت رکھتے تھے۔ حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی سے خاص فیضان حاصل تھا۔ اور انہی سے فاضل لاہوری کا لقب تفویض ہوا تھا۔ مولوی قاسم علی چشتی کی تاریخ ولادت 9۔ مارچ 1892ء ہے۔ مولوی قاسم علی چشتی کی اولاد سے ایک لڑکا عثمان علی اور دو لڑکیاں سعیدہ اور حمیدہ موجود ہیں۔

مولوی ابراہیم علی چشتی تحریک آزادی کے سرگرم کارکن تھے اور تحریکِ پاکستان کے سلسلے میں ان کی خدمات صفحۂ تاریخ پر ثبت ہیں۔ تمام زندگی مجرد رہے۔

مولوی محرم علی چشتی نے پہلی بیوی کی وفات کے بعد یکم اپریل 1909ء کو پشاور میں اپنے مرشد پیر طریقت حضرت دستان شاہ کابلی کی صاحبزادی سے شادی کی جن کی عمر شادی کے وقت 16 سال تھی۔ مولوی حامد علی چشتی نے اس شادی پر مندرجہ ذیل یادداشت قلمبند کی ہے:

یکشنبہ (یکم اپریل 1909ء) نکاح ثانی محرم علی ہمراہ دختر دستان شاہ مرحوم مرشد او، شانزدہ سالہ در پشاور شدہ۔ دستان شاہ سہ زوجہ گزاشتہ بود یک یک بچہ از دستان شاہ آوردہ بود و مردند۔ این دختر کہ ہمراہ محرم علی منکوح شدہ از زوجہ سوم است۔ (1)

مولوی محرم علی چشتی نے 9۔ فروری 1909ء کو وکالت کا امتحان پاس کیا اور زندگی کے آخری لمحوں تک علم و ادب اور سیاست سے وابستگی کے ساتھ ساتھ وکالت کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔

مولوی محرم علی چشتی اپنے دور کی تیغ بے نیام شخصیت تھے۔ ان کی اردو خدمات پر آئندہ باب میں بحث ہوگی۔

مولوی محرم علی چشتی نے 4۔ دسمبر 1934ء کو صبح صادق کے وقت وفات پائی۔

مولوی محرم علی اردو اور فارسی زبان کے بہت اچھے شاعر اور بلند پایہ نثر نگار اور صحافی تھے۔

---

(1) مولوی حامد علی چشتی: روزنامچہ حامد علی چشتی: ص 409 - مملوکہ پروفیسر قرۃ العین چشتی۔ لاہور۔

8۔ مولوی حامد علی چشتی المتخلص بہ حامد

مولوی محمد علی چشتی پھلواری ابن مولوی احمد بخش بیکل چشتی کے بیٹے تھے۔ سال ولادت ۱۲۷۳ھ/ 1856ء ہے جو مولوی بیکل کے موزوں کئے ہوئے مندرجہ ذیل شعر سے برآمد ہوتا ہے: (۱)

بگفتہ کے تعمیم از سال تولید
نظام الحق والدین حامد ان باد (۱۲۷۳ھ)

میرے راقم الحروف کے پاس مولوی حامد علی چشتی کے جو قلمی مسودے ہیں ان میں ایک کاغذ پر مولوی صاحب موصوف نے اپنے سوانحی کوائف لکھے ہیں۔ یہ کوائف بعینہٖ درج کئے جاتے ہیں:

حامد علی چشتی

تاریخ ولادت: اول دسمبر ۱۸۵۶ء۔ ۲۔ ربیع الاول ۱۲۷۳ھ

رسم بسم اللہ: ۱۶۔ فروری ۱۸۶۱ء۔ ۵۔ شعبان ۱۲۷۷ھ

محکمہ تار (ٹیلیگراف) میں ملازم ہوا: ۱۵۔ جولائی ۱۸۶۸ء۔

۲۰۔ نومبر ۱۸۷۷ء کو ٹریفک منیجر کے دفتر سے آڈٹ ڈیپارٹمنٹ میں تبدیل ہوا۔

محکمہ آڈٹ، ریلوے: ۲۰۔ نومبر ۱۸۷۷ء

ریٹائرمنٹ: 1916ء

شادی: ۱۷۔ اپریل ۱۸۷۱ء۔

مولوی حامد علی چشتی کی وفات 18۔ اکتوبر 1916ء کو ہوئی۔ مولوی صاحب موصوف کثیر الاولاد تھے۔ ان کے سات بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ جن کے نام یہ ہیں: مولوی عبدالغنی چشتی۔ مولوی عبدالمجید چشتی۔ مولوی عبدالمجید چشتی۔ مولوی احمد علی چشتی۔ مولوی عبدالرشید چشتی۔ مولوی عبدالحمید چشتی۔ محمود بیگم اکبری۔ مسعود بیگم اصغری۔ آپ کی اولاد کے مفصل کوائف چشتی خاندان کے شجرۂ نسب میں موجود ہیں۔

مولوی حامد علی چشتی کی شاعری اور اردو خدمات پر اگلے باب میں بحث ہوگی۔

---

(۱) مولوی احمد بخش بیکل چشتی: اوراق متفرقہ۔ منسلکہ گلستان سعدی، بخط بیکل مخزونہ نیشنل میوزیم کراچی۔

9 - مولوی عبدالرشید چشتی:

مولوی عبدالرشید چشتی ابن مولوی حامد علی چشتی ابن مولوی محمد علی بیدل چشتی بن فخرالشعرا مولوی احمد بخش یکدل چشتی 1876ء میں پیدا ہوئے۔ مولوی حامد علی چشتی نے اپنے روزنامچے میں ان کے تولد کی تاریخ درج کر رکھی ہے:

"عبدالرشید چشتی چہار گھڑی شب رفتہ سہ شنبہ 19 - صفر المظفر ۱۲۹۳ھ دو شنبہ 17 اپریل 1876ء مطابق ۲۷ - چیت 1931 سمت تولد شدند۔" (۱)

11 - نومبر 1878ء کو جبکہ ان کی عمر ساڑھے چار سال تھی، اپنے محلے کی مسجد میں قرآن خوانی اور فارسی و عربی کی ابتدائی تعلیم کے لئے حافظ عبدالعزیز مرحوم کے پاس بھیج دیا گیا۔ 1884ء میں گورنمنٹ برانچ سکول میں داخل ہوئے جہاں سے مڈل پاس کیا۔ اس کے بعد مولوی عبدالرشید اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور میں داخل ہوئے جہاں سے 1892ء میں انٹرنس (میٹرک) کا امتحان پاس کیا۔ 1896ء میں گورنمنٹ کالج لاہور کے طالب علم کی حیثیت سے ایف۔ اے کے امتحان میں کامیاب ہوئے۔ اسی سال آپ کی شادی کر دی گئی۔ آپ ازدواجی زندگی کو بے حد پسند کرتے تھے اور میاں بیوی کے درمیان افہام و تفہیم کے پاکیزہ رشتے استوار تھے۔ گو بعد ازاں ذمہ داریوں کے باوجود تعلیم کا سلسلہ منقطع نہ کیا اور 1898ء میں بی۔ اے کے امتحان میں شریک ہو کر کامیابی حاصل کی۔

تعلیم سے فارغ ہو کر ملازمت کا سلسلہ شروع ہوا۔ 22 - نومبر 1898ء سے 27 - اپریل 1899ء تک آبزرور پریس لاہور کے مینیجر رہے۔ 1900ء میں کچھ عرصہ کے لئے راولپنڈی چلے گئے جہاں پر موصوف اسلامیہ سکول کے ہیڈ ماسٹر تھے۔ اسی طرح 1902ء میں چند ماہ کے لئے اسلامیہ سکول گوجرانوالہ نے ہیڈ ماسٹر کے طور پر آپ کی خدمات حاصل کیں۔ اسی زمانے میں آبزرور میں جب ایڈیٹر کی پوسٹ خالی ہوئی تو مولوی عبدالرشید چشتی کو ان کی ذہانت، علم اور انگریزی زبان پر غیر معمولی عبور کی بنا پر منتخب کر لیا گیا۔ چنانچہ 22 مئی 1902ء سے روزنامہ آبزرور کے ایڈیٹر مقرر ہوئے جب سے وہ آخر دم تک وابستہ رہے۔

مولوی عبدالرشید کا انتقال 6 - مارچ 1903ء کو ہوا۔ ان کے سوگوار باپ مولوی حامد علی چشتی

---

(۱) مولوی حامد علی چشتی: روزنامچہ مولوی حامد علی، مملوکہ پروفیسر وقار العین چشتی، لاہور۔

نے اس ناگاہ واقعہ کو اپنی یادداشتوں میں یوں قلمبند کیا ہے:

"جمعہ گذشتہ ، ۵۔ ذوالحجہ ۱۳۲۰ھ مطابق 6۔ مارچ 1903ء/ ۲۳ پھاگن
سمت ۱۹۵۹ ، لخت جگرم نور چشمی سرمایۂ عمر مستعار من مولوی عبدالرشید چشتی
بعارضہ سعال بعد دوازدہ روزہ دو پہر این جہان فانی را ترک کرد"۔ (۱)

مولوی عبدالرشید چشتی کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ ان کی یادگار اردو میں لکھے ہوئے وہ بیش قیمت مقالات اور مضامین ہیں جو ان کے معاصر جرائد بالخصوص سر عبدالقادر کے مجلے "مخزن" لاہور میں شائع ہوتے رہے۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے ایک عزیز دوست میرزا الٰہی بخش نے آپ کے والد گرامی اور دیگر احباب کے تعاون سے ان تمام منتشر تحریروں کو یک جا کیا اور ان کی سوانح حیات پر مشتمل تمہید کے ساتھ "حیات رشید" میں [illegible] کر کے 1909ء میں شائع کر دیا۔ مولوی عبدالرشید چشتی اردو نظم اور نثر دونوں میں اسلوب خاص کے حامل تھے۔ ان کی نظمیں "حیات رشید" میں موجود ہیں۔ چند نظموں کے عنوانات یہ ہیں: (2)

دل پُر درد : مطبوعہ مخزن مارچ 1903ء

اس عنوان سے مدیر مخزن نے خود قائم کیا ہے۔ یہاں ادارتی نوٹ کے بعد مرحوم کی ایک اردو غزل اور چند اشعار درج کیے گئے ہیں۔ غزل کا مطلع ہے:

عشق زنجیر ہے اک دل کے جکڑنے کے لئے — حسن گل دام ہے بلبل کے پکڑنے کے لئے

استقلال : مطبوعہ مخزن اکتوبر 1903ء
کیفیت صبح : " " جنوری 1904ء
تحفہ : " " فروری 1904ء
آرزوئے صحت : " " مارچ 1904ء
مسعود بیٹا : " " جنوری 1905ء

"حیات رشید" میں دوستوں اور عزیزوں کے نام خطوط کے علاوہ ان کی نثر کے جواہر پارے بھی شامل ہیں جو درج ذیل ہیں۔ (3)

1۔ دوستی۔
2۔ امید۔
3۔ تاریخ عالم کے اوراق۔
4۔ انگلستان کی تاریخ پر ایک سرسری نظر۔

---

(1) مولوی حامد علی چشتی: روزنامچہ حامد علی، مملوکہ پروفیسر توقیر احمد چشتی لاہور۔
(2) میرزا الٰہی بخش: حیات رشید، لاہور 1909ء، ص 164 تا ص 175۔
(3) ایضاً ص 64 تا ص 165۔

5. یادِ دلِ افسردہ
6. مشرق اور مغربی زندگی کا مقابلہ
7. سرسید احمد خاں مرحوم کی یاد میں ۔ اشاعت اول ۔ چودھویں صدی راولپنڈی ۔ یکم اپریل 1900ء
8. سید احمد خان کی گدی ۔ " ۔ اتفاق ، سادھورہ ۔ یکم فروری 1901ء
9. نگاہیاں ۔ " ۔ مخزن ستمبر 1901ء
10. سرسید کی برسی ۔ " ۔ چودھویں صدی راولپنڈی ، 27 ۔ مارچ 1902ء
11. " " " ۔ " ۔ " " 23 مارچ 1902ء
12. بچوں کو اخبار کی مبارک ۔ " ۔ بچوں کا اخبار ۔ جون 1902ء ۔

اردو نثر میں تراجم

1. دماغی تعلیم
2. حقوقِ رعایا ۔ اشاعت اول ۔ مخزن ستمبر 1901ء
3. امریکہ کی آزادی ۔ " ۔ " جنوری 1902ء
4. اصولِ حکومت ۔ " ۔ " مارچ 1903ء

مولوی عبدالرشید چغتائی سرسید احمد خاں مرحوم کی شخصیت، افکار اور اسلوبِ تحریر سے بے حد متاثر تھے۔ انہوں نے "سرسید کی برسی" کے عنوان سے لکھے ہوئے مضامین اور تقریروں میں سرسید کو جن الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ اس سے یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے۔

ان کی شاعری میں مقصدیت اور مدعا نگاری کا وہی عنصر کار فرما ہے جو سرسید اور ان کے رفقا کی تحریروں کے لئے مخصوص ہے۔ ان کی نظم "ہمت" اور "استقلال" حالی کے رنگِ سخن کی یاد دلاتی ہے۔ وہی اخلاقی درس اور وہی اصلاحِ قوم کا جذبہ ان نظموں میں کار فرما ہے۔ یہاں جگہ ان کی نظم "استقلال" بطور نمونہ نقل کی جاتی ہے:

بہار ہو، وہ نئی جگہ سے ٹلے تو ٹل جائے ۔ اور آفتاب لبِ قبر جو ہے ڈھل جائے
مگر نہ صاحبِ ہمت کا حوصلہ ٹوٹے ۔ کبھی نہ جھولے سے اپنی جبیں پہ بل آئے
ہزار بار ارادہ میں گو شکست ہو ۔ مگر نہ پائے صداقت کہیں پھسل جائے
رقیب لاکھوں ہوں حاسد ہوں سیکڑوں دشمن ۔ حسد کی آگ میں بدخواہ خود ہی جل جائے
ہمیشہ دشمنِ قلب میں ہو گرم رفتاری ۔ ہزار عشق میں ہوں منہ موڑ کر نکل جائے
ہمیشہ فکر رہے دوسروں کا دامنگیر ۔ دلِ حزیں کو نہ اس بیکلی سے کل آئے
نہ کام خیر میں گاہے ہو التوا ہرگز ۔ جو کام آج ہو کرنا وہ کل نہ کل آئے
جو فتح ہو تو کبھی اس پہ شادماں نہ ہو ۔ غرور و کبر سے سر میں نہ کچھ خلل آئے

مثالِ مرد ہر اک امتحان سے گزرے / نگاہ اگر کہیں ٹھوکر تو جھٹ سنبھل جائے
رہے جہان میں جب تک تو فکر کار رہے / اور آنکھ میچ کے سو جائے جب اجل آئے
جو مستقل ہو ارادے میں استوار دل / وہ کیوں نہ بچ کے جہان سے ہمیشہ نکل جائے
زمانہ خواہ کسی بھیس سے بکھیر لے آنکھیں / مگر نہ اس کا دلِ تیرہ وقت بدل جائے

نثر میں لعل سر سید کے اسلوب کی جھلک موجود ہے۔ سلاست، متانت اور پختگی ان کے اسلوب نثر کی نمایاں خصوصیات ہیں۔

۱۵۔ مولوی عبدالرحمٰن چشتی المتخلص بہ رحمٰن

مولوی عبدالرحمٰن چشتی، مولوی حامد علی چشتی بن مولوی محمد علی سردل چشتی بن مولوی احمد بخش تھیدل چشتی کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔ ۲۷۔ محرم الحرام ۱۲۸۹ھ مطابق 16 اپریل 1872ء مطابق ۲۶ چیت سمت 1929 [illegible] کو سہ شنبہ کے دن ایک بجے علی الصبح متولد ہوئے۔ ۱۲۔ [illegible] اکتوبر 1889ء کو آپ کی شادی ہوئی۔ کثیر الاولاد تھے۔ چار بیٹے اور چھ بیٹیاں تھیں۔ بیٹوں میں دو فرزند [illegible] فوت ہوئے۔ جن کا نام مولوی مسعود علی چشتی اور مولوی محمود علی چشتی ہیں۔ دوسرے دو بیٹے منصور علی چشتی اور محمود علی چشتی تھے۔ آخرالذکر 1917ء میں انتقال کر گئے تھے۔ ان کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ مولوی منصور علی چشتی کے ایک بیٹے عزیزی مقصود ہیں جن کے [illegible]۔ [illegible]

پانچ بچے ہیں: سلمیٰ، منشی، شمسی، کریم اور رؤف۔

مولوی عبدالرحمٰن چشتی اردو کے بہت اچھے شاعر تھے۔ "رفیق ہند" لاہور میں ان کی نظمیں اور قطعات تاریخ شائع ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ ۲۲۔ مئی ۱۸۸۶ء کے رفیق ہند میں ان کا مصنفہ ایک قطعہ تاریخ موجود ہے جس میں منشی [illegible] عبدالغنی صاحب نقشبند ٹھیکیدار کے بیٹے [illegible] محمد اشرف کی ناگہانی وفات پر گہرے غم کا اظہار کیا گیا ہے۔ یہ نظم مولوی عبدالرحمٰن چشتی کے کلام کا عمدہ نمونہ ہے۔ چند اشعار درج ذیل ہیں:

آسمان درد و غم کی ہے تصویر / یاس و حسرت سے ہے زمین کی خمیر
دم میں ہوتی ہے بات کچھ کی کچھ / سر بہ زانو ہے گھڑی تقدیر
نوجوان کیسے ہائے افسوس / خاک میں مل گئے ملا نہ نظیر
حیف محمد اشرف کو / آہ آن میں قضا کا تیر
تھا ابھی تو یہ رنگ ذہانت کا / عمر میں لڑکا، عقل میں تھا پیر
نورِ دانش جبینِ روشن پر / نورِ حقیقت تھا جیسے ماہِ منیر

یک بیک جب ہوئی قضا نازل — جی کی جی میں رہی ہر اک تدبیر
برگ گل کو جو خار کا تھا خوف — خاک کا ہو گیا وہ [illegible] خمیر
نرگسیں چشم اور وہ دندان — بال جن میں کہ تھا عطر و عبیر
سب کے سب خاک کے بنے بستر — خواب میں گویا دیکھی تھی تصویر

ان کے اردو کلام کے نمونے کم ہیں۔ فارسی کلام قطعات اور مادہ ہائے تاریخ کی صورت میں موجود ہے۔ مولوی عبدالرحمٰن چشتی صاحب علم و فضل تھے۔ ان کی ایک بیاض جس میں ان کے خاندان کے معروف بزرگوں کی وفات پر احباب کے کہے ہوئے قطعات تاریخ درج ہیں، راقم الحروف کے پاس موجود ہے۔ اس بیاض میں مولوی عبدالرحمٰن چشتی کے چند نثر پارے بھی ہیں۔ ان میں سے ایک مضمون انہوں نے اپنے والد مولوی حامد علی چشتی کی یاد میں تحریر کیا ہے۔ نثر کا اسلوب بے تکلف، سلیس اور سادہ ہے۔

1943
مولوی عبدالرحمٰن چشتی نے یکم جنوری 1963ء کو وفات پائی۔ روزنامہ انقلاب مورخہ ۲ جنوری میں وفات کی خبر شائع ہوئی۔

۱۱۔ مولوی ممتاز علی چشتی المتخلص بہ ممتاز و خوش دل

مولوی ممتاز علی چشتی، مولوی عبدالرحمٰن چشتی کے فرزند اکبر تھے۔ آپ کا سال ولادت ۱۳۱۳ھ مطابق 1895ء ہے۔ مولوی ممتاز علی چشتی کا 1913ء سے 1928ء تک کا لکھا ہوا اردو روزنامچہ راقم الحروف کے پاس موجود ہے۔ جس میں ان کی نثر کے اعلیٰ کارنامے کے علاوہ ان کی شاعری کے نمونے بھی درج ہیں۔ تفصیل اگلے باب میں آئے گی۔

مولوی ممتاز علی چشتی کے ہاں ایک بیٹا 13۔ فروری 1918 کو پیدا ہوا۔ جس کی 26 فروری 1918 کو وفات ہو گئی۔

مولوی ممتاز علی بہت با استعداد آدمی تھے۔ انہیں اپنے بزرگان خاندان کے علمی آثار جمع کرنے کا بے حد شوق تھا۔ مولوی نور احمد چشتی کی کتاب "مقام حیرت" اپنے خرچ سے شائع کی۔ روزنامچہ میں ایک جگہ مولوی نور احمد چشتی کی دوسری کتاب "تحقیقات چشتی" کی نقل اور تصحیح کا ذکر بھی موجود ہے۔
مولوی ممتاز علی چشتی نارتھ ویسٹرن ریلوے میں ملازم تھے۔ اس ملازمت کے لئے ان کی سفارش سر محمد شفیع بار ایٹ لاء نے کی تھی۔
مولوی ممتاز علی ۱۹۲۶ء میں طاعون کے اچانک حملے سے فوت ہوئے۔

۱۲۔ مولوی محمد ابراہیم علی چشتی

مولوی محمد ابراہیم علی چشتی، مولوی محرم علی چشتی ابن مولوی احمد بخش یکدل چشتی کے فرزند تھے۔ ۱۳۳۵ھ / 1916ء میں پیدا ہوئے۔ تاریخی نام "انتخاب احمد" تھا۔ 1946ء میں آپ تحریک رفاقت کے پروونشل سیکرٹری تھے۔ اس تحریک کے صدر، [illegible] کے وزیر اعظم خواجہ شہاب الدین خان تھے۔ تحریک پاکستان کے سلسلے میں مولوی محمد ابراہیم علی کی

خدمات، پاکستان شناسوں سے پوشیدہ نہیں۔ قیام پاکستان کے بعد پاکستان میں نظام اسلام
کے نفاذ اور اسلامی اصولوں کے مطابق آئین کی ترتیب میں بڑھ
چڑھ کر حصہ لیا۔ انہوں نے اپنے دوستوں اور ہم خیال مفکرین کی ایک جماعت بنائی جو
پاکستان میں قرآن و سنت کی بالادستی کے لئے کوشاں رہے اور اس کے خلاف ہر سازش
کا مستعدی سے مقابلہ کرتے رہے۔ مولانا عبدالستار خان نیازی
اور میاں محمد شفیع (م۔ش) اسی جماعت کے رکن ہیں۔ یہ دونوں بزرگوار،
مولوی محمد ابراہیم علی چشتی کے گہرے دوستوں میں سے ہیں م۔ش کا ارادہ ہے وہ اولین
فرصت میں چشتی صاحب پر تحقیقی کام کا آغاز کریں گے اور قیام پاکستان کے سلسلہ میں ان
کی کاوشوں کو منظر عام پر لائیں گے۔

مولوی محمد ابراہیم علی چشتی علم و فضل، زہد و تقویٰ، خاندانی شرافت اور نجابت
کا نمونہ تھے۔ ان کی رہائش گاہ پیسہ اخبار لاہور میں تھی۔ جہاں ان کا عظیم الشان علمی
ذخیرہ اور نادر کتب خانہ بھی موجود تھا۔ راقم الحروف بھی اسلامیہ کالج کے زمانہ طالب علمی میں
1954 سے 1963 تک اپنے دوستوں کے ہمراہ باقاعدہ ان کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا
ہے۔ آپ صورت اور سیرت دونوں کے اعتبار سے خوبرو، شائستہ اور جوان مرد تھے۔
انگریزی اور اردو دونوں زبانوں میں صاحب اسلوب ادیب تھے۔ ان کی انگریزی تحریریں
اکثر پاکستان ٹائمز میں شائع ہوتی تھیں۔ اور انگریزی دان حضرات زبان کے اعتبار سے ان تحریروں کو
سند کا درجہ دیتے تھے۔ مولوی محمد ابراہیم علی کی اردو تصانیف کی ایک نامکمل فہرست درج
ذیل ہے۔ یہ فہرست گرامی قدر جناب م۔ش کے ذاتی کتاب خانہ کی مدد سے تیار کی ہے۔

1. توزک جہانگیری (ترجمہ) ناشر لائن پریس لاہور
2. انگریز کا راج کیوں ختم ہوا (ترجمہ) " "
3. اردو قرآن مجید " دارالخلافت پیسہ اخبار لاہور ۱۳۵۸ھ
4. پاکستان کے لئے جدید اسلامی دستور " لائن پریس، ملتان روڈ [illegible] لاہور
5. امت اور ملت (ترجمہ از مثنوی مولانا روم) ناشر: لائن پریس لاہور

۱۳۔ مولوی مسعود علی چشتی المتخلص بہ مسعود

مولوی مسعود علی چشتی المتخلص مسعود، مولوی عبدالرحمٰن چشتی کے فرزند تھے۔ آپ
کی تاریخ ولادت ۲۲۔ جمادی الاول ۱۳۱۷ھ مطابق 29۔ ستمبر 1899ء ہے۔
تعلیم بی۔اے تک تھی۔ ۹۔ مئی ۱۹۱۷ء کو سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور میں
ملازم ہوئے۔ اس کے بعد درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔

راقم الحروف کو ان سے شرفِ نیاز حاصل تھا۔ چونکہ ہمارا خاندان میرٹھ میں رہ چکا تھا۔ مولوی مسعود علی اپنی خاندانی روایات اور سوانح کے چلتا جاگتا دائرۃ المعارف بھی تھے۔ حافظہ بے نظیر کمال میں لذت ہے، اپنے خاندان پر علمی کام کے سلسلے میں اہل علم اور محققین کی مدد میں ہمیشہ مستعد رہے۔ پنجاب میں اردو کی تاسیس کے وقت مولوی محمد ابراہیم چشتی خوشتر کے سوانح کے سلسلے میں حافظ محمود شیرانی نے، مولوی مسعود علی چشتی سے مدد لی اور حاشیے میں ان کا شکریہ ادا کیا۔ راقم الحروف کو زیر نظر مقالے کے لئے چشتی خاندان کے بارے میں مواد کی فراہمی بھی ان کی بزرگانہ عنایت کا ایک حصہ ہے۔

مولوی مسعود علی چشتی کی وفات کی خبر میں نے کچھ عرصہ پہلے ایک دوست کے ذریعے حاصل کی تھی۔ میں نے کئی جگہ ان کے لواحقین سے رابطہ قائم کیا لیکن اس کی تفصیل میسر نہ آئی۔ حق تعالیٰ مغفرت کرے نادر روزگار دانشوروں میں سے تھے۔

مولوی مسعود علی چشتی کی دو صاحبزادیاں ہیں۔ ایک کا نام حقیقیس اور دوسری کا نام انفاس ہے۔ حقیقیس صاحبہ کے دو بیٹے جاوید رضوی اور احفاد جعفر رضوی ہیں۔ انفاس صاحبہ کی دو بیٹیاں آمنہ اور عائشہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس خاندان کو برکت دے۔

مولوی مسعود علی چشتی اردو اور فارسی کے پختہ کلام شاعر تھے۔ آپ کی غزلیات اردو اور فارسی کے مسودے راقم الحروف کے پاس موجود ہیں۔ اگلے باب میں ان کا انتخاب درج کیا جائے گا۔

باب پنجم — خاندانِ چشتیہ کی اہم اردو تصانیف

۱۔ دیوانِ یکدل اردو — از مولوی احمد بخش یکدل

مولوی احمد بخش یکدل السنۂ شرقیہ کے ماہر اور فارسی و عربی ادب کے مشہور اساتذہ میں سے تھے ان کے معاصرین نے دل کھول کر ان کے اوصاف کا اعتراف کیا ہے۔ مولوی صاحب علم و فضل کے ساتھ ساتھ خوش گلو، مشاعرہ اور صاحبِ طرز ادیب بھی تھے۔ فارسی انشا پردازی نے انھیں پورے ملک کے ادیبوں اور انشا پردازوں میں ممتاز کر دیا تھا۔ شعر کے معتبر مذاق اور شاعری کی اعلیٰ صلاحیت نے موصوف کو اپنے عہد کے اساتذہ میں جگہ دی۔ حکیم مفتی غلام سرور لاہوری اور کنہیا لال ہندی دونوں نے لکھا ہے کہ یکدل اپنے عہد کے صف اول کے شعراء میں سے تھے۔ عہد فارسی، اردو، عربی اور پنجابی چاروں زبانوں میں شعر کہتے تھے اور ہر زبان میں شاعری کے لئے الگ تخلص ہونے کے سبب کئی تخلصوں کے مالک تھے، جیسا کہ خود لکھتے ہیں:

"احمد بخش در ہر بیت بموجب آئین داخل کردم و یکدل در شعر فارسی و نثر و مہر تخلص اشعار در پروانہ و القاب و چشتی نیز در فقراء و در عربی متحد القلب و در عوام بلفظ مولوی مشہورم و من عاجزم کہ شش نام دارم۔ اما منشی صورت پیر بخش نام نہادہ بود و آن ہم در طفلی مشہور بود۔ صاحب ہفت نام ہستم۔" (۱)

1862ء یعنی سفر دہلی سے پہلے یکدل کے اشعار زیادہ تر فارسی اور پنجابی میں تھے۔ اردو اشعار کی تعداد بہت کم تھی۔ یکدل اس وقت اردو میں اشعار صرف خاص مواقع پر کہتے تھے، مثلاً عید اور ہولی وغیرہ کے قطعات میں یا محض تفننِ طبع کے طور پر یا کبھی کبھی شاگردوں کی تربیت کے لئے۔ اس لحاظ سے 1862ء سے پہلے کے اشعار دیوان کی اردو شاعری کا پہلا دور کہنا مناسب ہوگا۔ دوسرے دور کی شاعری جس میں انھوں نے اردو زبان کو پوری سنجیدگی اور توجہ سے وسیلۂ اظہار بنایا اس جگہ ہماری بحث کا موضوع ہے۔

مولوی یکدل نے شروع میں اپنی اردو غزلیات کو فارسی شاعری کی طرح اپنی یادداشتوں اور بیاضوں میں دیگر واقعات اور حادثات کے ساتھ قلمبند کرنا شروع کیا اور انہیں الگ کسی اہتمام کے ساتھ جمع نہیں کیا۔ 1868ء میں انھوں نے اپنے عہد کے اردو شعراء نیز اپنے تلامذہ کے بعض کلام یکجا

---

(۱) مولوی احمد بخش یکدل چشتی: بیاضِ یکدل شمارہ 13۔ اس اقتباس میں "بیت" سے مراد پنجابی زبان میں شعر یا سی حرفی کا ایک بند ہے۔

کے کلام کا انتخاب "بیاضِ اشعار" میں کیا تو اس میں اپنا اردو کلام بھی یکجا کر دیا۔ البتہ 1861ء کا لکھا ہوا ایک اردو قصیدہ جس کے ممدوح حافظ الملک نواب معین الدولہ بہاول خان رابع والیٔ بہاولپور ہیں، اس بیاض میں موجود نہیں ہے اور وہ گیلانی کے متفرق اوراق سے دستیاب ہوا ہے۔ شاید یہ قصیدہ بیاض کی شروع یا اختتام کے فوری بعد لکھا گیا ہوگا۔ دراصل 1849ء میں پنجاب پر انگریزوں کے قبضے کے بعد گیلانی اپنے آپ کو تنہا اور علوم مشرقیہ کو بے سرپرست سمجھنے لگے تھے۔ وہ طبعاً انگریزوں کو ناپسند کرتے تھے اور یہ نفرت اس قدر شدید تھی کہ اس کے برعکس ہونا فوری طور پر ان کے لئے ناممکن تھا۔ پھر وقت نے اور انگریز اہلکاروں کے ان کے ساتھ اچھے برتاؤ نے انہیں ان کی طرف سے دل صاف کرنے پر مجبور کیا۔ مدتہ 1863ء کی ایک یادداشت میں وہ انگریزی عہد کے بارے میں مندرجہ ذیل تأثرات قلمبند کرتے ہیں:

"در من در عہد انگریز ما تنہا شدم و ہمہ مردم مشغول ہوا و ہوس شدند۔ وامروز مردم ہم انگریزی خواندن و درس و تدریس یک لخت نابود شدہ و کسی را پروای علوم نماندہ"۔ (1)

چنانچہ اس صورتِ حال میں انہوں نے راجہ رنبیر سنگھ خلف راجہ گلاب سنگھ والیٔ کشمیر سے اور حافظ الملک بہاول خان رابع والیٔ بہاولپور سے توسل پیدا کرنے کی کوشش کی اور ان کی شان میں قصائد لکھ کر روانہ کیے۔ اس سلسلے میں خود بھی 1861ء سے پہلے بہاولپور اور 1862ء میں جموں (کشمیر) گئے۔ (2)

"بیاضِ اشعار" کی اردو غزلیات بیاضوں اور متفرق اوراق میں درج شدہ غزلیات سے تعداد میں زیادہ ہیں اس لئے یہ باور کیا جاسکتا ہے کہ یہ غزلیں 1861ء تک کی اردو غزلیات کا مجموعہ ہیں۔ بیاضِ اشعار کے بعد اردو غزلیات ایک اور مجموعہ گیلانی نے مرتب کرنے کی کوشش کی۔ یہ بیاض بہت اہتمام سے تیار کی گئی تھی۔ کاغذ انگریزی، لوح منقش، جلد چرمی مزین با کار چینہ۔ محمل بہاؤالدین لشادری، لیکن معلوم ہوتا ہے گیلانی کو اسے مشتہر کرنے کا یا بیاض کو مکمل کرنے کا موقع نہیں ملا۔ 25 نومبر 1866 میں گیلانی پر فالج کا حملہ ہوا تھا جس میں وہ ایک سال تک مبتلا رہے اور 2۔ نومبر 1867ء کو وفات پائی۔ گمان غالب ہے کہ یہ بیاض اسی زمانے میں بنائی گئی ہوگی، مفلوج ہونے کے بعد اسے ان کے فرزند مولوی نور احمد چشتی نے مرتب کیا اور مولوی گیلانی کے کلام کے ساتھ اپنا کلام بھی اس میں انتخاب کرنا شروع کر دیا۔ لیکن مولوی نور احمد چشتی کو بھی بیاض مکمل کرنے کی مہلت نہ ملی، وہ 11۔ اگست 1867ء کو ہیضے کے حملے سے اچانک فوت ہوگئے۔ یہ بیاض صرف آدھی لکھی ہوئی ہے اور باقی اوراق خالی پڑے ہیں۔

---

(1) مولوی احمد بخش گیلانی: اوراقِ متفرقہ با گلستانِ سعدی (مجلد) مکتوبہ ۱۲۸۰ھ/1863ء مخزونہ نیشنل میوزیم کراچی۔

(2) سفرِ بہاولپور کا ذکر "بیاضِ اشعار" (مکتوبہ 1861ء) میں اس طرح ہے: "خطبہ دیوان واقعہ کہ بدستخطی ایشان در سرکار فیض آثار صاحب بہاول خان عباسی بہ بہاولپور تقدیر آمدہ بود" اور سفرِ جموں کا ثبوت گیلانی کے مرزا سے ملے ہوئے خطوط میں سے ایک کا حوالہ کھیلا ہے کے حواشی میں دیا جائے گا۔

ان دونوں بیاضوں میں مولوی بیدل کی اردو غزلیات کی کل تعداد موجود نہیں۔ بے شمار متفرق اشعار "بیاض اشعار" میں درج ہیں، جن کی غزلیں ان میں سے دونوں بیاضوں میں موجود نہیں، یہ غزلیں گمنامی کے کس زندان میں پڑی ہیں، فی الحال پتا نا مشکل ہے۔ جو غزلیں مل سکی ہیں ان کی کل تعداد چونتیس 34 ہے۔ ان میں سے صرف چار غزلیں "بیاض اشعار" میں نہیں ہیں۔

اب تک بیدل کی جو اردو غزلیات دستیاب ہوئی ہیں ان کی تفصیل درج ذیل ہے:-

١۔ ہجر میں مجھ پہ جو آیا مرا جی جانتا ہے۔
2۔ دیکھ کے جب وہ آئینہ بالوں کو سلجھانے لگا۔
3۔ عارض پر نور ہے کیا خال دلبر کے لئے
4۔ سفینۂ ناز ترا برق ساں جو ہو جائے
5۔ کوئی دن ہم دیکھ کر افلاک کے سایے تلے
6۔ مری سی کھلبلہ کر بردلی کسو کی
7۔ گر راز کہوں کہاں میں تجھ دل کی پڑی کا
8۔ نمایاں ہے ترے ابرو پہ بسم اللہ کی صورت
9۔ جان میری اگر تری گلی جائے
10۔ چمن کی سیر کو دلبر چلے ہیں
11۔ اگر میں آہ آتش بار ماروں آسماں لرزے
12۔ فلک لرزے ملک لرزے قضا لرزے قدر لرزے
13۔ نازنیں جب سے سہی ہے میں جدائی تیری
14۔ مجھل ابر بر سے چشم جاری رس کو کہتے ہیں۔
15۔ تماشی ہے آنکھو، کیا مجھ خاک مسونا ہووے گا
16۔ سبب تری زلف پریشان کے مارے مارے
17۔ زہد و تقویٰ سے میاں دل کو اٹھانا چاہئے
18۔ ہم نے جو کچھ خیال میں دیکھا
19۔ آج ہم نے وہ دلربا دیکھا
20۔ جہاں میں گر ترے سا ہو کر ہووے تو میں جانوں
21۔ کوئی بے درد، درد کیا جانے
22۔ رشتۂ دار شمع، پروانے کو بلواؤ ذرا
23۔ وہ میں ہی تھا کہ خود کو رکھا تمام اب تک

24۔ مجھے دست چومنے کی آرزو ہے۔

25۔ جب دل میں رات دن مرے یار و خدا لیسے

26۔ جب نے اپنے سے مجھے آپ ہی منسوب کیا

27۔ خاک تھے نور ہوئے، مظہر اسرار ہوئے

28۔ فخر عالم کا جو بنی اور جہاں پر برسا

29۔ میرے گل مکیں ہی ہوں اور باد صبا میں ہی ہوں

30۔ مجھ کو سحر مصیبت بلبل کی یاد آئی

31۔ گل کے تیشئہ دید سے تیری پڑے لالے بلبل

32۔ شمشیر گر لے آوے تو اچھا، گلگوں کہیں

33۔ کون کہتا ہے کسی سے دل لگانا ننگ ہے

34۔ آج گلشن میں کیا مزہ ہوگا

قصیدہ مذکورہ بالا در مدح بہا والعفان رابع، تاریخ وفات حافظ رحمان ہے۔ تاریخ مطلع دریائے نور اور پہلے دور کا کلام اسی رنگ سے ہے۔ اس اعتبار سے نکیدل کا اردو دیوان، ان کے کلام کی قابل توجہ مقدار کا حامل ہے۔ (مثنوی اشعار جن کو بر جابجا "فرد" لکھا گیا ہے ان کی تعداد بھی بیس کے قریب ہے)۔

دور اول کے چند نمونے پیش کرنے کے بعد دور ثانی کے کلام پر بحث کی جائے گی۔ یہ کلام بیاض متفرق اوراق، "بیاض اشعار" بیاض کلام اردو، سب میں موجود ہے، بیاض اشعار سے چند نمونے درج ذیل ہیں۔

آخری بدھ:

آخری بدھ ہے اس مہینے کا — سیر کو نکلا شاہ مدینے کا
عاشقوں کے مزار جا کر دیکھو — گر مزا چاہتا ہے جینے کا

بسنت:

بسنت آئی بسنت آئی ہے شاہا رکو دیکھو — گل لالہ گل نرگس ہے جوشش ارغوانی ہے
مزار پاک ماد معو لال پر دیکھو گل افشانی — بسنتی پگڑیاں دیکھو بہار زعفرانی ہے

دوسرے دور کی شاعری سے ثابت ہے کہ نکیدل نے اردو شاعری کی طرف پوری توجہ دی ہے۔ اور اپنے فارسی کلام کے ہم پلہ بنانے کی کوشش کو بروئے کار لائے ہیں۔ یہ دور جوانی کی زندگی کے بیس سالوں پر محیط ہے اس دور میں لکھی ہوئی غزلیں مضامین کے تنوع اور موضوعات کی وسعت سے ہمکنار ہیں۔ ان میں دہلوی شعراء کی صحبتوں کا اثر بھی نمایاں ہے۔

خاص طور پر بہادر شاہ ظفر سے معاصر ہونے اور قلعہ معلی کی ادبی محفلوں نے یکدل کی زبان کو اہلِ دہلی کے محاورے اور لب و لہجے کے نزدیک کر دیا۔ یکدل نے ایک غزل کے مقطعے میں بہادر شاہ ظفر سے استفادے کا ذکر کیا ہے۔ اس غزل کا مطلع ہے:

دم میں ہی تھا کہ ہمدم کو دیکھا مقام اب تلک
ورنہ تو کر چکی تھی قضا کام اب تلک

اور مقطع یوں ہے:

یکدل جو بول چال ہے اردو زبان کی
حضرت حضور شاہ ظفر ہی سے ہیں وام اب تلک (۱)

اس کے علاوہ ظفر کی زمینوں میں بھی غزلیں کہی ہیں۔ مثلاً ظفر کی غزل ہے:

حلقۂ چشم جو اس نے دکھایا صراحی جاتا ہے
کیا جدا ہے نظر آیا صراحی جیسا نقاب ہے (۲)

یکدل نے اس زمین میں غزل کہی ہے جس کا ایک شعر ہے:

میں نے احوال کہا، مجھ کو دکھا زلف کا دام
انگلیوں کو جو بڑھایا صراحی جاتا ہے

ظفر کی ایک اور غزل "خوشی تھی کسو کی" کے تتبع میں یکدل کی غزل ہے:

جو دل میں کھلا آبرو تھی کسو کی
جو جاں اس دن گلو تھی کسو کی

اس غزل میں بعض صاف ستھرے شعر نکلے ہیں:

ہنسی باغباں چھیڑتے میں ترا گل
مجھے باغ میں آرزو تھی کسو کی

یہ سب کے وفا دیکھیے ہم جو مجھ میں
مجھے تیلیو جستجو تھی کسو کی

مقطع میں ظفر کی عظمت کا اعتراف یوں کیا گیا ہے:

شہنشاہِ دہلی سا ہو کون یکدل
غزل کی کھلا دو بہو تھی کسو کی

مولوی احمد بخش یکدل جس طرح فارسی شاعری میں امیر خسرو دہلوی کے پرستار ہیں اس طرح اردو شاعری میں بہادر شاہ ظفر، استاد ابراہیم ذوق سے بے حد متاثر ہیں۔ یکدل نے ذوق کی وفات کا

---

(۱) یکدل: بیاض اشعار۔ ص 88 ۔ (۲) پوری غزل بیاض اشعار ص: 31 پر موجود ہے۔

کرہ نور لاہور میں اپنے تاثرات شائع کرائے تھے جب میر احسن نے اپنی اور ذوق کے درمیان دہلی میں ملاقاتوں کا ذکر کیا ہے۔ یہ قطعہ تحیّہ باب میں درج کیا جا چکا ہے۔ یکدل یقیناً ہمارے دور کے طرز کلام کی متانت، بے ساختگی اور صوفیانہ لب ولہجے سے اور ذوق کے پُر شکوہ آہنگ شعر نیز علمی اور فنی طرز اظہار سے متاثر ہوئے ہوں گے۔ یکدل کے اپنے کلام میں بھی یہ خصوصیات نمایاں ہیں۔

یکدل کے ہاں حسن وعشق اور تصوف دو پسندیدہ موضوعات ہیں۔ یکدل نے اپنے عاشقانہ طرز احساس اور جمال پرست رویوں کا ذکر اپنے بیانوں میں بار بار کیا ہے۔ یہ عاشقانہ مزاج اُن کی شخصیت کا حصہ ہیں، تصوف کے مضامین نے ان رویوں کو اور بھی دلفریب بنا دیا ہے۔ احساس جمال ان کے حواس، طرز احساس اور مزاج پر ہے غرضیکہ زندگی کے ہر پہلو سے واضح ہے: ہے پنہاں شدہ یکدل بمیانِ غزل خویش تابوسہ زند بر لب تو چونکہ بخوانی

ذیل میں نمونہ یکدل کی منتخب اردو غزلیں بطور انتخاب کلام درج کی جاتی ہیں:

غزل

جان میری اگر تری گلی جائے — پہنچے نہ کوئی اگر چلی جائے
موقوف ہے نہ کوئی میرے سر پر — گر جائے تیری وگر بھلی جائے
اشکوں کے بہائے میں نے دریا — تس پر بھی یہ جان مری جلی جائے
گلدو ترے منہ کی کیا کہوں بات — شرمندہ ہو کے جہاں کلی جائے
یکبارگی آگ لگ اُٹھے گی — دوبارہ اگر صبا چلی جائے
جو کعبہ ہے تری یہ سر رکھے ہے — گر آئے ہے قطب یا ولی جائے

اب دہلی سے تا بہ حیدرآباد
لاہور سے دھوم یکدلی جائے

غزل

عارض پُر نور ہے کیا خال دلبر کے تلے — چاند کے اوپر ہے اختر چاند اختر کے تلے
سچ تو ہے عالم کے سائے سے بھی بچنا چاہیے — چین سے کوئی بیٹھے چرخ ستمگر کے تلے
اے تمنائے شہادت دم مجھے لینے تو دے — حسرت دیدار قاتل بھی ہے خنجر کے تلے
یا تو وہ دن تھے کبھی تکیہ تھا بالوں میں ترے — اب فلک کے جور سے ہیں خاک بستر کے تلے
حال دیکھا ہے یہی تیرے ستم سے اے صنم — شیشہ نازک کو گر دیکھو پتھر کے تلے

یا الٰہی آرزو یکدل کی ہے تجھ سے یہی
حشر کو ہوں دامن آلِ پیمبر کے تلے

غزل

وہ میں ہی تھا کہ خود کو رکھا تھام اب تلک
ورنہ تو کر چکی تھی قضا کام اب تلک

یک جلوہ تیرے حسن کا دیکھا ہے پر ہوا
جھانکا کرے ہے آ کے لب بام اب تلک

ساقی یہ چرخ دور پیالی تو بھر چکا
خالی رہا ہے کیوں یہ مرا جام اب تلک

مشہور جنوں میں عشق میں تھا روز و شب غریق
میں نے نہیں سنا تھا ترا نام اب تلک

چیں چیں کرے ہے مرغ دل اس دام زلف میں
آسودے چیں سنبھل تو گئے دام اب تلک

اسپند ہو جلوں ترے ہندو کے خال پر
پر توسن فلک نہ ہوا رام اب تلک

گردش کے دل میری طرف سے پھرا دیا
پاوے نہیں ہے چرخ کی آرام اب تلک

قطع نظر ہے خاص سے میں عام میں ملا
عامی نہیں سمجھتا مجھے عام اب تلک

یکدل جو بول چال ہے اردو زبان کی
کرتا ہوں شاہ دہلی سے میں وام ابتلک

---

2. رسالہ شمسیہ اردو مصنفہ مولوی احمد بخش یکدل چشتی

رسالہ شمسیہ مولوی احمد بخش یکدل کی اہم نثری تصنیف ہے۔ اس کتاب کا سبب تالیف جیسا کہ مصنف نے بیان کیا شاہان گزشتہ کی سیاسی اور تمدنی تاریخ ہے۔ چنانچہ بقول یکدل:

"یہ خیال ہوا کہ سلاطین سلف کا حال اور ان کے تولد اور جلوس اور وفات اور عمر کی کیفیت لکھی جاوے۔۔ اور عمارات قدیم و جدید اور معابد کا حال شرح وار کتابت میں آوے"۔

افسوس ہے کہ اس کتاب کا مدون نسخہ نہیں مل سکا۔ مولوی یکدل کے ہاتھ کے لکھے ہوئے 26 ورق راقم الحروف کو دستیاب ہوئے ہیں۔ یہ رسالہ جیسا کہ گزشتہ باب میں تحریر ہوا دو زبانوں یعنی فارسی اور اردو میں لکھا گیا تھا اور چونکہ اس کی فرمائش فقیر سید شمس الدین نے کی تھی لہٰذا یکدل نے ان کے نام کی رعایت سے اس کتاب کا نام "رسالہ شمسیہ" رکھا۔ مدون کتاب نایاب ہونے کی صورت میں دستیاب متن کی ادبی ارزش اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ مولوی یکدل اپنے معاصرین میں سب سے بزرگ ادیب تھے۔ لہٰذا ان کی اردو نثر انیسویں صدی میں پنجاب کے نثری ادب کا اہم ترین نمونہ سمجھی جائے گی۔

مولوی یکدل کی نثر میں وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جو اعلیٰ پایے کی ادبی نثر کے لئے مخصوص ہیں۔ مولوی یکدل فارسیات میں اہل ادب کے استاد تھے۔ فارسی شعر کے آہنگ نے ان کی نثر کو داخلی ترنم سے

ہم آہنگ کیا ہے۔ اس قدر سادہ، سلیس اور بے تکلف نثر کے نمونے اس دور میں پنجاب تو ایک طرف دہلی اور لکھنؤ کے ادبی مرکز میں بھی زیادہ تعداد میں میسّر نہیں۔ مولوی بکاول سنگھ جب میں مرزا غالب دہلوی کے ہم عصر ہیں، غالب کے خطوط کی نثر اور بکاول کی نثر میں مقابلہ کرنے سے یہ دلچسپ نکتہ واضح ہوتا ہے کہ غالب جس اسلوب نثر کو علمی مضامین کے بیان کا وسیلہ نہ بنا سکے بکاول نے اُسی اسلوب کو تاریخ کے صفحات مرتب کرنے کا وسیلہ بنایا۔ بکاول چھوٹے چھوٹے سلیس اور خط مستقیم میں چلنے والے جملے لکھتے ہیں، آہنگ کے چھوٹے چھوٹے واحدے اس موقع مرتب کرتے ہوئے قرأت کو ڈرامائی لہجہ دیتے جاتے ہیں اور یوں پڑھنے والا اکتاہٹ سے دوچار نہیں ہوتا۔

انگریزی دور سے متاثر جدید اردو نثر کے اسالیب کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ علمی نثر میں جو کام انجمن پنجاب، سر سید احمد خاں اور ان کے رفقاء نے انیسویں صدی کے نصف آخر میں انجام دیا اس کی داغ بیل اس سے پہلے مولوی بکاول کے ہاتھوں پڑ چکی تھی۔ یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ بکاول نے جو اردو نظم و نثر کی طرف دیر سے توجہ دی لیکن وہ اپنے دیباچوں میں اردو نثر کے فوائد اور فصاحت و سلاست کی ذاتی پسندیدگی کا حوالہ ایک مدت سے دے رہے تھے۔

اس جگہ رسالہ شمسیہ سے ایک اقتباس بطور نمونہ نقل کیا جاتا ہے:

”نادر شاہ نے خبر پاکر قدم باہر خیمے سے رکھا اور رضا قلی مرزا فرزند کلاں کو واسطے استقبال کے بھیجا۔ شاہ نے خیمے کی تیاری کر کے بہ حسن و زیب چند قدم آگے بڑھ کر السلام علیکم کہا۔ اور خیر مقدم اور نعم المجیء کہا اور ہاتھ میں ہاتھ لے کر داخل خیمہ ہوئے اور ایک مسند پر دونوں کا اجلاس ہوا۔ شاہ نے بہت سی تعظیم اور تکریم مہمانداری کی، سبحان اللہ! عجیب مہمان و عجیب میزبان۔ جب محمد شاہ تشریف لائے تو اُس وقت جواہر کوہ نور اور دریائے نور دونوں طرف تاج کے شگفتہ کر کر باندھ آئے تھے نادر شاہ نے اُس کی چمک کی تاب نہ لا کر کہا کہ یہ تاج جو میرے سر پر ہے آپ سر پر رکھیں اور یہ تاج جو آپ کے سر پر ہے، میرے سر پر رکھ دیں کہ تم ہمارے بھائی دینی ہو۔ اور دستار بدلی اس کا نام رکھا جاتا ہے۔ کہتے ہیں محمد شاہ نے سب جواہرات اور خزانے سے ہاتھ دھوئے۔ نادر شاہ نے یہ حیلہ ایسا جُگتا کیا کہ محمد شاہ کو کچھ نہ ملے، میرے پاس رہے۔ پہلا ہی ایسا داؤ دیا کہ کسی ذی فہم کے ذہن میں نہ آیا تھا۔ الغرض دونوں بادشاہ بسواری پالکی داخل قلعہ مبارک شاہجہان آباد ہوگئے۔ اور قلعہ مبارک میں اور شہر میں آئین بندی ہوئی اور وہ آتش بازی چلی کہ سو برس کی شب براتوں کا سامان یک جا جمع ہوا اور ساری رات محفل رقص و نشاط و سرود رہی۔“

---

3 ۔ دیوانِ حافظ ۔ منظوم اردو ترجمہ از مولوی یکدل

اس اردو تصنیف کا حوالہ مولوی احمد بخش یکدل نے اپنی بیاضوں میں دیا ہے۔ باوجود تلاش اور کوشش کے اس کا سراغ نہیں مل سکا۔ چشتی خاندان کے کسی فرد کے پاس اس کا نسخہ نہیں ہے۔ مولانا مسعود علی چشتی، پیر وصلیر قرۃ العین چشتی وغیرہ اس کے نام سے بھی ناواقف ہیں۔ یہ کتاب غالباً مولوی یکدل کے آخری ایام میں ہی کھو گئی ہوگی کیونکہ مولوی حامد علی چشتی نے اپنی یادداشتوں میں اپنے خاندانی کتب خانے کی جو فہرست دی تھی اس میں اس کتاب کا نام نہیں ہے۔ مولوی یکدل نے بھی نام کے علاوہ اس کتاب کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں دی۔

۴۔ واسع باری از مولوی احمد بخش یکدل

اس کتاب کے بارے میں گزشتہ باب میں لکھا جا چکا ہے کہ اس کا موضوع اردو نہیں بلکہ یہ فارسی لغات کے پنجابی مترادفات پر مشتمل تھا اور نظم کی جرلی پنجابی ہے۔ اس وجہ سے اردو تصانیف میں اس پر زیرِ حاصل بحث کرنا ضروری نہیں سمجھا گیا۔

---

5. تحقیقاتِ چشتی مصنفہ مولوی نور احمد چشتی

تحقیقاتِ چشتی، مولوی نور احمد چشتی کی تصنیف ہے۔ یہ کتاب تقریباً سوا سو سال سے محققین سوانح اور تاریخ کے دلوں پر حکمرانی کر رہی ہے اور پنجاب کی ثقافتی اور صوفیانہ سرگرمیوں کی کوئی تاریخ اس کے حوالے یا ذکر کے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔ اس کے موضوع کی وسعت صدیوں پر محیط ہے۔ یہ کتاب برصغیر میں مسلمانوں کی آمد سے لے کر انیسویں صدی کے آخر تک پنجاب میں صوفیائے کرام کی سرگرمیوں اور ان کے تہذیبی اثرات کا دفتر ہے۔ اس کتاب کو ہر دور میں پنجاب کی سیاسی تاریخ، فرہنگ اور آثار پر ایک اہم دستاویز مانا گیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس نادر تصنیف کی یہ اہمیت ہمیشہ قائم رہے گی۔

تحقیقاتِ چشتی مولوی نور احمد چشتی کی آخری اردو تصنیف ہے۔ اس سے پہلے وہ اردو نثر میں بے شمار تصانیف شائع کر چکے تھے۔ مثال کے طور پر یادگارِ چشتی، کلیاتِ چشتی، تحفۂ چشتی وغیرہ

نیز اردو نثر میں بھی ان کا دیوان تحقیقات چشتی سے بہت پہلے مرتب ہو چکا تھا۔ ہر چند کہ دیوان کو اشاعت کا موقع نہ ملا تاہم مولوی نور احمد چشتی ان کتابوں کے حوالے سے نظم و نثر میں ایک مشاق شاعر اور ادیب تسلیم کیے جاتے تھے۔ پنجاب پر انگریزوں کے قبضے یعنی 1849ء کے بعد جن لوگوں نے اردو کی ترویج کو ملکی اور قومی سطح پر انجام دیا ان میں مولوی نور احمد چشتی کا نام سر فہرست ہے۔ 1866ء کے بعد پنجاب کے بارے میں معلومات فراہم کرنے کا کام سرکاری سرپرستی میں شروع ہوا اور حصول صلہ کی غرض سے بہت سی تصانیف سامنے آئیں۔ غرض کوئی بیس برس کے حوالے سے پنجاب کے بارے میں علمی معلومات کا خزانہ جمع ہو گیا۔ اور اردو ادب کی خوش بختی یہ ہے کہ یہ سب مواد اردو زبان میں ترتیب دیا گیا۔ صرف چند کتابیں ایسی ہیں جو فارسی زبان میں ہیں۔ مثلاً مفتی علی الدین کی تصنیف عبرت نامہ، بوٹے شاہ کی تاریخ پنجاب یا سید احمد شاہ بٹالوی کی تاریخ پنجاب وغیرہ۔ باقی کتابوں میں سے اکثر اردو میں ہیں جن میں سفرنامہ امین چند، تاریخ پنجاب، تاریخ لاہور از کنہیا لال ہندی، حالات ضلع لاہور (از مفتی تاج الدین)، تاریخ مخزن پنجاب (از مفتی غلام سرور لاہوری) وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ان سب کتابوں میں کچھ باتیں مشترک ہیں اور باقی ابواب میں اسلوب کے فرق کے ساتھ مواد تقریباً ایک جیسا ہے۔ مثلاً ان سب کتابوں میں سکھوں کی سیاسی تاریخ کو بطور خاص زیر بحث لا کر پنجاب میں خالصہ عہد کو تاریخ کا بدترین اور تاریک ترین عہد ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ انگریزی عہد کی برکات کو گنواتے ہوئے، جنگ آزادی کو مفسدہ کہا گیا ہے۔ الحاق پنجاب کے غاصبانہ عمل کو حق بجانب اور جائز ثابت کیا گیا ہے۔ پنجاب کی معاشرت اور رسم و رواج پر ایک ایک حصہ مخصوص کیا گیا ہے وغیرہ۔ یہی وجہ ہے کہ انگریزوں نے گزیٹیئر مرتب کرائے تو ان کتابوں سے خام مواد کا کام لیا گیا۔

تحقیقات چشتی اور یادگار چشتی بھی انہی کتابوں میں سے ہیں لیکن دو الگ کتابیں ہونے کے باوجود ان کتابوں کے مصنف مولوی نور احمد چشتی کا دائرہ کار دوسرے مصنفین سے الگ ہے۔ یادگار چشتی پر بحث الگ عنوان کے تحت ہوگی، یہاں تحقیقات چشتی کے بارے میں چند اہم نکات کی وضاحت ضروری ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ تحقیقات چشتی پنجاب کی دوسری تاریخوں کی طرح سیاسی کوائف پر مبنی نہیں۔ بلکہ جس طرح دوسرے مصنفین نے سیاسی احوال کے ساتھ ضمناً پنجاب کی ثقافت اور یہاں کے تاریخی اور مذہبی آثار کا بھی ذکر کر دیا ہے اسی طرح مولوی نور احمد چشتی نے تاریخی اور مذہبی آثار اور پنجاب کی ثقافت اور معاشرت پر کتاب مرتب کرتے ہوئے ضمناً اس خطے کی سیاسی تاریخ پر بھی روشنی ڈال دی ہے۔ چنانچہ اس کتاب کی فہرست مطالب کا اجمالی خاکہ دیکھنے کے بعد اس بات کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ جو یہ ہے:

1۔ ہندو عہد 2۔ تذکرہ شاہان اسلام 3۔ سکھوں کا عہد 4۔ احوال صوفیا و بزرگان
5۔ تکیے اور خوش نویس مشہور 6۔ مرثیہ خواں اور غیر مسلم فقیر 7۔ باغات 8۔ مواضع اور متفرق محلات۔
9۔ مساجد 10۔ مقابر صوفیا 11۔ مقابر سلاطین و امرا و سادات

مولوی نور احمد چشتی کے سامنے ایسے کام کا کوئی نمونہ نہ تھا۔ یہ اس کتاب کی پوری تنظیم یا سکیم ان کے اپنے تخیل کا کمال تھی۔ مولوی نور احمد چشتی جیسا کہ گزشتہ باب میں بیان ہوا، 1849ء کے بعد انگریز افسروں کو اردو پڑھانے پر مامور ہو گئے تھے۔ اس ماموریت نے ان کے تعلقات کا دائرہ وسیع کر دیا تھا۔ ہر ذمہ دار انگریز افسر اپنا منصب سنبھالنے سے پہلے ان سے اردو زبان کی سند حاصل کرتا تھا۔ ان کی قابلیت اور علم و فضل سے متاثر ہوتا تھا اور جب تک پنجاب میں اس کا قیام رہتا دوستی اور افہام و تفہیم کی یہ فضا برقرار رہتی۔ مولوی نور احمد چشتی نے اپنی اردو تالیفات کے لئے ان تعلقات سے کافی حد تک فائدہ اٹھایا یہی سبب ہے کہ ان کی ہر کتاب یا تو کسی کی فرمائش پر لکھی گئی ہے یا کسی انگریز افسر کے فائدے کے واسطے تحریر کی گئی ہے۔

تحقیقات چشتی کا خاکہ مولوی نور احمد چشتی نے ڈبلیو کولڈ سٹریم اسسٹنٹ کمشنر پنجاب کے سامنے پیش کیا جنہوں نے اپنی پنجاب میں نوواردی کے وقت 1862ء میں ان سے اردو پڑھی تھی۔ مولوی نور احمد نے مسٹر کولڈ سٹریم سے عالی عمارات کے ساتھ ساتھ اثر و نفوذ دریافت کرنے کی فرمائش کی جس کی تکمیل ہو گئی۔ چنانچہ مسٹر کولڈ سٹریم، مولوی نور احمد کے برادر زادے مولوی غلام علی چشتی کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

"میں جب اول پنجاب میں 1862ء میں آیا تو نور احمد چشتی سے فارسی اور اردو پڑھتا رہا اور بعد 1864ء میں جبکہ میں دہلی میں اسسٹنٹ کمشنری پر تعینات ہوا، نور احمد چشتی ان دنوں لاہور میں اگرچہ وہیں ہی رہتے، تو اول منشی یا دیسی زبانوں کے اتالیق تھے۔

1865ء میں جبکہ میں ان سے پڑھتا تھا انہوں نے لاہور اور اس کے مضافات کی قدیم عمارات کے حالات پر کتاب لکھنے کے لئے مجھ سے خرچ سے لئے سامان جمع کیا تھا اور یہ کتاب بعد ازاں تحقیقات چشتی کے نام سے طبع ہوئی۔ یہ نہایت قابل قدر تجسس سے لکھی گئی تھی۔ اور اگر مجھے ٹھیک یاد ہے تو بڑی تقطیع کے ۵۰۰ یا ۶۰۰ صفحوں پر ختم ہوئی تھی۔ جب کبھی لاہور کی قدیم عمارات کی تفصیل لکھی جائے گی تو اس کتاب سے بیش قیمت امداد ملے گی۔" (1)

مولوی نور احمد چشتی نے کتاب کے دیباچے میں کولڈ سٹریم کو ہی کتاب کا محرک قرار دیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں:

"اب ان ایام فرحت انجام میں جناب خداوند نعمت آقائے نامدار عالی وقار، قدردان اہل علم و ہنر، مربی احقر برگزیدۂ آفاق صاحب مشفق کریم جناب مسٹر ولیم کولڈ سٹریم عالی جاہ بہادر دام اقبالہ اسسٹنٹ کمشنر نے اس کمترین کو حکم دیا کہ حالات عمارات و مزارات و مقابر و جا بجا نواح لاہور مفصل تحریر کروں" (2)

---

(1) ڈبلیو کولڈ سٹریم کے خط کا یہ ترجمہ "حیات رشید" مرتبہ میرزا اعجاز حسین، لاہور ۱۹۰۹ء کے ضمیمہ نمبر ۱ میں درج ہے۔

(2) مولوی نور احمد چشتی: تحقیقات چشتی، لاہور 1964ء، ص 27۔

مواد کی فراہمی اور مسودات کی پاک نویسی کے لئے مولوی نور احمد چشتی نے جن صاحب علم اور ماہرین تاریخ سے مدد لی ان میں مولوی صاحب کے والد مولوی احمد بخش یکدل اور ان کے دوست مفتی غلام سرور لاہوری خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ مولوی احمد بخش یکدل کی ڈائریوں میں تاریخی اور سوانحی مواد کی کثرت ہے۔ یکدل کو تاریخ و ادب، فنون لطیفہ اور آثار سے دلچسپی تھی، تصوف ان کی ذات کا حصہ تھا۔ ان موضوعات سے متعلق ان کی تحقیقی یادداشتیں قابل قدر ہیں مولوی نور احمد چشتی نے نہ صرف ان سے رہنمائی حاصل کی بلکہ ان سے معلومات لے کر بعض جگہ اپنے پیرائے میں لکھ دیا ہے۔ مثلاً حضرت مخدوم علی ہجویری، حضرت مادھو لال حسین اور شاہ قادری کے ترجمے فارسی ڈائریوں میں یکدل کی بیاضوں کا حصہ ہیں۔

مفتی غلام سرور لاہوری "تحقیقات چشتی" کی تدوین اور مسودے کی تیاری میں مولوی نور احمد کے معاون تھے۔ اس کام کے لئے انھیں غالباً معاوضہ ملتا تھا۔ مولوی نور احمد نے دعویٰ کیا ہے کہ مفتی غلام سرور کا تذکرہ "خزینۃ الاصفیاء" دراصل "تحقیقات چشتی" کے مسودوں پر مشتمل ہے جیسا کہ لکھتے ہیں:

"مولف تصنیف کتاب ہذا میاں غلام سرور صاحب مفتی ایک کتاب الموسوم بخزینۃ الاصفیاء و حدیقۃ سے مشہور حالات اولیاء اللہ تصنیف کر رہے تھے ان کو باوجود سعی موفور اکثر حالات مفصلاً حال حضرات نواح لاہور دستیاب نہ ہوتے تھے۔ جب انھوں نے سنا کہ کمترین کو منجانب حکام یہ حکم ملا ہے تو میرے پاس تشریف لا کر ظاہر ہوا کہ یہ حکم آپ کو ملا ہے، اس میں اشتیاق نے مجھ کو بسبب مہربانی کی ہے بعض مدت سے میں متلاشی حالات حضرات نواح لاہور کا تھا۔ اور وہ دستیاب نہ ہوتے تھے، کیونکہ حضرت سجادہ نشینان مزارات نے کسی واسطے حال اپنا بیان نہیں کرتے اور امیدوار ہوں کہ جب آپ کو باقبال سرکار یہ حالات دستیاب ہوں تو آپ مجھ کو بھی نقل ان کی عنایت کریں تو نہایت شکر گزار ہوں گا

لہٰذا اس عاجز نے ان کو بخیال محبت کہ بقول مقولہ "جزاء البخیل عند اللہ نار"، موجود بغداد ملک خلیفہ، مگر بانی شرط کر کے آپ میرے مسودات کو نقل صاف کر کے تحریر کر دیا اور اجرت تحریر لے لیا کریں۔ اور جو جو حالات مطلوب ہوں بیشک اپنی کتاب میں درج کر لیں۔

سو انھوں نے قبول فرمایا اور تمام حالات نواح لاہور اس کتاب سے لے کر اپنی کتاب میں درج کیے۔ اور اسی وجہ سے اکثر حضرات کی تاریخیں مصنفہ ان کی درج ہیں" (2)

---

(1) مولوی احمد بخش یکدل سے رشتے داری کا ذکر تحقیقات چشتی مطبوعہ لاہور 1964ء کے صفحہ 191 پر موجود ہے۔

(2) مولوی نور احمد چشتی: تحقیقات چشتی، لاہور 1964ء ص 31۔

خزینۃ الاصفیا مصنفہ مفتی غلام سرور کے اندراجات اور تراجم کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو مولوی نور احمد کی محنت بھی بالکل عیاں نظر معلوم ہوتی ہیں۔ یہ بات قرین قیاس ہے کہ مفتی صاحب نے تحقیقات چشتی کے لئے جمع شدہ خام مواد سے استفادہ کرنے کا فراخدلی سے مظاہرہ کیا ہو۔ یہ مواد مولوی نور احمد کی ذاتی کاوش کا تحقیقی ماحصل تو نہیں تھا بلکہ اکثر صاحب لوگوں نے انہیں مدون صورت میں بغرض اندراج ارسال کئے تھے۔ اس سے استفادے کا حق سب مصنفین کے لئے یکساں ہے۔ دوسرا اہم بات یہ ہے کہ تحقیقات چشتی اور خزینۃ الاصفیا کے موضوعات اور ان کے مصنفین کے نقطۂ نظر میں اشتراک کے باوجود کافی اختلافات ہے۔ تحقیقات مزارات صوفیا اور بزرگان دین کے حالات، آثار اور خاندانی کوائف کی تفصیل مہیا کرتی ہے جبکہ خزینۃ الاصفیا میں بے حد اختصار سے کام لیتے ہوئے محض صوفیاء، علماء اور بزرگان دین کے مختصر سوانحی کوائف اور کشف و کرامات کے تذکروں پر مشتمل ہے۔ مفتی غلام سرور نے اگر تحقیقات کے مسودے سے استفادہ کیا ہوگا تو خزینۃ الاصفیاء میں ان مطالب کے اندراج کے وقت انہیں اختصار سے اپنے ڈھب سے تحریر اور ترتیب دی ہوگی۔ کیونکہ مفتی صاحب کے ہاں تذکروں میں سوانح اور کوائف کی تفصیل درج ہے وہ ان کا اردو میں لکھا ہوا تذکرہ حدیقۃ الاولیاء ہے۔ اور اس کا ذکر مولوی نور احمد نے نہیں کیا۔ تحقیقات کے مسودے سے مفتی صاحب نے جس قدر بھی استفادہ کیا، اس کے برعکس مولوی نور احمد کو جو صدمات پیش آئے وہ معمولی نہیں۔ پوری تحقیقات چشتی میں زیادہ تر تاریخی مادے مفتی غلام سرور کے ہاں موزون کئے ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ مولوی نور احمد کے سوانح کو مد نظر رکھتے ہوئے ان کی تنگدستی، مصروفیات اور عدیم الفرصتی کو اگر کسی کی توجہ اور معاونت نے تحقیقات چشتی جیسے عظیم علمی کارنامے کی تکمیل کے قابل بنایا تو وہ مفتی غلام سرور ہی تھے۔ مولوی نور احمد نے ان کا شکریہ ادا نہ کر کے وضعداری کا ثبوت نہیں دیا۔(۱)

تحقیقات چشتی اپنے عہد کی عظیم الشان تصنیف ہے۔ موضوعی اعتبار سے بھی اور ادبی اعتبار سے بھی اور فنی اعتبار سے بھی۔ تحقیقات چشتی کو پنجاب میں "آثار الصنادید" کا درجہ حاصل ہے بلکہ یہ تمام بعض پہلوؤں سے سرسید کے کام سے عظیم تر اور مفصل تر ہے۔ کیونکہ مولوی نور احمد کو تمام ماخذ خود بنیاد کرنا پڑے ان کے سامنے پنجاب کے آثار اور احوال صوفیا پر کوئی مفصل کتاب نہ تھی۔ اس کے باوجود انہوں نے اس ضخیم کتاب میں بعض ایسی خوبیاں پیدا کر دی ہیں جو اعلیٰ پائے کے علمی کاموں کا حصہ ہوتی ہیں۔

---

(۱) خود مفتی غلام سرور سے استفادے کا مولوی نور احمد چشتی نے تحقیقات میں کئی جگہ اعتراف کیا ہے:

"اور زبانی مفتی غلام سرور صاحب وہ باغ شگفتہ و خوش رنگ اور حسب تحریر دارا شکوہ تا ... ہوا کر...." تحقیقات ص 239

"کتب سیر المعارف سے مفتی غلام سرور صاحب مؤلف کتاب خزینۃ الاصفیا نقل کرتے ہیں کہ حضرت میاں میر کی جب سو برس کی عمر ہوئی تو آپ کی داڑھی مبارک برآمد ہوئی تھی" ایضاً ص 359 -

تحقیقاتِ چشتی اردو کے نثری ادب میں ایک قابلِ قدر اضافہ ہے۔ تقریباً ڈیڑھ ہزار
صفحات پر مشتمل شائع ہو سکے اور ہر مطالب کی تحریر میں اسلوب اور بیان کی یکسانیت ایک بہت
بڑا کام ہے جسے مولوی نور احمد چشتی جیسے تجربہ کار اور مشاق ادیب نے انجام دیا۔ تحقیقاتِ
چشتی کی نثر سلاست، روانی اور متانت میں بے مثال ہے۔ انگریزوں کے اتالیق ہونے کی حیثیت
سے مولوی نور احمد چشتی کو انگریزی میں بھی دسترس حاصل تھی اور وہ انگریزی کا تحریری ڈھب سے
آشنا تھے اس لئے تحقیقاتِ چشتی میں اس اسلوب کی تاثیر کا وجود بعید از قیاس نہیں۔ اس کے
علاوہ مولوی نور احمد بنیادی طور پر مشرقی زبانوں کا استاد تھا۔ اور ان کی تحریر فارسی اور عربی ادب
ادب کی [illegible] گود میں پروان چڑھی تھی لہٰذا یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے مولوی نور احمد چشتی
کے اسلوب میں مشرق و مغرب کا امتزاج ہے۔ جو صرف مغرب کا کم اور مشرق کا زیادہ
ان کے ہاں جملوں کی صحت اور [illegible] غیر متعلق تفسیر ان کے ہاں صرف
اسلوب کے نقوش کا پتہ دیتی ہے اور انداز کا عالمانہ درو بست نیز
نثر میں شاعرانہ آہنگ انہیں مشرق کی ادبی روایات سے دور نہیں ہونے دیتا۔

تحقیقاتِ چشتی کی نثر میں سب سے اہم خوبی اس کا براہ راست اور بلا واسطہ ابلاغ ہے۔
مولوی نور احمد واقعات کو اس انداز سے بیان کرتے ہیں کہ آنکھوں کے سامنے ان کی
تصویر کھنچ جاتی ہے۔ اس قدر عام فہم زبان میں وقائع نگاری کا ڈھب اردو ادب کو
[illegible] انیسویں صدی کے آخر میں نہیں بلکہ تحقیقاتِ چشتی کی صورت
میں انیسویں صدی کے نصف اول میں ہی نصیب ہو گیا تھا۔ چند مثالیں درج کی جاتی ہیں:

میلہ چراغاں

"چراغوں کے میلہ کا تو یہ حال ہے کہ کئی میلوں سے ہزارہا مخلوقات بامیل تمام مائلِ زیارت ہو کر آتی ہیں۔
اور باوجود اس قدر وسعت باغ شالامار کے وہاں قدم رکھنے کی جگہ اس روز نہیں رہتی سبحان اللہ!
اس روز وہاں عجب لطف ہوتا ہے کہ بوٹے بوٹے کے نیچے ناچ و راگ و رنگ ہوتا ہے۔ اور ایک دن اور
ایک رات زائرین و حاضرین کی کثرت کا یہ حال ہوتا ہے اور باغ اور مقام خانقاہ پر اور وہاں سے تا دروازہ
لاہور اس قدر اژدہام مخلوق کا ہوتا ہے کہ شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔ اور اس ایام میں بھی
باوجود خلق بیکاری سے نالاں ہے امرتسر سے لبسواری ریل سات آٹھ ہزار آدمی تخمیناً شریکِ جلسہ
چراغاں ہوتا ہے اور سواران یکہ و پیدل و بگھی و اونٹ وغیرہ ریل سے علیحدہ آتے ہیں۔ اور خرید و فروخت
اشیائے حلوائیاں کا کیا خیال کیا جاوے"۔ ص 420۔

خانقاہ

حضرت شاہ شرف کی خانقاہ جانب دائیں طرف سڑک جیل کے متصل ٹیلہ کے جانب عمارت موجود ہے۔
یہ مزار ایک چبوترہ خشتی پر واقع ہے اور اس چبوترے پر تین قبریں ہیں۔ ایک تو شاہ شرف کی

دوسری اُن کے مرشد محمد فاضل کی اور تیسری اُن کے مرید محمد اعزاز اللہ کی۔ اور کوٹھے کے شرقی رویہ ایک قبر پرانی چبوترہ پر موجود ہے۔ یہ فقیر مہر شاہ نامی مرید حضرت شاہ شرف کی ہے اور گردنواح قبرستان عام ہے اور جو چاہ شرقی رویہ ہے اس کا پانی بہت اچھا شیریں ہے۔" ص 533۔

حالات حضرت احمد یار صاحب — مصنف کی چشم دید

"اگرچہ راقم بھی قدیم سے ساکن لاہور ہے اور وہ حضرت بھی مدت مدید سے یہاں متوطن ہیں مگر کمترین کو اتفاق صحبت ظاہرا کبھی نہ ہوا تھا۔ مگر اکثر اوصاف ان کے لوگوں سے سنے جاتے تھے ... اب میرا بھی اتفاق ملاقات براہ تحقیقات پڑا۔ سبحان اللہ عجیب طبیعت کا مرد ہے کہ ہر وقت قال اللہ اور قال الرسول ورد رہتے ہیں۔ اور توحید کے مسائل بوجہ احسن بیان فرماتے ہیں۔ کمال فاضلانہ و عارفانہ رکھتے ہیں۔ وضع صورت آپ کی یہ ہے کہ اول تو مدت بارہ چودہ سال صرف ایک چادر ستر عورت کے واسطے زیر و بالا رکھتے تھے اور سر برہنہ رہتے تھے اب عرصہ چھ سات سال سے تہ بند و کرتہ و مرقع و سر پیچ رکھتے ہیں اور جوتا بھی زر دوزی۔ لباس ظاہرا امیرانہ مگر بشکل فقیرانہ وضع دار رکھتے ہیں۔ اگرچہ سرکار کی جانب سے آپ کو کچھ جاگیر و بخشش نہیں، مگر ہمیشہ خوش پوش و خوش لباس رہتے ہیں۔" ص 649۔

یہ اقتباسات مختلف مقامات سے مختلف مواقع کے اظہار کے نمونے طور پر انتخاب کیے گئے ہیں۔ تاکہ مولوی نور احمد کی قدرت ابلاغ کا اندازہ ہو سکے۔

تحقیقات چشتی کی تصنیف کا کام 1864ء میں مکمل ہو گیا تھا۔ مولوی نور احمد چشتی اور ان کے دوستوں میں سے مفتی غلام سرور لاہوری اور مولوی غلام فرید فرید نے قطعات تاریخ موزوں کئے تھے۔ مفتی غلام سرور کا ایک قطعہ درج ذیل ہے جس میں بحرہ جیتی سن یعنی ۱۹۲۱ سمت ہے۔

بلطف حق ہوئی جب دم بھی تیار — عجیب یہ مجموعہ تصنیفات چشتی
کہی سرور نے تب تاریخ تالیف — کہ ہو مقبول تحقیقات چشتی

تحقیقات چشتی کی تالیف میں جو اہم مصادر استعمال کیے گئے، ان کتب مذکور طبع لاہور 1964ء کے صفحہ 26 پر موجود ہے۔ جو مصنف نے کتب ماخذ کے تحت درج کی ہے۔ اس فہرست میں بعض بڑی اہم اور مستند کتابوں کے نام بھی موجود ہیں۔ تحقیقات چشتی کے بارے میں یہ خیال آرائی کہ وہ محض سینہ بسینہ روایات اور شنید پر مشتمل ہے اس فہرست ماخذ کی موجودگی میں بے بنیاد ہو جاتی ہے۔ (1)

---

(1) تحقیقات چشتی کا پہلا ایڈیشن 1867ء میں مطبع کوہ نور سے شائع ہوا۔ دوسرا ایڈیشن مفتی محبوب عالم ایڈیٹر پیسہ اخبار لاہور کے اہتمام سے ء میں چھپا اور تیسرے ایڈیشن کی اشاعت پنجابی ادبی اکیڈمی لاہور کی طرف سے 1964ء میں مسعود احسان علی کے اہتمام سے ہوئی۔

۷۔ یادگار چشتی ۔ مصنفہ مولوی نور احمد چشتی

مولوی نور احمد چشتی کی اردو تصانیف میں اس کتاب کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس کتاب میں اہل پنجاب کے رسم و رواج، طرز معاشرت، عقائد اور عوامی احساسات کو موضوع بنایا گیا ہے۔ یہ کتاب انیسویں صدی کے پنجاب کو دیکھنے کی ایک ایسی دیدگاہ اور نظارہ خانہ ہے جس سے اس دور کی تہذیبی اور معاشرتی زندگی کا کافی حد تک اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اس کتاب میں اہل پنجاب کو مختلف معاشرتی اور طبقاتی گروہوں میں تقسیم کر کے ہر ایک کے رسم و رواج اور ان کے گروہی اعتقادات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ کتاب 1856ء میں جارج او بادرلی کے ایما پر تصنیفی مرحلے میں داخل ہوئی اور مسٹر ڈبلیو ہوڈسن کی تشویق پر تکمیل تک پہنچی۔ 1858ء میں مطبع کوہ نور کرانیکل لاہور نے بڑی تقطیع پر اسے شائع کیا۔ اس کے دوسرے ایڈیشن کی تیاری میں راقم الحروف نے تین سال محنت کی، اس پر مفصل مقدمہ تحریر کیا اور متن کی تفہیم کے لئے ضروری مقامات پر حواشی لکھے۔ اس ایڈیشن کو 1975ء میں مجلس ترقی ادب لاہور نے شائع کیا۔

"یادگار چشتی" میں عوامی رسم و رواج کو یوں ترتیب دیا گیا ہے کہ بچے کی پیدائش سے لے کر آدمی کی وفات تک تمام رسوم کا مرحلہ وار بیان کیا گیا ہے۔ پھر ہر مرحلے کو مختلف معاشرتی گروہوں کے حوالے سے زیر بحث لایا گیا ہے۔ اس کتاب کا پہلا باب "دستور تولد و تناسل اہل اسلام" ہے۔ جس میں خوشی کے موقع پر اہل پنجاب کے رد عمل کو مختلف شکلوں میں دکھایا گیا ہے۔ انکی طرز اظہار میں دین اور دنیا دونوں سے وابستگی کو نمایاں کیا گیا ہے۔ ان رسوم میں بچے کی پیدائش پر اگر اس کے بازو سے اسمائے الٰہی کا تعویذ باندھا جاتا ہے تو اس خوشی کے موقع میں اہل طرب اور اہل رقص و سرود کا شامل ہونا بھی ضروری ہے۔

"یادگار چشتی" کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ انیسویں صدی کے پنجاب میں معاشرتی دائرے اپنے کام اور پیشوں کے اعتبار سے تشکیل پاتے تھے۔ مولوی نور احمد نے حجام، سید، شیخ اور راجپوتوں کو ذاتوں اور گوتوں میں دکھایا ہے۔ دلال، کناری باف، شال کوب، چھپہ ساز، دبگر، حلوائی اور بھٹیارے یعنی نخود بیچنے والے بھی الگ معاشرتی شناخت رکھتے ہیں۔

"یادگار چشتی" کی اردو نثر اظہار و ابلاغ کی خوبیوں سے مزین ہے۔ اس کتاب کی عبارت کا رنگ اگرچہ تحقیقات چشتی کی نسبت پیچیدہ اور نامرتب ہے اس کے باوجود اظہار مطالب کے لئے کامیاب اور دلچسپی سے خالی نہیں۔ ثقیل اور ناہموار الفاظ کا استعمال بہت کم ہے حتیٰ کہ فارسی زبان کے الفاظ میں التزاماً کم استعمال کئے گئے ہیں۔ اس میں بھی انگریزوں کے طرز اظہار کی نقل کرنے کی کوشش کی گئی ہے حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دور کے انگریز اسکالر دانشمندوں کی طرح "حضرت محمد صاحب" لکھا ہے۔ اس کتاب کا لہجہ بے حد دھیما اور علمی مطالب کے اظہار کے لئے موزوں ہے جس کا اقتباس پیش کرنا ضروری نہیں!

گنڈاری باف

"گنڈاری باف بھی ایک قسم ہے۔ یہ اول میں ڈھالی لوگوں کا کام ہے لیکن اب ہر قوم میں سے ان میں کسب شریک ہو گئے ہیں۔ یہ لوگ گوٹہ گنڈاری بُنتے ہیں۔ جو کوئی غیر قوم ان میں ملنا چاہتا ہے تو وہ ان کی شاگردی کرتا ہے۔ اور یہ عہد مہاراجہ رنجیت سنگھ بہادر میں دستور تھا کہ جب کوئی شریک یعنی شاگرد بننا چاہتا تھا تو کسی گنڈاری باف کے پاس جاتا تھا اور مبلغ پچیس روپیہ سیل کا دے کر شاگرد ہوتا تھا اور سیل کے یہ معنی ہیں کہ اس میں سے نصف تو مال سرکار ہوتا تھا اور نصف مال برادری کا۔ اور یہ دونوں حصے جمع رہتے تھے۔ ہر برس کے بعد سب استادوں نے حساب کیا، سرکار کا حصہ تو سرکار نے داخل کیا اور برادری کا حصہ برادری کا میں کھانا پکا کر تقسیم ہوا۔ مثلاً باغ میں جمع ہوئے اور وہاں کھانا بھی پکایا اور ناچ رنگ بھی کرایا۔ اور جب کوئی شاگرد کام سیکھ چکا اور الگ دکان خود بنانا تھا تو پھر استاد کو کوئی رقم، کوئی بیس روپے دیتا تھا۔ اور ہمراہ اس کے پوشاک۔ یہ روپیہ بھی نصفا نصفی مال سرکار تھا۔" (ص 135۔)

پھلیرا

"فروری اور مارچ میں گلفروش اکثر گلاب کے پھول لاتے ہیں اس موسم میں ان کی فروخت کا بازار گرم رہتا ہے۔ یعنی کوئی تو عرق گلاب کے واسطے پھول لیتا ہے اور کوئی گلقند بنواتا ہے، اور یہ دونوں چیزیں بکثرت شہر میں ہوتی ہیں، کیونکہ دلہنوں کے واسطے بہت کام میں آتی ہیں۔ اور ہر ایک اعلیٰ قدر وار ایک گلاب کے پھول گھر میں عورتوں کے پہننے کے واسطے لے جاتا ہے۔ بعضے گلاب کے پھل رہنوا لے جاتے ہیں اور بعضے کانوں کے واسطے گجرے بنوا کر لے جاتے ہیں، گجرے کے معنی یہ ہیں کہ دو تین پھولوں کو ایک دھاگے میں پرو دیا اور بند کیا۔ پھر اس گجرے کو عورتیں بالیوں میں پہنتی ہیں۔ اور اس موسم میں گل بید مشک آتا ہے۔ وہ بھی عرق کے واسطے بہت بکتا ہے۔ اور پھر ماہ جولائی اور اگست اور ستمبر اور اکتوبر میں موتیا کے پھول آتے ہیں۔ یہ پھول بہت اچھا سفید ہوتا ہے۔ خوشبو اس کی بدرجہ کمال مست اور دلچسپ۔ جب اس کو سونگھیے تو دل کو خواہمخواہ خوشی ہوتی ہے۔ اس پھول کو اکثر عورتیں کان میں پہنتی ہیں۔ اور ان کے گجروں کا بھی بہت بکاؤ ہوتا ہے۔ جن سے پھول کہ عورتیں کان میں پہنتی ہیں، وہ اکثر دو دو پھول ہوتے ہیں۔ بعضے دھاگے سے جوڑتے ہیں اور بعضے خدا کی قدرت سے دو دو ہوتے ہیں۔ اس کا نام گرہ کی ہے۔ ہر قوم میں اس پھول کا بہت بکاؤ ہوتا ہے۔" (ص 187۔)

7۔ دیوانِ چشتی (اردو) ـ تصنیف مولوی نور احمد چشتی

دیوان چشتی کے دو مخطوطے بخط مصنف ہمارے کتب خانے میں ہیں :

(۱) سائز $\frac{20 \times 30}{16}$ ـ بتاریخ ۱۵ رمضان ۱۲۸۰ھ مطابق ۱۱ مارچ 1864ء منگل کے دن دوپہر میں مکمل ہوا۔ اس نسخے کے آخر میں حاکمانِ وقت کی توجہ انعام اور صلے کی طرف مبذول کرائی گئی ہے۔ اس نسخے کا کاغذ ولایتی ہے جسے ایرانی اصطلاح میں ترمہ کہتے ہیں۔

(۲) سائز $\frac{18 \times 22}{8}$ ، کاغذ سفید بخارائی۔ دیمک خوردہ، خط شکستہ۔ پہلے صفحے پر لکھا ہے، مصنف دیوانِ ہٰذا فقیر نور احمد متخلص بہ چشتی لدھیانوی عفی عنہ، یہ قلمی کتب مصنف کا ہے۔
یہ نسخہ مصنف کے بھائی مولوی محمد علی کے پوتے مولوی ممتاز علی چشتی کی ملکیت رہا ہے۔

ان دونوں نسخوں میں غزلیات کی تعداد یکساں ہے۔ اس کے علاوہ مخمس، واسوخت اور رباعیاں بھی دونوں نسخوں میں ایک جیسی ہیں، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ چشتی نے 1864 کے بعد شاعری کی طرف توجہ نہیں کی کیونکہ اس زمانے سے پہلے اور بعد وہ تحقیقات چشتی کی تدوین اور تبدیلی اشاعت کے سلسلے میں مصروف تھے۔ دونوں مخطوطے ایک ہی سال کے کتابت شدہ معلوم ہوتے ہیں۔ ممکن ہے نمبر ۲ مخطوطہ کچھ دیر پہلے کا ہو کیونکہ بے تاریخ ہے۔

نور احمد چشتی کے دیوان اردو کی تفصیل یوں ہے :

غزلیات : 147
مخمس : 6
واسوخت : 1
رباعیات : 2
مرثیہ : 1
مادہ ہائے تاریخ : 2
مناجات : 1

مولوی نور احمد چشتی کا اردو کلام بعض خصوصیات کی بنا پر قابل توجہ ہے۔ ان کی وضاحت سے پہلے لازم ہے کہ اس ماحول کے بارے میں چند باتیں ذہن نشین کر لی جائیں جب میں چشتی کی شاعری وجود میں آئی۔

چشتی کا زمانہ پنجاب میں انیسویں صدی کے نصف اول کا ہے۔ یہ وہ دور تھا جب پنجاب میں مہاراجہ رنجیت سنگھ اور اس کے جانشینوں کی حکومت تھی۔ اس عہد کی نمایاں خصوصیت تاریخ نویسی ہے۔ سرکاری طور پر مخصوصاً اردو زبان میں شاعری اور نثر کا رواج کم تھا۔ کیونکہ سرکاری زبان فارسی اور عوامی زبان پنجابی تھی۔ اردو کو محض مسلمانوں کی تہذیبی زبان

کی حیثیت سے پہچانا جاتا تھا ۔ اردو میں صرف وہ لکھنے والے مشہور ہوئے تھے جو یا تو ہندو تھے یا مسلمانوں کی تہذیب ان کے اندر رچ بس چکی تھی ۔ دربار کی طرف سے اردو شاعری یا ادب کی کوئی حوصلہ افزائی نہیں تھی ۔ رنجیت سنگھ کے جانشینوں میں سے راجہ شیر سنگھ علم و ہنر کے قدردان تھے اور فنون لطیفہ کا اچھا ذوق رکھتے تھے ۔ انہوں نے فارسی نظم و نثر کے ساتھ ساتھ اردو شاعری میں بھی دلچسپی لی اور بعض ادیبوں کی قدردانی کی ۔ مثلاً نثار علی نکہت اور مولوی غلام جیلانی ان کے دربار سے وابستہ تھے جو منظر عام پر آئے ہیں ممکن ہے اور بھی اردو شعراء ان کے دامن دولت سے وابستہ ہوں ۔ راجہ شیر سنگھ کو زندگی نے مہلت تھوڑی دی اور اردو شاعری کی خالصہ عہد میں سرپرستی کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا ۔

ان حالات میں کسی کا اردو شاعر کی حیثیت سے نام پیدا کرنا اور اس پر اضافہ یہ کہ صاحب دیوان ہونا بجائے خود ایک امتیازی حیثیت رکھتا ہے ۔ اس دور کے اردو شعراء میں مثلاً فقیر سید نورالدین مفتون ۔ دیوان ارناتھ اکبری، مولوی احمد بخش یکدل ۔ مولوی نور احمد چشتی، مولوی غلام حسن خودم کا کلام اپنی قدر و قیمت کے لحاظ سے تو بار ارزش ہے لیکن تعداد کے اعتبار سے بے حد مختصر اور ناچیز ہے ۔ مولوی یکدل کی معلوم غزلوں کی تعداد پچاس سے بھی کم ہے ۔ مولوی فرید کا اردو دیوان دستیاب نہیں ۔ فقیر نورالدین مفتون نے فارسی دیوان کے حواشی پر اردو غزلیں کہی ہیں لیکن ان کے موضوعات نعت اور مناقب سے اختصاص رکھتے تھے ۔ اس دور کی اردو شاعری کی نمائندگی ایک لحاظ سے صرف تین دیوانوں کو نصیب ہوتی ہے ۔ دیوان خودم بعنوان ملفوظات خودم ، دیوان اکبری اور دیوان چشتی ۔ ان میں سے صرف دیوان اکبری شائع ہوا ہے ، باقی دونوں دیوان تا حال غیر مطبوعہ ہیں ۔

مولوی نور احمد چشتی اپنے معاصرین کے درمیان ممتاز اردو گو شاعر ہے ۔ ارناتھ اکبری ایک لحاظ سے ان کے استاد بھائی تھے ۔ کیونکہ اکبری اور چشتی دونوں شاعری میں مولوی احمد بخش یکدل سے اصلاح لیتے تھے ۔ اکبری کے کلام پر آخری باب میں بحث کی جائے گی ۔

مولوی نور احمد چشتی پنجاب اور دہلی کے جن نامور غزل گو شعراء سے متاثر ہیں ان میں ظہیر (ظہیر حسن)[۱] اکبری (ارناتھ) یکدل (مولوی احمد بخش) اور ظفر (بہادر شاہ) قابل ذکر ہیں ۔ ان معاصرین

---

(۱) اس دور کا ایک اور اہم شاعر ظہیر حسن ظہیر لاہوری تھا جس کی شاعرانہ عظمت کا اعتراف چشتی اور اکبری دونوں نے اپنے قطعوں میں کیا ہے ۔ ان کا اردو دیوان ابھی گمنامی کے اندھیرے میں چھپا ہوا ہے ۔

سے استفادہ کیا۔ البتہ انہوں نے بعض غزلوں کے مقطعوں میں کیا ہے جو درج ذیل ہیں :

مظہر حسن ، مظہرؔ زوار

مظہرا دیکھ یہ چشتی کی غزل کیسی ہے | نور کے کوہ سے گویا کہ تجلّا اٹھا

دلگیر علی ، دلگیر تخلص :

دلگیر کو گو کہ بہ لگتا ہے سراناں مرا | لیک صد شکر کہ مجھ سے نہیں شکوہ اٹھا

محو ، میاں دوستاں :

چشتیا کہہ دے محو کو حسب حال اپنا تو لیوں | غم کا غمخوار ہے میں مجھکے غمخواروں میں ہوں

محو کے قدموں پہ رکھ سر اب تو نے کیا چشتیؔ | کہ مشکل عاشق دلگیر بیچارے کی نہیں جاتی ہے

چشتیؔ کے اردو کلام میں دہلوی شعراء کی تقلید کے باوجود پنجاب کا مقامی رنگ اور طرزِ فکر نمایاں ہے۔ ان غزلوں میں بحروں کے انتخاب سے لے کر زبان کی دو و بیت تک پنجاب کا مخصوص مزاج زندگی جھلکتا ہے۔ غزلوں میں حسن و عشق کے مضامین موجود ہیں لیکن ان کے ہاں معشوق کا تصور موہوم یا خیالی نہیں۔ بلکہ پنجابی شاعروں کی طرح صنف مخالف سے مردانہ وار تخاطب موجود ہے۔ انہوں نے ایک غزل میں بیوی کا ذکر نام لے کر کیا ہے :

سعید بیگم ترے آرام سے سو لیں گے کبھی | تجھ سے کوئی بات خرافات نہ ہونے پائی

آ شعر چشتیوں باوام لب چوب لیتہ چہرہ خورشید ال | اپنے چہرے کے مقابل ماہ حسرت کھاتا ہے

غزلوں سے زیادہ مقامی رنگ ان کی ان نظموں میں ہے جو ہولی کے موضوع پر لکھی گئی ہیں۔ ہولی پر دیوانِ چشتیؔ میں دو مخمس ہیں ان میں ایک کے کچھ بند درج کیے جاتے ہیں :

ہجوم کرتے ہیں ہر شے خمسار ہولی میں | بہت ہے خوب کھلا سبزہ زار ہولی میں

تمام یاروں سے ہیں کا کار ہولی میں | غرض کہ خوب کھلی ہے بہار ہولی میں

کھیلو شوخ فضل کرے خاکسار ہولی میں

فلک بھی کھیلے ہے ہولی اڑا عبیر و گلال | بنا کے قمقمے تاروں کے اور قمر کا تھال

تمام روئے زمیں کو کرے شفق سے لال | چنانچہ جوت خورشید کی اڑاوے ہے بال

غرض فرشتے ہوئے ہے خاکسار ہولی میں

---

(۱) مظہر حسن مظہر کی ایک غزل مولوی احمد بخش نے بیاض شمارہ 17 میں نقل کی ہے۔ جس کا مطلع ہے :

دیکھو اے ماہ جبیں آج ہوا عید کا چاند | تجھ کو ہر سال مبارک ہو سدا عید کا چاند

لیکن اس غزل کا یہ شعر بے مقصد تھا :

شب جو آیا ہلال مجھ کو جب دیکھا | آگیا شوق سے زیرِ شمیم یارو عید کا چاند

کبھی جو عاشقوں کے حال سے تو ہو ماہر — تو ان کی ساری کتھا کو میں کروں ظاہر
تو صرف زردیٔ رو سے ہوا تمہارے ہوئے ظاہر — مجھے تو رنگ سے کچھ کر نکال اب باہر

کہ میں تجھ سے کبھی ہوں بجھیا رہوں میں

مبارک اے دل شیدا کہ یار آتا ہے — تمام سال کا رنج والم گنواتا ہے
یہ تیرا عطر عبیر آگے سب اڑاتا ہے — اگر یہ سچ ہے تو حشتیؔ خدا سے چاہتا ہے

کہ راگ رنگ ہوں سب بار بار ہولی میں

حشتیؔ کی شاعری کا اہم موضوع حسن و عشق ہے۔ یوں تو تمام غزلیات میں اس کا اظہار بھرپور اور والہانہ ہے تاہم ان کی ایک نظم واسوخت اس جذبے کی بطور خاص عکاسی کرتی ہے۔

واسوخت میں اس دور کی معاشرتی زندگی کی بعض جھلکیاں بھی نظر آتی ہیں:

بیٹھ کر غیروں میں تب تو نے جو بلا کر مجھ کو — میں نے جو تجھ کو کہا تو نہ ملا کر مجھ کو
خوب ہی اس کو جتاتے ہو جتا کر مجھ کو — اصل میں اس کو سناتے ہو سنا کر مجھ کو

گر تو با ہر کسی خلق نکو خواہی کرد
شوخ با ما تو چہ کردی کہ بد خواہی کرد

میں نے تو جور اٹھایا ہے جفا کاری کا — تجھے ہی ڈر کیا نام وفاداری کا
میں تو سمجھا تھا نہیں چھوڑوں گا کبھی یاری کا — تم نے تو خوب نکالا ہے جفا کاری کا

کسی عاشق کو نہ معشوق نے مارا ایسا
مجھ کو برباد کیا تم نے بیچارے جیسا

دیوان حشتیؔ کے حصہ غزلیات سے چند اشعار لکھوا لئے تھے۔ کلام پیش کیا جاتا ہے،

جس وقت کہ چل جاتی ہے تلوار زباں پر — کچھ دوستو آتی نہیں تدبیر زباں پر
جب میں نے کہا وضع تری واہ تو بولے — مت لائیو اس وضع کی تقریر زباں پر

وہ جو پہلو سے اٹھے درد کلیجا اٹھا — ضبط کی تاب نہ باقی رہی چلّا اٹھا
عشق کے رمز و کنایہ کی سمجھو میں یارو — مجنوں مشہور تھا پر حشتی بھی جو لکھیا اٹھا

آنکھ اور زلف کا جب گو میں کہ سودا اٹھا — اس کی حیرانی میں پریشانی کا شہرہ اٹھا
کھل گیا قتل سر عام مرے قاصد کو — اچھا اچھا ہوا ہر روز کا جھگڑا اٹھا
پانی پانی ہوئے لے چادر غیرت مہ و مہر — جس گھڑی یار کے چہرے سے دوپٹا اٹھا
رات مجنوں نے جو روتا ہوا دیکھا مجھ کو — ہوش جاتے رہے اور رشک سے تھرا اٹھا
دیکھیا حشتی کا جو مظہر نے یہ چرچا ہر سو — بولا اب ہند میں لاہور کا چرچا اٹھا

دل کو اب الفت گلشن سے اٹھالے بلبل　　آمد باد خزاں ہے نہ خفالے بلبل

الفت میں اک زمانے کو ہم وطن بنا لیا　　اک دل رکھا تھا دوست سو دشمن بنا لیا

یہ آب و تاب رونے میں ہے ان دنوں مری　　گلخن میں گر جو بیٹھا تو گلشن بنا لیا

زاہد تو کر عبادتیں جنت کے واسطے　　ہم نے تو کوئے یار کو مسکن بنا لیا

یاں تک لکھا میں کرتا ہوں حال ہجر　　ہر استخواں میں اپنے کو قط زن بنا لیا

تاثیر آہ و نالہ کی سوجھی نہیں تجھے　　دل کیسا تو نے اے بت پرفن بنا لیا

چاہیں وہ گر رقیبوں کو تو ہم کو کچھ نہیں　　اب ہم نے اپنے دل کو بھی آہن بنا لیا

میں معتقد ہوں اس بت کافر منش کا کہاں
چشتی اہل دین کو برہمن بنا لیا (۱)

---

۸ - تحفۂ چشتی مصنفہ مولوی نور احمد چشتی

اس کتاب کا موضوع علم قواعد اور تشریح اضافت وغیرہ ہے۔ یہ کتاب پادری جان نیوٹن صاحب کے لئے لکھی گئی۔ سبب تالیف میں مولوی نور احمد لکھتے ہیں:

"راقم فقیر نور احمد المتخلص بہ چشتی لاہوری عفی عنہ نے جب جناب رابرٹ ڈوری گرفن صاحب بہادر اور ایلیگزنڈر میکلوڈ اسٹوارٹ صاحب بہادر کمشنر اور جناب فریڈرک تھومسن میں برج صاحب بہادر اور پرنٹ اشبرنر صاحب بہادر کی تعلیم سے فراغت پائی تو خوبی قسمت سے صاحب موصوف کی خدمت میں مشرف ہوا اور رائے جہاں افروز اسی بات کی مقتضی ہے کہ قواعد فارسیہ اور محاورہ اردو و عربیہ حاصل ہو۔ بنا برآں ایک رسالہ علم قواعد اور تشریح اضافت وغیرہ میں حسب محاورہ تصنیف کرتا ہوں۔ یقین کامل ہے کہ پادری صاحب بہادر موصوف بھی بہ نظر قدردانی ملاحظہ فرماویں گے اور نام اس کا تحفۂ چشتی رکھا۔" (2)

تحفۂ چشتی اردو میں فنی اور دستوری نثر کا خوبصورت نمونہ ہے۔ گرائمر کے پیچیدہ اور خشک مطالب کو سلیس، عام فہم اور شستہ زبان میں ادا کرنا مولوی نور احمد چشتی کے کمال فن کا مظہر ہے۔

---

(۱) مولوی نور احمد چشتی: دیوان چشتی، مکتوبہ مصنف بخط شکستہ، مملوکہ راقم الحروف

(2) مولوی نور احمد چشتی: تحفۂ چشتی، لاہور مطبع پنجابی ۱۲۷۳ھ / 1856ء ص 7۔

زبان کی صفائی اور اظہار کا حسن کسی جگہ بھی مجروح نہیں ہونے دیا۔ اور جگہ جگہ اردو اشعار کی مثالیں دے کر موضوع کو اور بھی دلچسپ بنا دیا ہے۔ ایک اقتباس بطور نمونہ درج کیا جاتا ہے:

"کلام میں وہ نسبت جو درمیان دو کلموں کے ہے اس طرح پر ہوتی ہے کہ سبب اس کے سکوت صحیح ہوتا ہے اور اس کو اسناد کہتے ہیں۔ پس وہ کلمہ کہ جس کی اسناد کسی کی طرف کیجیے اس کو مسند کہتے ہیں۔ اور جس کی طرف مسند ہو اس کو مسند الیہ کہتے ہیں۔ اور مسند اور مسند الیہ کا کلام میں واقع ہونا دو حال سے خالی نہیں ہے۔ یا تو دونوں اسم ہوں تو اس کلام کو جملہ اسمیہ کہتے ہیں اور مسند الیہ کو مبتدا اور مسند کو خبر کہتے ہیں۔ پھر وہ دونوں اسم خواہ جامد ہوں جیسے وہ زید ہے، وہ مبتدا اور زید خبر اور "ہے" حرف ربط خواہ ایک جامد اور دوسرا مشتق یا ایک اسم اور دوسرا فعل"۔ (۱)

یادگار چشتی کا پہلا ایڈیشن پنڈت لبنا نامک مستری خلف پنڈت اجودھیا پرشاد کے اہتمام سے ۲۱ جمادی الثانی ۱۲۷۰ھ مطابق ۲۱ مارچ ۱۸۵۴ء کو مطبع لاہور گزٹ میں شائع ہوا۔ یہ نایاب ایڈیشن پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے۔ دوسرا ایڈیشن منشی محمد عظیم کے اہتمام سے ۱۲۷۳ھ مطابق ۱۸۵۶ء کو مطبع پنجابی لاہور نے شائع کیا جو راقم الحروف کے پیش نظر ہے۔

۹۔ حکایات چشتی مصنفہ مولوی نور احمد چشتی

یہ فارسی مصادر کی گردانوں پر مشتمل کتاب ہے۔ لفٹیننٹ جارج ڈبلیو۔ سی۔ بلوڈن کے پاس خاطر سے لکھی گئی۔ اس کا سال تصنیف ۱۲۷۶ھ مطابق ۱۸۵۹ء میں لکھی گئی۔ مولوی نور احمد نے مادہ تاریخ موزوں کیا:

جب میں نے کہا کہ دوستو تم — چشتی کے یہ مصطلحات دیکھو
بولا کہ فقط یہ سن ہجری — چشتی کی حکایات دیکھو

۱۲۷۶ھ

سبب تالیف میں لکھتے ہیں:

"حمد کمترین جزو ہیچمیرز نے بپاس خاطر جناب خداوند نعمت لفٹیننٹ مسٹر جارج ڈبلیو۔ سی۔ بلوڈن صاحب بہادر اور رفاہ عام کے چند مصادر مع ترانسلیشن

---

(۱) ایضاً ص ۹ تا ۱۰۔

جمع کیے اور نام اس کا مجربات چشتی رکھا۔ اسے مقبول خاص و عام ہو۔" (۱)
اس کتاب کی تیاری میں جن کتابوں سے مدد لی گئی ان میں سے صفوۃ المصادر، تلخیص المفتاح اور مصدر مقصود فنون کے نام مولوی نور احمد نے لیے ہیں۔ آخر میں علم کلام اور علم ہندسہ کا مختصر بیان الہیات میں کیا گیا ہے۔

یہ کتاب مسال تا معلوم یعنی ۱۲۷۶ھ میں ہی پہلی مرتبہ مطبع مصطفائی لاہور سے شائع ہوئی۔ دوسرے ایڈیشن کی تاریخ بھی مصنف کے بھائی مولوی محمد علی مردل چشتی کے پڑپوتے مولوی ممتاز علی چشتی نے گذارش کی اس کی اشاعت کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ کوئی نسخہ کسی وسیلے سے دستیاب نہیں ہوتا۔ یقینی ہے کہ اشاعت نہ ہو سکی ہوگی۔ مولوی ممتاز علی اپنے روزنامچے میں لکھتے ہیں:

"ہر مسوں (۱۰۔ فروری ۱۹۱۸ء) میں مولوی عبدالمجید چشتی سے ایک نسخہ مجربات چشتی مصنفہ مولوی نور احمد چشتی لے آیا تھا۔ اس کی نقل کر رہا ہوں۔ آج مورخہ ۱۳ فروری ۱۹۱۸ء بوقت صبح مجربات چشتی کو ختم کر لیا ہے"۔ (۱)

۱۵۔ دیوان اردو (ارمغان چشتی) مصنفہ مولوی محرم علی چشتی

مولوی محرم علی چشتی کی علمی اور ادبی شہرت "رفیق ہند" سے وابستہ ہے۔ اس کا بیان آگے عنوان سے ہوگا۔ صحافتی، علمی، دینی اور فلاحی خدمات کے ساتھ ساتھ تو مولوی محرم علی شاعری بھی کرتے تھے۔ اردو اور فارسی کلام کے کئی مجموعے ارمغان چشتی کے نام سے موجود ہیں۔ مولوی محرم علی چشتی کا تخلص بھی اپنے بزرگ مولوی نور احمد کی طرح "چشتی" تھا۔ مولوی محرم علی حضرت مستان شاہ کابلی کے مرید خاص اور فنافی الشیخ کے درجہ پر فائز تھے۔

ارمغان چشتی میں زیادہ تر اردو غزلوں اور نظموں کا موضوع صوفیانہ ہے۔ ان کے کلام میں زیادہ تر نظمیں حضرت مستان شاہ کابلی، حضرت پیر مہر علی گولڑوی، حضرت نظام الدین اولیاء، حضرت خواجہ معین الدین چشتی، حضرت شاہ دولہ دریائی اور دیگر پیران چشت اہل بہشت کے مناقب نظر آتے ہیں۔ سلطان الہند خواجہ غریب نواز اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی مدح کے اشعار ہیں:

لطف و رحمت کا ترے اب ہو سکا مجھ سے بیاں — مجھ کو خود درگاہ میں بلوا کے رکھا مہماں

---

(۱) مولوی ممتاز علی چشتی: روزنامچہ ممتاز علی مملوکہ پروفیسر قرۃ العین چشتی لاہور۔ راقم الحروف نے فوٹو سٹیٹ سے استفادہ کیا ہے۔

۱۰۔ رفیقِ ہند — مرتبہ مولوی محرم علی چشتی

پنجاب میں اردو کی صحافت میں رفیقِ ہند کو اہم مقام حاصل تھا۔ نہ صرف اس لئے کہ اس اخبار کا دور یہ مقدار اور ہیئت سنجیدہ اور متین تھا بلکہ اس لئے بھی کہ رفیقِ ہند تنہا اخبار تھا جو پنجاب میں مسلمان قومیت کی آواز سمجھا جاتا تھا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد دیسی اخبارات میں سے بعض کو اشاعت کی اجازت تو مل گئی لیکن ان پر کڑی نگرانی کی جا رہی تھی۔ پنجاب میں یہ عمل اور بھی محتاط تھا۔ اس لئے ۱۸۸۵ء کے بعد پنجاب میں علم و دانش کی فضا بھی اور سیاسی اور تہذیبی شعور کی وجہ میں یہاں زیادہ تیز ہو گئیں۔

رفیقِ ہند کا پہلا شمارہ ۵ جنوری ۱۸۸۴ء کو منظر عام پر آیا۔(۱) اس کے ایڈیٹر محرم علی چشتی ایک بھرپور شخصیت کے مالک تھے۔ اپنی خاندانی تفضل، دنیاوی تعلیم، دینی مسائل سے آگاہی، مشرقی اور مغربی ادب کے مطالعے اور انگریزی، فارسی، عربی اور اردو پر کامل عبور نے انہیں میدان صحافت میں قدم رکھنے کے لئے خود اعتمادی سے ہمکنار کیا۔ پہلے شمارے کا افتتاحی مقالہ ملک کے نامور دانشمند اور عالی قدر مصلح سر سید احمد خان نے تحریر کیا۔ اس مقالے میں انہوں نے رفیقِ ہند کی ضرورت اور اہمیت کو بیان کرتے ہوئے اس کی کامیابی کا یقین دلایا اور اس کے لئے دعا کی۔ انہوں نے لکھا کہ ہر اخبار کی کامیابی کا سہرا اس کے ایڈیٹر کے سر ہوتا ہے جس کی صحافتی سوجھ بوجھ اور سیاسی اور علمی بصیرت اخبار کو رونق اور اعلیٰ معیار عطا کرتی ہے۔ سر سید نے اس سلسلے میں رفیقِ ہند کے ایڈیٹر مولوی محرم علی چشتی کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

> ہمارے ملک کے اخباروں میں پنجاب کے اخبار بہ نسبت سب سے عمدہ ہیں۔ میں ان کو عمدہ نہیں کہتا، مگر اچھے اور عمدہ کہتا ہوں۔ نہایت خوشی کی بات ہے کہ ان عمدہ اخباروں میں ایک اور اخبار "رفیقِ ہند" کا اضافہ ہوتا ہے۔ جس کی نسبت توقع ہے کہ [illegible] کو نیا اخبار پیدا ہونے والا ہے۔ ہمارے شفیق مولوی محرم علی چشتی جن کی ذہانت، جودتِ طبع، تیزیٔ خیالات اور ہمدردیٔ قوم مشہور و معروف ہے اس اخبار کو نکالتے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ وہ اخبار تمام صفتوں کے ساتھ سلیم الطبع اور متحمل مزاج بھی ہوگا۔ اور جس قدر ممکن ہے ملک کو فائدہ پہنچائے گا۔ اور خدا تو ایسا ہی کرے! آمین۔(۲)

اس سرآغاز مقالے کا ایڈیٹوریل میں ذکر کرتے ہوئے، مولوی محرم علی چشتی نے اپنے بزرگ

---

(۱) ڈاکٹر [illegible] نے اپنے پی۔ ایچ۔ ڈی کے مقالے "پنجاب میں اردو ادب کا ارتقاء" میں رفیقِ ہند کے اجراء کے وقت ملک کی سیاسی اور صحافتی صورت حال کا تفصیل سے جائزہ لیا ہے۔ اس جگہ محض رفیقِ ہند کی اردو خدمات پر توجہ مرکوز کی جائے گی۔

(۲) رفیقِ ہند (ہفتہ وار) لاہور ۵۔ جنوری ۱۸۸۴ء ص ۱

دانشمند کی محبت اور دلچسپی کا شکریہ ادا کیا اور لکھا:

"ہمارے آنریبل منبع عالی جناب مولوی سید احمد خان صاحب بہادر سی ایس آئی نے رفیق ہند کے جاری ہونے کا حال معلوم کر کے براہ محبت بزرگانہ ہمیں مندرجہ ذیل مضمون عطا فرمایا ہے۔ جس کے اندراج سے ہم سب سے پہلے اپنے ایڈیٹوریل کالموں کو مفتخر کرتے ہیں!" (۱)

رفیق ہند کی پالیسی پر بحث کرتے ہوئے انہوں نے اپنے ایک اداریتی مقالے میں لکھا:

ہمارے اہل الرائے کا عموماً اس بات پر کلی اتفاق ہے کہ دیسی زبان کے اخبارات میں ابھی تک ایک ایسے قومی اخبار کی ضرورت باقی ہے جو انگریزی اخبارات کا پورے طور پر آزادی سے اپنے قومی اتحاد کے وسائل پیدا کر کے ہندوستان کے مختلف فرقوں کو ایک پولیٹیکل پلیٹ فارم پر لانے کی کوشش کرے۔ اور راست بازی سے ان کے خلاف قانونی زیادتیوں کو گورنمنٹ اور ملک کی خدمت میں پیش کرتا رہے جو بعض سرکاری عہدہ داروں کے ہاتھ سے ہندوستانی رعایا پر خصوصاً بیہودہ مخالفات سرزد ہوتی ہیں۔ جہاں لوگ اپنے حقوق سے اچھی طرح واقف نہیں نیز ہندوستانی والیان ریاست کو بھی ان کے اختلافی امور سے مطلع کرتا رہے اور حاکم و محکوم میں جو باعث تفرقہ کے ہیں ان کو رفع کرنے کے وسائل پیدا کرے۔ غرضیکہ ایک سچا اور سچی خادم قوم ہو۔

گو خود مولوی کی ایڈیٹری سے قطع تعلق کے بعد ان سب واقعات کے خیال سے میرے احباب نے بالاتفاق مجھ پر بڑے اصرار سے مجھے ایک نئے اردو اخبار کی اشاعت کے لئے ترغیب دی۔ میں اپنی نسبت ہرگز وثوق سے نہیں کہہ سکتا کہ فی الحقیقت میں ان تمام قومی فرائض کو پورے طور پر ادا کرنے کے قابل ہوں گا جو ایسے اخبار سے مقصود ہونے چاہئیں۔ مگر اس میں شک نہیں کہ اگر میری ناچیز خدمات کسی قابل بھی سمجھی جاویں تو میرے لئے اس سے زیادہ فخر کی کوئی بات نہیں کہ اپنے برگزیدہ احباب کے ارشاد اور قومی خدمت کے لحاظ سے اپنے فرائض کو حتی الامکان کامل طور پر پورا کرنے کی کوشش کروں اور جو قلم زبانی جمع خرچ سے قطع نظر کر کے ہر ایک چیز کو اپنی نسبت خود بتاتا جاوے کہ وہ کیسی ہے اس لئے میں اس بات کا فیصلہ آئندہ کے لئے زیادہ تر پبلک پر چھوڑ دوں گا کہ کہاں تک میں نے اپنے وعدے کی ایفا میں کوشش کی ہے۔

ہندوستان کی موجودہ عام حالت کے بموجب آزادی اور قومی ہمدردی جس قسم کا بھاری جرم سمجھی جاتی ہے اس کے لحاظ سے بخوبی ان مشکلات کی نسبت پیش گوئی کی جا سکتی ہے جو رفیق ہند جیسے پرچے کے لئے لاحق ہو یقینی ہیں۔ پس ایک ایسا قومی اخبار اپنے قائم رکھنے کی کوئی سبیل نہیں رکھ سکتا۔ سوائے اس کے کہ بحیثیت مجموعی قوم ہی اس کی ذمہ دار ہو

اپنے سر لے لے، کیونکہ دیانت اور صداقت کی موروثی جائیداد ہی کے باعث کوئی ناجائز ذریعہ معاش کا اس کے لئے کھلا نہیں رہ سکتا۔ لہٰذا یہ قوم کا فرض ہے کہ وہ اپنے جاں نثار "رفیق" کی خدمات کی قدر کرے اور ہر ایک عملی ذریعہ اس کے قائم رہنے کو مہیا کرے۔

ہمیں بڑے فخر سے اس بات کے اظہار کا موقع حاصل ہے کہ اس ناچیز پرچے میں خیالات کی روح دوڑانے کے لئے ہمارے قومی ہمدرد و ہندوستان کے بڑے بڑے مشاہیر اور اول درجے کے مسلم الثبوت صاحبِ قلم بہت شوق اور محبت سے آمادہ ہیں۔ اب پبلک کی امداد کے بھروسے پر اس امر کا اعلان کیا جاتا ہے کہ ماہ جنوری 1886ء سے یہ اخبار بہ وسعت بڑی تقطیع کے سولہ صفحوں کی ضخامت میں ہفتہ وار شائع کیا جاتا ہے۔ بعد ازاں جہاں تک اہل وطن حوصلہ دلائیں اس کی ترقی کے دوسرے سامان پیدا کرنے میں سعی کی جائے گی۔" (1)

اس ریویو میں انہوں نے اخبار کے بارے میں ایک ایسی پالیسی اور منشور کا اعلان کیا جو آخری دم تک "رفیق ہند" کا نشان امتیاز رہا۔ آخری پرچے میں انہوں نے اس بات کا اظہار کیا تھا کہ رفیق ہند کے ساتھ قلمی تعاون پر ملک کے نامور مشاہیر اور صف اول کے ادیب آمادہ ہیں۔ یہ تعاون پہلے دن سے رفیق ہند کے آخری دن تک برقرار رہا۔ رفیق ہند 1884ء سے 1905ء تک کبھی مسلسل اور کبھی مجبوریوں کے تحت غیر مرتب صورت میں شائع ہوتا رہا۔ مولوی محرم علی چشتی کی حق گوئی اور بے باکی نے کئی دفعہ انہیں مشکلات اور مصیبتوں سے دوچار کیا۔ انہیں قید و بند کی تکالیف جھیلنی پڑیں لیکن ان کے پائے استقامت میں لغزش نہ آئی۔ رفیق ہند کو 1894 — 1895 کے قریب بند کرنا پڑا لیکن 1897ء میں دوبارہ جاری کر دیا گیا۔

اس طرح 1885ء میں محرم علی چشتی کو ان کی بے باک تحریر کی پاداش میں جیل ہو گئی اور یہ سزا ایک ماہ کی مدت کے بعد ختم ہوئی۔ رفیق ہند کی 28 مارچ 1885ء کی اشاعت میں ایک خبر مندرجہ ذیل الفاظ میں شائع کی گئی ہے:

"آج (14 مارچ 1885ء) ۳ بجے سے شام کی لاہور سے ایک ٹیلی گرام [illegible] کو یہ خبر ملا کہ مولوی محرم علی چشتی ایڈیٹر رفیق ہند قوم کی خدمت میں اپنی [illegible] ایک مہینے کے لئے الگ کر دیئے گئے ہیں۔"

مولوی محرم علی کی رہائی کی خبر رفیق ہند کے ضمیمے میں مندرجہ ذیل الفاظ میں شائع ہوئی:

---

(1) رفیق ہند: 12 جولائی 1884ء۔ ص 32۔

"جب بڑے شور اور تزک و احتشام کے ساتھ ایڈیٹر "رفیق ہند" کا استقبال 17 اپریل کی صبح کو جیل خانہ سے رہائی کے وقت ہوا وہ ایک تاریخی معاملہ ہے۔" (1)

اس عرصے میں جب ہند کے صفحات پر جن ادیبوں کے رشحاتِ قلم نظر آتے ہیں ان میں سر سید احمد خان، مولانا محمد حسین آزاد، مولانا الطاف حسین حالی، محسن الملک، سید اقبال علی، مولوی ذکاء اللہ، مولوی محمد علی بچھرایونی، حکیم سید جلال الدین، مولوی مرزا فتح محمد جالندھری، مولانا غلام قادر گرامی، ڈاکٹر لائٹنر اور مولانا وحید الدین سلیم کے نام قابل ذکر ہیں۔

خود مولوی محرم علی چشتی اپنی زندگی کے ہر پہلو اور وقت کے تقاضے کے مطابق ہر موضوع پر برجستہ لکھنے کی قدرت رکھتے تھے۔ ان کی ~~تحریر~~ تحریر سادہ، برجستہ، مدلل اور عام فہم ہوتی تھی۔ ان کی شخصیت کی تعمیر میں ان کے والد اور جلیل القدر بزرگوں کا حصہ تھا جو حق گوئی اور راست بازی میں کسی قسم کی مداہنت کا قائل نہ تھی۔ مولوی احمد بخش یکدل کے بیانوں سے ثابت ہے کہ انہوں نے تاریخ نگاری میں حق گوئی کو اپنایا اور سچی بات کہنے میں کسی صاحبِ جاہ کی پروا نہیں کی۔ انہوں نے مغلوں، سکھوں، افغانیوں اور انگریزوں کی حکومتوں پر ناجائز پالیسیوں پر یکساں تنقید کی ہے۔ انہوں نے تبلیغ علم اور تبلیغ دین کے سلسلے میں راست بازی سے کام لیا۔ مولوی محرم علی میں بھی اسی قدر کی تاثیر تھی۔ وہ حق گوئی اور حق طرازی کے لئے مشہور ہو گئے تھے۔ اُن کے خیالات کی سچائی اُن کے اسلوب میں تاثیر کی ضامن ہے۔ رفیق ہند میں وہ انگریزی پالیسی پر اداریے کے علاوہ مقالات اور مضامین بھی لکھتے تھے۔ ذیل میں چند تحریروں کا حوالہ دیا جاتا ہے جو رفیق ہند میں 1884ء سے ستمبر 1887ء تک شائع ہوئیں۔ یہ فہرست ڈاکٹر عفت ذکوہر کے مقالے میں لی گئی ہے (2)

1. پبلک سروس کمیشن کے سامنے شہادت
2. کلکتہ کانگرس
3. اخبار ٹریبیون اور پبلک سروس کمیشن
4. نیشنل کانگرس اور بنگالیوں کی چالیں
5. اہل حدیث یا وہابی؟
6. ہندوستان کے حاجیوں کے لئے سہولت اور ٹامس کُک کارستانی
7. کشمیری مسلمان اور نیشنل کانگرس

---

(1) ضمیمہ رفیق ہند 18 اپریل 1885ء۔ (2) ڈاکٹر عفت ذکوہر: پنجاب میں اردو ادب کا ارتقاء (مقالہ پی ایچ ڈی) غیر مطبوعہ: ورق 193 ۔

8۔ ریاست جموں کشمیر کی نئی منسٹری

9۔ نیشنل کانگرس اور مسلمان

10۔ مسلمانان لاہور اور جشن جوبلی

11۔ ریاست جموں میں انتظامی تزلزل

12۔ سپہ سالار مہدی کے حالات

13۔ مسٹر سومرسیٹ پرسی کا عہدہ سے سبکداری

14۔ ایک اخبار نویس کی سوانح عمری

15۔ سابق اور نئے لاٹ صاحب بہادر پنجاب کی آئندہ امیدیں

16۔ شیخ محسن شیم جموں کا مقدمہ

17۔ شمس العلماء ذکا کا خطاب

18۔ پنجاب ٹیکسٹ بک سیریز اور سعید مسی رپورٹ

19۔ مدرسہ اسلامیہ امرتسر

20۔ مسلمانوں کی مسلمانوں پر آفت

21۔ پنجاب میں عید الضحیٰ اور گاؤکشی

22۔ افغانستان میں ہندوستانی مسلمانوں پر کیا سلوک ہوا۔

محروم علی چشتی کے علاوہ رفیق ہند کے قلمی معاونین کی فہرست میں پہلے درجہ کی جا چکی ہے اس اخبار کے ذریعے مندرجہ ذیل کاوشیں منظر عام پر آئیں۔

سرسید احمد خان: مقالہ افتتاحیہ رفیق ہند

ستارۂ مشرقی (ریویو الحفیظ)

نیشنل کانگرس میں بدرالدین طیب جی کے خط کا جواب

مبارکباد جشن جوبلی

مسلمانوں کی تعلیمی حالت

نیشنل کانگرس کے بارے میں اطلاع

مولانا محمد حسین آزاد: سفر ایران

فرہنگ آصفیہ پر ریویو

ڈاکٹر جی ڈبلیو لائٹنر: اسلام اور اسلامی مدارس۔

مولوی ذکاء اللہ: فرہنگ آصفیہ پر ریویو

~~[illegible]~~ مدرسۃ العلوم علی گڑھ

مولانا الطاف حسین حالی: فرہنگ آصفیہ پر ریویو

قصیدہ در تہنیت جوبلی۔

نادر حسین، خان بہادر : تعلیم نسواں

عبدالحکیم سٹرر : فرہنگ آصفیہ پر ریویو

وحیدالدین سلیم : مرثی نوحہ

رفیق ہند کی مختلف اشاعتوں میں لسانی اور ادبی موضوعات پر جو مقالے شائع ہوئے، ان کی بہت فہرست بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگی۔

۱۔ انگریزی محاورات کو اردو میں لانے کا بیان : عبدالقدوس قدوسی : 9- فروری 1884ء

۲۔ انگریزی الفاظ کا اردو میں استعمال : عزیز الدین احمد : یکم مارچ 1884ء

3۔ اردو لٹریچر میں نئے مذاق کی بنیاد : نامہ نگار : " "

4۔ اردو کی زبان دانی : محرم علی چشتی : 15- " "

5۔ انگریزی اور اردو کا رشتہ : پادری رجب علی : 29- "

6۔ " " " " : " " " : 19- اپریل "

7۔ " " " " : " " " : 10- مئی "

8۔ پادری رجب علی اور حضرت قدسی : بجنوری : 7- جون "

9۔ اردو زبان پر ایک منصفانہ نظر : جوہر : 23- اگست "

10۔ ہم اور ہمارا لٹریچر : شہسوار علی جگنور : 7- مارچ 1885

11۔ اردو نظم و نثر کی اصلاح : نواب محمد عمر علی خان : 12- ستمبر "

12۔ ہمارے کلام کی ناواقفیت ہماری زبان سے : محرم علی چشتی : 28- نومبر "

13۔ " " " : " " : 5- دسمبر "

14۔ آزادیٔ تحریر : خلیل الرحمٰن : 19- جون "

یہ صرف دو سالوں کے شماروں کی نامکمل فہرست ہے۔ رفیق ہند نے زبان اردو کی ترویج و ترقی پر پوری توجہ دی اور اس میں اس کے ایڈیٹر مولوی محرم علی چشتی کے ذوق سلیم کا زیادہ دخل تھا۔

رفیق ہند کا سب سے بڑا کام 1884ء میں سرسید کی پنجاب میں آمد پر کوائف نگاری ہے۔ یہ کام اس قدر دقت اور مہارت سے کیا گیا کہ اس دور کے کسی اخبار کو یہ مرتبہ نظر میسر نہ آئی۔ سرسید کے جو ملنے میں مولوی محرم علی چشتی یا ان کی نمائندہ شریک تھا اور ان کی تقاریر کا مکمل ریکارڈ رفیق ہند میں درج ہوتا تھا۔ یہ مواد مولوی اقبال علی کے مرتبہ "سفرنامہ پنجاب" سے کہیں زیادہ ہے۔(۱) مولوی اقبال علی نے اپنی

---

(۱)

کر دیا تھا۔ جناب م۔ سلیم نے از راہ نوازش راقم کو ان میں سے بعض ناولوں کے فوٹو سٹیٹ حاصل کرنے کی اجازت دی۔ اس سیریز میں [illegible] کا جو ہر فوٹو سٹیٹ کی صورت میں راقم کے پاس موجود ہے۔

دیوان ممتاز — مصنفہ مولوی ممتاز علی چشتی

مولوی ممتاز علی چشتی، مولوی عبدالرحمٰن چشتی کے صاحبزادے تھے۔ ۱۳۱۳ھ مطابق 1895ء میں پیدا ہوئے اور عین عنفوان شباب یعنی 1926ء میں فوت ہو گئے۔ ممتاز علی چشتی ممتاز اور خوش دل تخلص کرتے تھے۔ تکملۂ خوش دل کے تحت ان کی غزلیات موجود ہیں۔ دیوان ممتاز میں تمام غزلیں ممتاز تخلص کے تحت ہی لکھی گئی ہیں۔

دیوان ممتاز کا نسخہ مخطوطہ مصنف راقم نے مولوی مسعود علی چشتی صاحب کے پاس دیکھا تھا۔ درسی نوٹ بک پر لکھا ہوا یہ دیوان آغاز یا اختتام کی تاریخ سے محروم تھا۔

مولوی ممتاز علی اپنے عہد کے اچھے شاعر تھے۔ لاہور کے اکثر مشاعروں میں شریک ہوتے۔ ایک مشاعرے کا حال درج ہوا ہے، روزنامچے میں لکھتے ہیں:

"۲۱ جولائی 1917ء بروز یکشنبہ بوقت ۷ بجے صبح ایک مشاعرہ محمڈن ہال میں منعقد ہوا۔ صدر جلسہ راجہ نریندر ناتھ صاحب ایم۔ اے تھے۔ یہ مشاعرہ جنگی نظموں کے متعلق تھا۔ حضرت اقبال نے بھی رباعی پڑھی۔ مابدولت و اقبال شریک جلسہ تھے۔" (۱)

گویا اس تقریب میں مولوی ممتاز علی نے مشاعرے میں اقبال کے ساتھ اپنی موجودگی پر فخر کیا ہے۔

دیوان ممتاز میں غزلیات کے علاوہ سہرے، مرثیے، قطعات اور مثنویات بھی موجود ہیں۔ اس کے علاوہ ان کی سیاسی نظمیں بھی ہیں جن میں بعض نظمیں اس دور کے اخبارات میں بھی نظر آتی ہیں۔ مثلاً ایک نظم کا عنوان ہے: "دنیا میں قیامت"۔ یہ نظم زمیندار لاہور میں شائع ہوئی تھی:

دوستوں کی ہم نے الفت دیکھ لی — آشناؤں کی مروت دیکھ لی
جب ہوا تھا ہم کو بلوا سا ضرر — ان عزیزوں کی محبت دیکھ لی
دختر و مادر میں ہوتی جنگ ہے — باپ بیٹوں میں عداوت دیکھ لی
حکمرانوں میں ہے اک محشر بپا — بادشاہوں کی رفاقت دیکھ لی
ایک دشمن ایک کا ہے اے دلو — [illegible] ہوتی حالت دیکھ لی

---

(۱) مولوی ممتاز علی چشتی: روزنامچہ مولوی ممتاز علی: ورق 56 - مخطوطہ مصنفہ۔ مملوکہ میر منیر زادہ اسعد چشتی لاہور۔

جو محبت کا ہوا کرتے ہیں دم — ان کے دل میں بھی کدورت دیکھ لی
ظاہری اخلاق سے ملتے ہیں سب — دیکھ لی ہر اک کی عادت دیکھ لی
صورت آفت کا یاد دل چھا گیا — رونق بزم ضلالت دیکھ لی
ہو گئے زندان عشرت میں اسیر — قدم نے راہ میں ہر گت دیکھ لی
خود غرض ہو کر نظر آتے سبھی — ہم نے دنیا میں قیامت دیکھ لی

انقلاب دہر سے گھبرا گئے
آسی کی ممتاز ہمت دیکھ لی

اسی طرح ایک اور نظم ہے "فریاد مرغ اسیر" اس میں بھی سیاسی رنگ صاف نظر آتا ہے
ملاحظہ ہو:

ہمیں پر کاٹ کر آزاد کرنا — ذرا انصاف اے صیاد کرنا

ممتاز کی غزلوں میں کلاسیکی رنگ غالب ہے۔ تشبیہ و استعارہ اور واردات قلبی کا بیان قدیمی ہے:

اٹھی جن پر ہو آنکھیں اس طرح کتنی ہیں — مثال ماہی بے آب بے قرار ہوں میں
سمجھ رہے ہیں کچھ ہیں آج کہ کیا ہوا مجھ کو — شبیہ وہم ہوں تصویر حال زار ہوں میں
غضب ہے ٹوٹ پڑا آسمان سر پر مرے — ستم ہے زخم محبت سے دل فگار ہوں میں

ممتاز علی چشتی کی اہلیہ بھی شاعرہ تھیں۔ ان کا نام خورشید سلطانہ تھا۔ مولوی مسعود علی چشتی کے جمع کئے ہوئے تراشوں میں رسالہ "شباب اردو" کا ایک مطبوعہ ورق ہے جس پر خورشید سلطانہ کی مندرجہ ذیل نظم چھپی ہوئی ہے، اس کے ساتھ ہی ایڈیٹر کی طرف سے ایک نوٹ بھی ہے۔ چونکہ اس نوٹ سے مولوی ممتاز علی چشتی کے بارے میں بعض نئی معلومات دستیاب ہوتی ہیں اس لئے ذیل میں نظم مع نوٹ درج کی جاتی ہے۔ یہ نظم مولوی ممتاز علی چشتی کی یاد میں لکھی ہوئی ہے چشتی خاندان کے ہر واحد کا موقف تو ان نے عرصہ میں جب کی نے صحیح معنوں میں قابل احتفاظ ہے۔

یاد ممتاز

"جناب ممتاز علی صاحب ممتاز 'شباب اردو' کے زندہ دل معاون تھے۔ اور سعی اشاعت میں سرگرم رہتے تھے۔ افسوس صد افسوس طاعون نے انھیں عالم شباب میں شہید کر دیا۔ صرف آٹھ دن بیمار رہے کچھ بہتری کی امید ہو چلی تھی کہ دفعتہً پیغام اجل آ گیا۔ ہلال عید غم و الم کا پیغام لے کر طلوع ہوا۔ مرحوم کے پانچ بچے ہوئے لیکن ایک بھی زندہ نہ رہا کہ اس وقت محض مسز ممتاز کے لئے باعث تسکین ہوتا۔ ہماری دعا ہے کہ دعائے کارساز مرحوم کو فردوس نصیب کرے۔ ان کی تربت کو عنبرین کرے۔ مسز ممتاز اور دیگر متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ مسز ممتاز نے عالم تنہائی اور بے قراری میں جو دلدوز اور

جگر خراش اشعار کلیجے میں درج ذیل ہیں:-

ہو گئی تنگ جائے راحت سینے کے آزار کو
سر چڑھا رکھا ہے اس نے آہِ آتش بار کو

آہ وہ خورشید تھا، مہتاب تھا، سیّارہ تھا
گردشِ دوراں دکھا دے پھر مرے سیّار کو

ٹھہر اے موجِ دریا تجھ کو دریا کی قسم
ڈھونڈ کر لا دو ہمارے گوہرِ شہوار کو

ہے ہے وہ گم ہو گیا ہر بار ہے میرا سنگھار
لگ گئی کس کی نظر میرے گلے کے ہار کو

اے فضائے آسماں کے کالے کالے بادلو!
کیوں چھپایا تم نے میرے ماہِ پُر انوار کو

گر یہ سچا ہے تو برسو جلد کھل جاؤ کہیں
کیوں ستاتے ہو عبث مجھ تشنۂ دیدار کو

تیری خوشبو کہہ رہی ہے نکہتِ بادِ نسیم
تو نے چھیڑا ہے پہلو میں مرے دلدار کو

لا سروِ گل ہے خدارا کوئی مجھ کو ڈھونڈ دے
کس جگہ ڈھونڈوں میں اپنے آتشیں رخسار کو

ہائے غنچے تھے مرے سب بن کھلے مرجھا گئے؟
بادِ صرصر نے کیا ویراں گل و گلزار کو

آہ آخر موسمِ امید پر بجلی گری
خاک کر ڈالا جلا کر جان سے بیزار کو

حالِ ابتر ہو گیا اور لٹ گیا میرا سہاگ
رو رہی ہوں میں اکیلی زخمِ دامن دار کو

وہ مرا سرتاج تھا جس پر تھا دستِ اجل
چھین کر نادار تو نے کر دیا نادار کو

ظلم سے ظالموں کے وہ تھا نحیف و ناتواں
ہو نہ کچھ تکلیف اے تربت مرے بیمار کو (۱)

چشتی خاندان کے مصنفین کا متفرق اردو کلام

ان مصنفین کے علاوہ اس خاندان کے کئی اہم شعراء ایسے ہیں جن کے مدوّن دیوان یا مرتب شدہ نثری تصانیف موجود نہیں لیکن ان کے ادب پارے مختلف ادبی رسالوں اور ان کی یادداشتوں میں محفوظ ہیں۔ ان میں مولوی محمد علی چشتی فریدوں، مولوی حامد علی چشتی، مولوی منصور علی چشتی اور مولوی مسعود علی چشتی کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

مولوی محمد علی فریدوں ابنِ مولوی احمد بخش تکیہ ل ایک کہنہ مشق اور پُرگو شاعر تھے۔ زیادہ تر کلام فارسی میں ہے۔ اردو غزلیات اور قطعات کو آپ کے اخلاف نے اپنی بیاضوں میں محفوظ کیا ہے۔ مولوی فریدوں کے مادہ ہائے تاریخ اکثر مسجدوں میں مولویہ اس شہاب کی کتاب لقاء تصنیف میں موجود ہیں۔ انہیں تاریخ گوئی میں خاص ملکہ حاصل تھا۔ مولوی تکیہ ل نے ان کے کچھ فارسی قطعات اپنی بیاضوں میں درج کئے ہیں۔ فریدوں کا کلام معاصر اخبارات کوہِ نور، رفیقِ ہند، سرحد گزٹ وغیرہ میں چھپتا تھا۔ ذیل میں ان کی ایک غزل درج کی جاتی ہے:-

---

(۱) انتخاب از مجموعہ اوراق مملوکہ مولوی مسعود علی چشتی مرحوم

پہلی بار مسلم گزٹ کے ۱۳ مارچ ۱۸۹۱ء کے شمارے میں اور دوسری مرتبہ پیسہ اخبار لاہور میں شائع ہوئی:

ستم میں عاشق گرنے کو حق نے جان رکھی ہے
بچے گر فاسق سے وہ تو گویا ہی مسلمان رکھی ہے

نہ کر غافل غرور جاہ و مال و زر کہ خالق نے
بنا دنیا کی کل فَمَن علیہا فان رکھی ہے

جو ان شہروں میں بستے تھے کبھی شانِ تجمل سے
رکھوں نے اب شگوفہ اپنی گورستان رکھی ہے

تکبر سے جہاں میں زندگی رکھوں نے اب ندامت سے
محل میں جا کے دیکھو منہ پہ چادر تان رکھی ہے

سمجھ دربیں سے لگا رہا ہے حکم جباری
سپاہی جینے کی تیاری تبا کیں گمان رکھی ہے

تباہ کی سب زمین اور فلک گناہوں میں
ہوس جنت کی امید اے نادان رکھی ہے

آپس میں دکھا جیون مجھ کو کعبہ و مشرب
کروں میں وہ نماز ہوں جو دل میں ٹھان رکھی ہے

خدا سے کیا کہیں گے وہ جیتوں غریبان کو
کتاب دین میں مطلب کی جو دیکھی جان رکھی ہے

ہمیشہ ہندوستان میں کچھ قرار رہنے کا اے تیر دل
ہے اچھا جو ہوا کے ملک عربستان رکھی ہے

مولوی حامد علی چشتی کی شاعرانہ حیثیت اور علم و فضل کا ان کے زمانے میں شہرہ تھا۔ سر سید کی بدایوں میں آمد پر مولوی حامد علی حامد نے ایک قصیدہ لکھا تھا جو "سوانح مستی ب" مصنفہ مولوی امتیاز علی میں موجود ہے۔ اس کا مطلع ہے:

شب از شغل تمنی چو حضار خ سمر
بہ بستر پئے خواب پہلو زدم (۱)

یہ قصیدہ فارسی زبان میں مولوی حامد علی کی قادر الکلامی کی دلیل ہے۔ مولوی حامد علی چشتی نے سر سید کے ورود بدایوں کی تاریخ بھی کہی تھی جو درج ذیل ہے:

سید قوم و طبیب دلِ اہل ہندی
حامد آمد بجناب بئے درمانِ طلبی (2)

مولوی حامد علی کے لڑکی سی ہوئی ایک چھوٹی سی بیاض راقم الحروف کے پاس ہے جس میں مولوی احمد بخش بیکل اور مولوی نور احمد چشتی کے چند غزلیں اور نیز چند اردو غزلیں درج کی ہیں۔ انہی میں سے ایک غزل نقل کی جاتی ہے:

دم عیسیٰ کرے جو کچھ بدن سے
صبا آ کر کرے جیسا چمن سے

فوارا عشق سے کرے باران جو کچھ
شمع آ کر کرے جو انجمن سے

دکھائے تیرے آنے نے یہ سب کام
یہ نعمت پائی میں اپنے وطن سے

تیرے لطفِ عنایت میں میں آیا | ہوا ہوں خوش میں فضلِ ذوالمنن سے
الٰہی دولت و اقبال سے تو | رہے ہے اور ہو غم و رنج و محن سے
ملاقی ہونے کا تھا شوق مجھ کو | ہمیشہ مانگتا تھا میں زمن سے

سو حاصل ہو گئی مجھ کو یہ دولت
نہ دے حاقد تو اب تکلیف تن سے

مولوی مسعود علی حشمی کے کلام میں متانت اور حسنِ بیان کا عنصر موجود ہے۔ تغزل کے علاوہ ان کی نظموں میں گہرا سیاسی شعور موجود ہے۔ وہ اپنے عہد کے فکری اور احساساتی رجحانوں سے عاری نہیں ہیں۔ چند سال پہلے میں نے ان کے پاس ان کا دیوان اشعار کا مسودہ دیکھا تھا جس میں فارسی اور اردو کلام جمع کیا گیا تھا۔ مسعود صاحب بے حد بااوضع، خوش گفتار، صاحبِ ذوق اور عالی ظرف انسان تھے۔ ان کی شاعری ان کی شخصیت کی طرح صداقت اور تاثیر لئے ہوئے ہے۔ ذیل میں ان کا نمونہ کلام پیش کیا جاتا ہے۔

جب روسیوں کے ملک میں ارمن رواں ہوئے

جن پر جو تیغِ ناز کے تھے سب عیاں ہوئے | بسمل ہوئے ہیں بیت سے کئی نیم جاں ہوئے
اس درجہ ظلم کون سے مذہب میں ہے روا | اور کونسی کتاب میں ایسے بیاں ہوئے
وہ کونسی خطا ہوئی جس سے کہ آج ہم | ملعونِ خلق اور ذلیلِ جہاں ہوئے
باغی ہیں اور خوار ہیں تیری نگاہ میں | رسوا ہیں قتیل ہوئے بے خانماں ہوئے
جس قوم کے عروج میں دشمن سے سخت حال | اس کو ہوا ہے دہر جہاں سے نہاں ہوئے
رسوا ہیں کون کو اپنے مٹایا ہے یوں رقیب | جس کے جفا اٹھائے بہت ناتواں ہوئے
تم سے نہ تھی مجال جو ہوتا مسلح دیں | یا اس کے جانشین جو کبھی حکمراں ہوئے
ترکوں کی آبرو کا نہ رکھا کوئی خیال | ایسے خلاف دہر سے لطف و کرم عیاں ہوئے
باقی رہا یقیں نہ کوئی اس کی بات کا | وعدہ شکن کے قول سے ہم بدگماں ہوئے
جوں بندگان کفر دیا ہم نے سرا ساتھ | جب روسیوں کے ملک میں ارمن رواں ہوئے
تم دوست بنتے وار کئے کیسے اہلِ دین کے | ہم بندگانِ حق محلہ کے پشیماں ہوئے
ہم اپنے کردگار کے لئے ہر بلا سے جدا | جب بندگانِ کفر تو ہم مہرباں ہوئے

سچی تو بات یہ ہے کہ اس دورِ کفر میں
اور تیرے زیرِ سایہ بتِ بے ایماں ہوئے

مسعود کی دعا ہے خدائے جلیل سے
عزت وہی بچا لو کفرِ ذلیل سے

غزل

وہ ستمگر اب جو محو بر چہرہ یاں ہو جائے گا
محو بے خودی ہو کے کون وحشاں ہو جائے گا

رازِ عشق ظاہر و پنہاں جب عیاں ہو جائے گا
سر بسجدہ اپنا وقتِ شمشیرِ بتاں ہو جائے گا

گر نقاب اس نے اٹھایا اس شبِ تاریک میں
اس کے رخ کے نور سے روشن جہاں ہو جائے گا

اے ستم خوباں مبارک سلطنت ہو حسن کی
تیرے ہی اب نام کا سکہ رواں ہو جائے گا

حال گر یہ اعتنائی کا رہا یہ آپ کی
جانِ جاں اس جان کا یونہی زیاں ہو جائے گا

بلبلِ شوریدہ گل کے واسطے نالہ نہ کر
کچھ دنوں میں سبز یہ سب گلستاں ہو جائے گا

عشق کا دعویٰ کیا تو ہنس کے فرمانے لگے
اچھا اچھا جب رہو کل امتحاں ہو جائے گا

دل تو یہ کہتا ہے کہہ دے رازِ دل اس شوخ سے
ہے یہ ڈر مجھ کو زمانہ رازداں ہو جائے گا

آگرا گرہ ستم مسعود یہ کیا تھی امید
وقتِ جور آسماں یہ نوجواں ہو جائے گا

مولوی محمد زکی چشتی سے چھوٹے مولوی مسعود علی چشتی اور مولوی مسعود علی چشتی سے چھوٹے مولوی منصور علی چشتی تھے۔ منصور تخلص تھا۔ ان کی ایک قومی نظم مولوی مسعود علی چشتی کے تراشوں سے ملتی ہوئی درج ذیل ہے۔

غیر سمجھے تھے ہمارا ہوا اب کام تمام
اور سنبھالے سے نہ سنبھلے گا اب اسلام کا نام

اور پھر لطفِ ہنر رگوں نے جو ہمت باندھی
لاج اسلام کی رکھی یہ کیا احسن کام

مدرسہ کھولے مسلمانوں کے بچے پڑھ جائیں
فرضِ تعلیم کی حجت کا ہوا سب سے اہتمام

اور خواہش کو رہِ علم پہ ڈالا لعیا
ہیں یہ کچھ کچھ ہوا تعلیم کا اب چرچا عام

پھر یتیموں کی حمایت کا بڑا کام کیا
ایسے کاموں کا خدا ہی سے ملے گا انعام

منصف تو یونہی سب خادمِ اسلام رہے
تا ابد زندہ زمانے میں ترا نام رہے

باب ششم : چشتی خاندان کے ادبی و تہذیبی اثرات :

چشتی خاندان کے صدر اعلیٰ مولوی ضیاء الحق کے علم و فضل کی شہرت پورے ہندوستان میں پھیلی ہوئی تھی اور پنجاب کی سرزمین تو ان کے فیضان سے بالخصوص مستفیض تھی۔ ناظم لاہور نواب عبدالصمد خان نے اپنے بیٹے زکریا خان کو ان کی شاگردی میں دیا، جس سے اراکین سلطنت کے دل میں آپ کے احترام کا اندازہ ہوتا ہے۔ نواب عبدالصمد خان خود نوشاہی قادری درویش تھا، وہ حضرت پیر محمد سچیار نوشہروی خلیفہ حضرت حاجی محمد نوشاہ گنج بخش کے بیٹے سلطان عبدالجلیل کا مرید تھا۔ سلطان عبدالجلیل کے بیٹے سلطان محمد اکرم، نواب زکریا خان کے گھر آیا جایا کرتے تھے کیونکہ نواب موصوف انھیں اپنے والد کا مرشد زادہ سمجھتے تھے۔ اس موقع پر نواب زکریا ہمیشہ گھر میں درویشوں کی دعوت کیا کرتے تھے۔ ایسی ہی ایک دعوت کا ذکر پیر کمال لاہوری کے مثنوی تحائف قدسیہ میں ملتا ہے جس میں لاہور کے وجیہ صفدر تھے درویش اور پیر کمال لاہوری کے پیر و مرشد حضرت شہید فقیہ لاہوری بھی شریک ہوئے تھے۔(1)

مولوی ضیاء الحق چشتی حاکم لاہور کے خاندان کے علاوہ متعدد معزز خاندانوں کے استاد اور اتالیق تھے۔ آپ کا ہر شاگرد علم و دانش کا مینار نور تھا۔ سکندر خان خاکوانی جو (جن کی عمر میں مہاراجہ) رنجیت سنگھ کے دربار میں وکیل منکیرہ کی حیثیت سے آتے تھے۔ مولوی ضیاء الحق کے شاگرد تھے۔ ان کے بارے میں مولوی نور احمد چشتی نے لکھا ہے:

"اس زمانے میں ملک سکندر خان صاحب وکیل منکیرہ لاہور میں واسطے ملاقات راجہ رنجیت سنگھ کے آئے اور شہر میں شہرت کی کہ کوئی شخص اولاد میں مولوی ضیاء الحق اور مولوی ضیاء الحق سے یہاں ہے کہ نہیں۔ لوگوں نے والد ماجد بندہ کا نام لیا اور وہ آپ کو اپنے پاس بلوا کر بہت خوش ہوئے اور کہا کہ: میں حضرت مولوی ضیاء الحق کا شاگرد تھا۔"(2)

امرناتھ اکبری نے 1808ء کے واقعات میں سکندر خان خاکوانی کے تدبر اور فراست کی تعریف کی ہے اور لکھا ہے:

"عالیجاہ سکندر خان خاکوانی کہ از زمرۂ افغانیہ در دانائی و پیش بینی ہمچو او در آن سرزمین کم بہم می رسد۔"(3)

---

(1) پیر کمال لاہوری: تحائف قدسیہ (خطی) مملوکہ راقم الحروف

(2) مولوی نور احمد چشتی: تحقیقات چشتی، لاہور 1964ء ص 23

(3) امرناتھ اکبری: ظفرنامہ رنجیت سنگھ، مرتبہ سیتا رام کوہلی، لاہور 1928ء ص 67۔

اور مولوی احمد بخش یکدل لکھتے ہیں: "حضرت سکندر خان خاکوانی، ملتانی جو مشہور در میدان طریقت درستہ و کنارہ از معاصی و اجتناب از زخارف (کذا) و خود را موظف سحر و شام داشتی مستی بن رشد چو کلام و چہ اسراف مر اسرار قلوب" (بیاض یکدل شمارہ 13)۔ ظاہر ہے کہ یہ سب مولوی ضیاء الحق کے فیضِ صحبت کا نتیجہ تھا۔

ل

مولوی ضیاء الحق چشتی کے صاحبزادے مولوی محمد ابراہیم خوش دل چشتی کا نواب زکریا خان بہادر والی لاہور کے دربار میں بے حد احترام کیا جاتا تھا۔ آپ اعلیٰ پایہ کے شاعر تھے۔ نادر شاہ بادشاہِ ایران نے لاہور میں انھیں "حسان العجم" کا خطاب دیا تھا جس کا ذکر گزشتہ باب میں ہو چکا ہے۔ اس خطاب کے بعد آپ کا حلقۂ اثر اور حلقۂ ارادت بہت وسیع ہو گیا تھا۔ لاہور میں اسلامی سلطنت کے خاتمے اور سکھوں کی حکومت کے زمانے میں بھی آپ کے احترام میں فرق نہ آیا۔ حتیٰ کہ لاہور میں تین حاکموں گوجر سنگھ، لہنا سنگھ اور سوبھا سنگھ وغیرہ کے زمانے میں بھی آپ کی بزرگی اور تقدس کو مدِ نظر رکھتے ہوئے سرکار کی طرف سے آپ کی مدد معاش کا سبز و لسٹ برقرار رہا۔ اس کے باوجود اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ مولوی محمد ابراہیم چشتی کی ساری ہمدردیاں اسلامی حکومت کے ساتھ تھیں اور انھیں افغانوں کے شہر سے جو قلعی ہوئی اور سکھوں کے قبضہ کر لینے پر فرسٹیشن ہوئی تھی۔ اس لیے کہ وہ اس قبضے کے تہذیبی اور معاشرتی نتائج سے آگاہ تھے۔ انہیں علم تھا کہ یہ قبضہ لاہور میں نہ صرف اسلامی حکومت کے خاتمے کا باعث ہوگا بلکہ اہلِ لاہور کے تہذیبی اور تمدنی افکار اور عقاید پر بھی اس کا اثر پڑے گا۔ چنانچہ اس وقت مولوی محمد ابراہیم چشتی نے دو بیت حضرت محمد اکرم کے دستخط تو اس محضر پر لکھ کر اثبت ہیں جس میں اہلِ لاہور کی طرف سے رنجیت سنگھ کو صلح کی دعوت دی گئی تھی لیکن مولوی محمد ابراہیم چشتی کا نام کمال تاریخ میں یادداشت میں کیا گیا۔

سکھوں نے اس شرارت نے مولوی غلام حسین چشتی کو پیچھے دنیا سے لاتعلق ہو کر پیر طریقت کی تدریس میں لگنے اور بالآخر ترکِ وطن کر کے افغانستان جانے پر مجبور کیا۔ مولوی ضیاء الحق نے افغانستان سے واپس آ کر تبلیغ علم و دین کی ایک نئی راہ دریافت کی اور وہ یہ کہ غیر مسلموں یعنی اہلِ ہنود اور سکھوں کے بچوں کو تعلیم دینے لگے۔ اس تدریس کے دور رس تہذیبی اثرات مرتب ہوئے۔

سب سے پہلا نتیجہ جو مولوی غلام حسین چشتی کی تدریس سے برآمد ہوا یہ تھا کہ پنجاب میں غیر مسلم بلکہ اسلام دشمن حکومت کے باوجود عوام نے جن میں ہندو اور مسلمان دونوں شامل تھے اسلامی علوم کی بالادستی قبول کر لی۔ کوئی راجکمار یا کنور اس وقت تک مسندِ اقتدار پر بیٹھنے کے لائق نہیں سمجھا جاتا تھا جب تک اس کے نام پر مولوی غلام حسین چشتی یا ان کے خاندان کی علمی فضیلت کی مہر ثبت نہ ہو۔

دوسرا نتیجہ یہ ہوا کہ سیاسی اقتدار تو غیر مسلموں کے ہاتھ میں رہا لیکن تہذیب میں اسلامی ج

نے تو اردو ادب میں بھی اپنی ہستی کو متعارف کرایا۔ ان کے اشعار بیاضوں میں پراگندہ صورت میں موجود ہیں۔ مکھن راجہ دینا ناتھ کے خاندان کو ایک خاص سعادت نصیب ہوئی کہ وہ نہ صرف مکھن لال کے لکھوں زیور علم و ادب سے آراستہ ہوئے بلکہ اس خاندان کے افراد کی فکری اور ذہنی تربیت مکھن لال کی صحبت کے مطابق ہوئی۔ دیوان دینا ناتھ فارسی زبان کے نہایت اچھے شاعر اور مستند محقق گزرے ہیں۔ جنہوں نے اردو میں بھی کہا ہے۔ مکھن لال نے بیاضوں میں ان کی کہی ہوئی مختلف تاریخیں درج کی ہیں، جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے ذخیرۂ الفاظ میں اسلامی اخلاق و نظریات کا بہت کچھ اثر نمایاں ہے۔ راجہ دینا ناتھ سے زیادہ قابل توجہ مولوی احمد بخش مکھن لال کے لائق شاگرد اور راجہ دینا ناتھ کے بیٹے دیوان امرناتھ اکبری ہیں۔

مولوی احمد بخش مکھن لال نے امرناتھ اکبری کی تربیت بالکل اپنی حقیقی اولاد کی طرح کی اور کوشش کی کہ اسے اپنی شخصیت کا تمام روپ دے دیں۔ یہ کوشش کامیاب رہی حتیٰ کہ امرناتھ اکبری استاد کے رنگ میں ایسے رنگے کہ اسلوب تحریر تو ایک طرف ان کے اور مولوی مکھن لال کے طرز تحریر یعنی لکھائی میں بھی زیادہ فرق معلوم نہیں ہوتا۔ اس افکار و نظریات کی بابت تو امرناتھ اکبری کی کوئی تصنیف بھی اٹھا کر دیکھ لیجئے اگر اس کا نام سامنے نہ ہو تو شخص اندازہ نہیں کر سکتا کہ یہ کسی غیر مسلم کی تحریر ہے۔ اس نکتہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا اگر اس نکتے کی قدرے وضاحت کر دی جائے۔

دیوان امرناتھ اکبری، راجہ دینا ناتھ کے سب سے بڑے بیٹے، سمت 1889 مطابق 23-1822ء میں پیدا ہوئے۔ ایک سال کے تھے کہ ماں کو موت نے آن لیا اور اپنی دایہ کی گود میں دے دیا گیا۔ راجہ دینا ناتھ نے دوسری شادی کر لی۔ 1826ء کے قریب اکبری کو مولوی احمد بخش مکھن لال چشتی کے سپرد کر دیا گیا تاکہ وہ انہیں علوم عقلیہ اور نقلیہ سے سرفراز کریں۔ اکبری بچپن میں ذہنی انقباض کا شکار رہنے کے باوجود جو انہیں سوتیلی ماں کے سبب گھر سے ملا تھا، بے حد ذہین اور فہیم تھے۔ استاد کی خاص توجہ نے انہیں اس قابل بنا دیا کہ گیارہ سال کی عمر میں اکبری نے ایک کتاب اپنے استاد زادے مولوی نور احمد چشتی کی خاطر سے لاہور کے باغات کے بارے میں لکھی جس کا نام "روضۃ الازہار" رکھا۔ اس کتاب کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"بندہ راقم در عہد یازدہ سالگی بپاس مخدوم زادۂ برحق مقبول اللہ الصمد مولوی نور احمد چشتی عمرهم اللہ تعالیٰ کتابی موسوم بروضۃ الازہار مدون ساختہ۔" (2)

1834-35ء میں جب مہاراجہ رنجیت سنگھ نے پشاور فتح کیا تو فتح نامہ لکھنے کی خدمت اکبری

---

(1) دیوان امرناتھ اکبری کے مکتوب بنام حکیم سید عزیز الدین کا عکس شامل مقالہ کیا جاتا ہے۔

(2) امرناتھ اکبری، دیوان: ظفرنامہ رنجیت سنگھ، لاہور 1928ء ص 213۔

کو سونپی گئی جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بارہ سال کی عمر میں ہی ان کی انشا پردازی کا دربار تک تعارف ہو چکا تھا۔ مولوی احمد حنفی بگیدل کو بحیثیت معلم کے ارشاد اس سے زیادہ اور کیا خراجِ تحسین پیش کیا جا سکتا ہے۔ اکبری کا انتقال بھی مولوی بگیدل کے سالِ وفات 1867ء میں ہوا۔ اس سال کے ہیضے نے مولوی بگیدل کے دو بیٹوں کی جان لی۔ ایک مولوی نور احمد کی جو بگیدل کے صلبی بیٹے تھے اور دوسرے اورنگ زیب اکبری کی جو مولوی بگیدل کے روحانی اور معنوی بیٹے تھے۔

اکبری کے آثارِ علمی کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولوی بگیدل سب سے پہلے اپنے شاگردوں کو خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان رسمی تعلیمات کا درس دیتے تھے۔ اورنگ زیب اکبری کو تو قرآن پاک بڑی محنت اور احتیاط سے پڑھایا گیا تھا۔ ممکن ہے انہوں نے مولوی نور احمد حنفی کے ہمراہ ہی پڑھا ہو۔ اس لیے بھی کیونکہ اکبری، مولوی نور احمد سے عمر میں کچھ سال بڑے تھے۔ ان کی قرآن خوانی کا ثبوت ان کی تصنیف ظفر نامہ رنجیت سنگھ کی نثر سے مہیا ہوتا ہے۔ ان کے نثری اسلوب میں قرآنی آیات اور احادیث شریف نیز اسلام کے عربی اقوال کی کثرت ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے اکبری قرآنی آیات کی سند کے بغیر بات مکمل نہیں کر سکتے۔ یہاں چند نمونے ذیل میں درج کیے جا رہے ہیں:

1. "و متمردان آن دولت ما در زوایای گمنامی متواری ساختند۔ تا جز او خداوند نگیرند و سوای ذات بے مثال او بمعبودی نپذیرند۔ آیۂ: تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ۔" (1)

2. "و توپخانۂ آتش بخت کمیران در گوش متحصنان آیۂ: إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا برخواند۔" (2)

3. "اما بیشتر جانِ صعود از آسمان نردبان اُدْخُلُوهَا نزول شد۔" (3)

4. "و چون از عالم سماوی سپاہ أَنْزَلَ اللَّهُ جُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا عاید گشت رکاب ظفر انتساب ..." (4)

5. "تزلزل کوہ لعبات سواران بیم جوش آیۂ: وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً بگوش عالمیان می‌رسانید۔" (5)

6. "قشون ملازمی إِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيدُ الْقُوَى برخوانده۔ یا جبار گویان ظفر نصیب مقدمة الجیش ظفر جنگ بہادر یافتہ از قلعۂ مظفرآباد نیز پہلو تہی نمودند۔" (6)

ایسی لاتعداد مثالیں ظفر نامہ رنجیت سنگھ کی نثر میں دکھائی دیتی ہیں، جن سے لکھنے والے کی افتادِ طبع، روشن فکری کا اندازہ ہوتا ہے۔

---

(1) دیوان اورنگ زیب اکبری: ظفر نامہ رنجیت سنگھ، مرتبہ سیتا رام کوہلی، لاہور 1928ء ص 2۔ (مقدمہ)
(2) ایضاً ص 102۔ (3) ایضاً ص 115۔
(4) ایضاً ص 125۔ (5-6) ایضاً 131۔

دیوان اکبری (اردو و فارسی) شاعر کی وفات کے چھ سال بعد 1873ء میں مطبع کوہ نور لاہور سے شائع ہوا۔ اس میں بھی اکبری اپنی شخصیت کی بھرپور عکاسی کرتے ہیں۔ فکر اسلامی کی حمد، نعت، غزل، عقیدے اور عشق کا پر موجود تھا۔ اکبری نے فارسی میں حافظ شیرازی، سعدی شیرازی، نظیری اور غالب کی زمینوں میں غزلیں لکھی ہیں۔ غالب سے بہت زیادہ متاثر ہیں کہ اگر یوں کہیں کہ غالب کا مقلد کہیں تو غلط نہ ہوگا جن اشعار میں مرزا اسداللہ خاں غالب کا ذکر کیا ہے ان میں سے بعض درج ذیل ہیں:

خوش است اکبری این شعر غالب دہلی   درین جناب تو آداب و انکسار بجا

ز غالب دہلی ہے خوش است اکبری این شعر   اے مردم شگفتہ ہر وطن روا نیست

غالب کند بطرز نظیری تعد سنی شعر،   این اکبری فرلقیہ؟ عز و جاہ کیست

مقصم است نیز دید اکبری غالب،   اگرچہ داد سخن مرد کے حزن ندید

اے اکبری زشعر خود آن غالب دہلی   این سفینہ؟ حسد جاک مرا ہر رفو گرد

اردو میں جن شاعروں سے زیادہ متاثر ہیں اور جن کی زمینیں اپنی دعوت تقلید دیتی ہیں ان میں مولوی بیدل، مظہر جان مظہر، بہادر شاہ ظفر، امام بخش ناسخ اور میرزا خادم قابل ذکر ہیں۔ ظفر کی زمینوں میں اکبری نے سب سے زیادہ غزلیں لکھی ہیں۔

اکبری شعر ظفر نے یہ دکھایا ہے اثر   دل میں سوز غم ہے تنہ ہر کوئی آثار یقین

ہے اکبری کو طرز ظفر آج یہ پسند   گل کی چمن میں باد صبا سے بگڑ گئی

اکبری نے سچ ہے تو عقیدوں میں گو معتقد   بزم وارانہ میں معتقد کیا حرف ناداں شبیر ہو

بہادر شاہ ظفر سے اکبری کی عقیدت بھی زیادہ تر مولوی بیدل کی وجہ سے تھی کیونکہ بیدل بہادر شاہ ظفر کا بے حد احترام کرتے تھے۔ اکبری کے دیوان کی پہلی غزل فارسی میں ہے جس کا مطلع تھا:

الا یا طالب الساقی دع الشہوات الطلبا
بجستی کہ مرا در سر گذر از بند مشکلہا

اردو کے چند اشعار قابل توجہ ہیں:

یاد وحدت میں تعلق کا جو پردہ اٹھا   جب نہ ہستی کا ہمیں آپ ہی دھوکا اٹھا

انساں کو حق نے نور کا مظہر بنا دیا   اک مشت خاک تھا جسے جوہر بنا دیا

ید بیضا کی قسم اے خط گلزار قدم   مخزن فیض ہے یاں مطلع انوار قدم

بعث حضرت موسیٰ نے دکھایا یہ اثر   شجر طور کا لگتا ہے ہر اک خار قدم

شوق سے غرفہ نشیناں جہاں کہتے ہیں   نظر آہ میں ہیں یار سے سر بازار قدم

قیس کی روح کا شاید ہے جو عزم پرواز   ناقۂ لیلیٰ کو کیوں نجد میں ٹہلاتے ہو

حضرت یوسف سے ہے بیت الحزن بیت الشرف — گلرخان سبز خط سے وقت زنداں سبز ہو
میں ہوں اک بلبلہ اور زندگانی میری دم بھر ہے — خدا سے ڈر کہ میری آبرو کا تو نہ ہو دشمن

ان اشعار کے مطالعے سے جہاں اکبری کی ذہنی صداقت کا پتہ چلتا ہے وہاں چشتی خاندان کے ادبی تہذیبی اثرات کی بھی نشاندہی ہوتی ہے۔

حضرت نور احمد چشتی نے تحقیقات چشتی کا خاکہ بنا کر اہل علم اور اہل تاریخ کو ایک نیا موضوع دیا۔ عجیب اتفاق ہے کہ برصغیر میں دو محقق تقریباً ایک وقت میں ایک ہی طرح کا مواد اکٹھا کر رہے تھے۔ دونوں کے درمیان بعد مکانی تھا اور دونوں ایک دوسرے کے طریق کار اور نوعیت کار سے ناواقف تھے۔ میری مراد سر سید احمد خان اور مولوی نور احمد چشتی سے ہے۔ مقدم الذکر نے آثار الصنادید اور مؤخر الذکر نے تحقیقات چشتی مرتب کی۔ لیکن مولوی نور احمد کو عمر کے لحاظ سے سر سید پر تقدم حاصل تھا۔ گویا تحقیقات چشتی کا کام اردو میں آثار شناسی کے اولین کاموں میں سے ہے۔ اس کتاب کے اثرات بے شمار تصانیف میں نظر آتے ہیں۔ تحقیقات چشتی کے بعد محققین کو اندازہ ہوا کہ برصغیر کی تہذیبی تاریخ میں آثار شناسی اور خاص طور پر اہل اللہ کے آثار اور اسلامی عمارات بالخصوص مساجد کے حوالے سے کام کرنا بے حد ضروری ہے۔ چنانچہ تحقیقات چشتی کے بعد شائع ہونے والی کتب میں مثلاً تاریخ مخزن پنجاب از مفتی غلام سرور لاہوری اور تاریخ لاہور از کنہیا لال ہندی میں مولوی نور احمد چشتی کی روش کار کی پیروی کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔

مولوی محرم علی چشتی کی تہذیبی اور ادبی خدمات اور ان کے اثرات رفیق ہند کے حوالے سے بیان ہو چکی ہیں۔ رسالہ رفیق ہند کو مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت، ادب اور دینی تحریکات کا نمائندہ بنا دیا۔ انگریزوں کے ساتھ مخالف رسائل والوں کی طرف سے ورثے میں [illegible] علاوہ ازیں انہوں نے حکومت ہند [illegible] کے ذریعے مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ کیا۔ پچھلے باب میں رفیق ہند کے حوالے سے یہ تمام تفصیلات واضح کی جا چکی ہیں۔ مولوی محرم علی دین کے سچے عاشق تھے انہوں نے دین کی سربلندی کے خلاف ہر حملہ کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور پوری قوم کو ہمنوا بنایا۔ یہی وجہ تھا کہ ان کے قید کیے جانے پر ہر مسلمان گڑگڑا کر خدا کے حضور ان کی رہائی کی دعائیں مانگتے تھے۔ قید خانے میں ان کی رہائی معمولی تصویریں کہاں [illegible] ادا کر کے حاصل کرتے تھے لیکن ارباب اقتدار یعنی انگریز کو مولوی محرم علی ایک آنکھ نہیں بھاتے تھے۔ مولوی محرم علی چشتی نے رفیق ہند کے ذریعے تحریک کی اور اس کے نتیجے میں مولانا محمد حسین آزاد اور مولانا الطاف حسین حالی کو شمس العلماء کا خطاب ملا۔ مسلمان علماء کے [illegible] و ثقافت [illegible]، [illegible]

غرضیکہ جو کچھ رنجیت حمد نے مولوی محرم علی چشتی نے چاہا وہی ہوا لیکن مولوی محرم علی چشتی
کو کبھی کوئی خطاب پیش نہ ہوا، اور نہ یہ انگریزوں کی بہت شروع لینے سے بیا عزیز رکھتے تھے
کیونکہ ان کا نفسی حصول خطاب سے بھی تھا بلکہ مسلمان قومیت کا جذبہ بھی
شامل تھا جب حاکم اقتدار کے نشے میں تلوار انداز ہو رہے تھا۔ مولوی محرم علی نے حق گوئی اور
صداقت کی جو روایت شروع کی وہ دنیا کے صحافت میں ہمیشہ زندہ رہے گی۔

ان کے فرزند مولوی محمد ابراہیم علی چشتی لاہور کالج سے فارغ ہو کر باپ کے نقش قدم پر
چل رہے ہیں نے پاکستان میں نظام اسلام کو رائج کرنے اور اس کے تمدنی نقوش واضح کرنے میں پیش
پیش قدمی کی۔ وہ زندگی کو مجرد رہے اور تمام زندگی ایک ایک لمحہ خدمت قوم کے لئے وقف
کر دیا۔ مولوی ابراہیم علی چشتی کی صداقت کو ان کے جان نثار دوست زندہ کئے ہوئے ہیں۔ یہ درست
نگری سو میں ہمیشہ ان کے ساتھ تھا اور آج بھی ان کے افکار کو لے کر قومی خدمت کے راستے پر گامزن ہیں۔

مآخذ و مصادر

ماخذ و مصادر

ا۔ چشتی خاندان کی تصانیف اور دستاویزات:

احمد بخش یکدل، مولوی چشتی: (مخطوطات)

1. تحفۂ یکدل، (بخط مصنف) مکتوبہ 1861ء، مملوکہ راقم الحروف
2. رسالہ شمسیہ (مسودہ فارسی) بخط مصنف: مملوکہ راقم الحروف
3. رسالہ شمسیہ (اردو) مسودہ مع دیباچہ، بخط مصنف۔ مملوکہ راقم الحروف
4. واسع باری (خطی) مکتوبہ بہ سشودت شرائتی مندگت۔ مخزونہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور (ذخیرۂ شیرانی)۔
5. سوانح عمری حضرت مخدوم علی ہجویریؒ: بخط مصنف، مملوکہ راقم الحروف
6. دیباچہ دیوان سبحان اللہ جعفر: بخط یکدل، مملوکہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور
7. متفرق اوراق بخط یکدل، مملوکہ راقم الحروف۔
8. بیاض کلام اردو۔ بخط یکدل، مملوکہ کتب خانہ شخصی راقم الحروف۔
9. رسالہ چہار خانوادہ، بخط مصنف۔ بیاض سنی طرز فقیر کرم بخش نوشاہی مملوکہ کتب خانہ راقم الحروف
10. احوال افغانستان، بخط مصنف، مملوکہ راقم الحروف
11. انشای یکدل، بخط مصنف، مملوکہ راقم الحروف
12. بیاض اشعار، بخط مصنف۔ مکتوبہ ۱۲۷۸ھ / 1862ء، مملوکہ راقم الحروف
13. بیاض یکدل (روزنامچے) بالتفصیل ذیل، مملوکہ برخوردار قرۃ العین چشتی۔

بیاض نمبر 1	1821ء تا 1833ء
بیاض نمبر 2	1833 تا 1835ء
بیاض نمبر 3	1835 تا 1837ء
بیاض نمبر 4	1837 تا 1838ء
بیاض نمبر 5	1838 تا 1840ء
بیاض نمبر 6	1840 تا 1842ء
بیاض نمبر 7	1842 تا 1843ء
بیاض نمبر 8	1843 تا 1844ء

بیاض نمبر ۹ — 1844 تا 1845ء

بیاض نمبر ۱۰ — 1845 تا 1846ء

بیاض نمبر ۱۱ — 1846 تا 1847ء

بیاض نمبر ۱۲ — 1847 تا 1848ء

بیاض نمبر 13 — 1848 تا 1849ء

بیاض نمبر ۱۴ — 1849 ——

بیاض نمبر 15 — 1849 تا 1850ء

بیاض نمبر 16 — 1950 تا 1851ء

بیاض نمبر 17 — 1852 ——

بیاض نمبر ۱۸ — 1853 تا 1854

بیاض نمبر ۱۹ — 1857 (تلف کردی گئی)

بیاض نمبر ۲۰ — 1857 تا 1861ء

۱۴۔ مکتوبات نیّر، مجلد نیلی۔ مملوکہ راقم الحروف

۱۵۔ گلستانِ مسعودی مع روزنامچہ۔ مجلد نیلی، مملوکہ نیشنل میوزیم کراچی

۱۶۔ بیاض غزلیات اردو، مجلد مولوی محمد علی نیّر دل چشتی فرزند نیّر
مملوکہ راقم الحروف

مولوی نور احمد چشتی :۔ (مخطوطات و مطبوعات)

۱۷۔ نور الانشاء، مجلد مصنف۔ مملوکہ راقم الحروف

۱۸۔ مدیح الرحمن " " " "

۱۹۔ حکایات دلکش " " " "

۲۰۔ دیوان چشتی (اردو) " " " " مکتوبہ 1864ء

۲۱۔ حکایت الصبیان : نایاب

22۔ ذخیرۃ الفراست : "

23۔ فال اختر : "

24۔ حل لغات محاورہ : "

25۔ رقعہ مولوی نور احمد چشتی، مطبوعہ فاحقش اکادمی سنہ ندارد

26۔ محبتیات چشتی " مطبوعہ، مصطفائی 1859ء

27۔ تحفۂ چشتی " مطبوعہ مطبع مجمع ۱۲۳۷ھ

28۔ مقام حیرت (معجز بی) " مطبوعہ " 1860ء

29 - یادگارِ چشتی — مطبوعہ، مرتبہ گوہر نوشاہی، لاہور 1975ء

30 - تحقیقِ چشتی — " پنجابی ادبی اکیڈمی لاہور 1964ء

مولوی محرم علی چشتی :- (مطبوعات)

31 - شجرات المشائخ — " لکھنؤ، نولکشور 1908ء

32 - عقیدۃ الغیاثیہ — " لاہور، رفاہِ عام 1322ھ

32 - ایک تیغ دو دھارے — " لاہور سنہ ندارد

33 - مثنوی بحر الاسرار — " " 1910ء

34 - اسرار التصوف — " " 1903ء

35 - ارمغانِ چشتی — " حمیدیہ سٹیم پریس 1911ء

36 - اخبار رفیقِ ہند، ہفتہ وار - لاہور 1884ء، (مالک و ناشر)

مولوی حامد علی چشتی :- (مخطوطات)

37 - روزنامچہ حامد علی (فارسی). نمبر 1 - جولائی 1892 تا مئی 1893

نمبر 2 جولائی 1893 تا جون 1894

نمبر 3 " 1894 تا مئی 1895

نمبر 4 دستیاب نہ ہو سکا -

نمبر 5 1894 تا 1897

نمبر 6 1897 تا اپریل 1901

نمبر 7 اپریل 1901 تا مئی 1903

نمبر 8 جون 1903 " نومبر 1903

نمبر 9 جنوری 1904 " فروری 1905

نمبر 10 مارچ 1905 " مئی 1906

نمبر 11 جولائی 1906 " جون 1907

نمبر 12 ستمبر 1907 " دسمبر 1908

نمبر 13 جنوری 1909 " جنوری 1910

نمبر 14 " 1910 تا نومبر 1910

نمبر 15 نومبر 1910 " فروری 1912

نمبر 16 مارچ 1912 " مارچ 1913

نمبر 17 مارچ 1913 " جولائی 1914

نمبر 18 دستیاب نہ ہو سکا

نمبر 19 دسمبر 1915 تا جولائی 1916ء

پیر عبدالرشید چشتی : ۳۸۔(مقالات مطبوعہ منظومات)

مشمولہ "حیات رشید" لاہور، رفاہ عام پریس، ۱۹۰۹ء

مولوی ممتاز علی چشتی : (مخطوطات)

۳۹۔ روزنامچہ ممتاز (اردو) بخط مصنف

فوٹو سٹیٹ مملوکہ راقم الحروف۔

۴۰۔ دیوان ممتاز، مملوکہ مولوی مسعود علی چشتی

مولوی محمد ابراہیم علی چشتی :

۴۱۔ تزک ہٹلری (ترجمہ) لاہور، لائن پریس

۴۲۔ انگریز کا راج کیوں ختم ہوا (ترجمہ) " "

۴۳۔ اردو قرآن مجید لاہور، دارالحکومت پیسہ اخبار ۱۳۵۸ء

۴۴۔ پاکستان کے لئے جمہوری اسلامی دستور " لائن پریس

۴۵۔ امت احمدیت " " "

ب۔ مخطوطات :

۴۶۔ پیر کمال لاہوری، مثنوی تحفۃ قدسیہ تصنیف ۱۱۶۹ء مملوکہ راقم الحروف

۴۷۔ مسعود علی مسعود، الٰہی : محمد ق التواریخ بخط مصنف " "

۴۸۔ غلام حسین خورد : مضمونات خورد مخطوطہ نمبر 2006 یونیورسٹی لائبریری لاہور

۴۹۔ فقیر سید عزیز الدین : روزنامچہ لاہور، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، عجائب گھر

۵۰۔ ، کتاب ابراسلات مملوکہ فقیر خانہ لاہور

۵۱۔ فقیر سید جمال الدین نونہال شاہی : روزنامچہ " پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور

۵۲۔ نورالدین منور، فقیر : دیوان منور " نیشنل میوزیم کراچی

ج :۔ مطبوعات :

53۔ آزاد، مولانا محمد حسین : مقالات آزاد مرتبہ آغا محمد باقر لاہور، 1968ء

54۔ احمد یار مرالوی : رنجیت نامہ مرتبہ گلونت سنگھ امرتسر

55۔ احمد حسین، میرزا حیات رشید لاہور 1909ء

56۔ اقبال علی، مولوی سید : سفرنامہ پنجاب لاہور 1973ء

57۔ اکبر علی، صوفی : سلیم التواریخ امرتسر 1919ء

58۔ امداد صابری، مولانا : فرنگیوں کا جال دہلی

59 - امرناتھ اکبری، دیوان ؛ دیوان اکبری ، لاہور، کوہ نور 1873ء

60 - " " ؛ ظفرنامہ رنجیت سنگھ ؛ " پنجاب یونیورسٹی 1928ء

61 - باری علیگ ؛ کمپنی کی حکومت ؛ " نیا ادارہ 1969ء

62 - غلام سرور لاہوری، مفتی ؛ تاریخ مخزن پنجاب ؛ لکھنؤ، نولکشور 1877ء

63 - " " ؛ گنج تاریخ ؛ " " 1873ء

64 - " " ؛ خزینۃ الاصفیا ؛ " " 1888ء

65 - سیتارام کوہلی، پروفیسر ؛ مہاراجہ رنجیت سنگھ ؛ الہ آباد 1933ء

66 - عبدالقدوس ؛ تقویم تاریخی ؛ کراچی 1965ء

67 - عبدالکریم منشی ؛ واقعات درانی ؛ لاہور 1963ء

68 - عتیق صدیقی ؛ صوبہ شمال و مغربی کے اخبارات ؛ علی گڑھ 1962ء

69 - علی الدین مفتی ؛ عبرت نامہ ؛ لاہور 1961ء

70 - غلام دستگیر نامی ؛ تاریخ جلیلہ ؛ لاہور 1960ء

71 - فقیر محمد جہلمی ؛ حدائق الحنفیہ ؛ لکھنؤ، نولکشور 1906ء

72 - فوق، محمد الدین ؛ اخبار نویسوں کے حالات ؛ لاہور 1912ء

73 - قادر بخش صابر ؛ تذکرہ گلستان سخن ؛ لاہور

74 - کنہیا لال ہندی ؛ تاریخ لاہور ؛ لاہور 1884ء

75 - " " ؛ تاریخ پنجاب ؛ لاہور، وکٹوریہ پریس 1881ء

76 - لیپل گریفن، سر ؛ رولرز آف انڈیا (رنجیت سنگھ) ؛ حیدرآباد
اردو ترجمہ۔ نظیر حسین فاروقی (دکن) 1922ء

77 - محمود شیرانی، حافظ ؛ پنجاب میں اردو، مرتبہ ڈاکٹر وحید قریشی ؛ لاہور 1972ء

78 - محمد لطیف، سید ؛ تاریخ پنجاب ؛ لاہور، دہلی پنجاب 1888ء

79 - وکیلی فوفلزئی ؛ درۃ الزمان ؛ کابل (افغانستان)

د :- مقالات و مقدمات :

80 - سیتارام کوہلی ؛ مقدمہ ظفرنامہ رنجیت سنگھ ؛ لاہور 1928ء

81 - گوہر نوشاہی ؛ اردو شاعری میں لاہور کا حصہ ؛ لاہور، پنجاب یونیورسٹی 1965ء

82 - " ؛ مقدمہ یادگار چشتی ؛ لاہور 1975ء

83 - ممتاز اختر مرزا (ممتاز گوہر) ؛ پنجاب میں اردو ادب کا ارتقاء ؛ لاہور، پنجاب یونیورسٹی 1978ء

84 - " " ؛ یادگار چشتی اور اس کا مصنف ؛ کراچی، قومی زبان 1878ء

ہ :- اخبارات و جرائد :

85 - سفیر ہند امرتسر 1878ء

86 - کوہ نور لاہور 1852-1855ء

87 - رسالہ انجمن اشاعت (انجمن پنجاب) 1870ء

88 - رفیق ہند لاہور ، 1884، 1885، 1886

و :- انگریزی مطبوعات -

89- Buckland, C.E. Dictionary of Indian Biography (1779-1869) London 1878.

90- Cunningham: History of Sikhs. Calcutta 1904.

91- Elsmie, S.R. Thirty five years in the Punjab Lahore, Al-Biruni, 1975.

92- C. Aitchison, Lord Lawrence. London.

93- Garrett, Lt. Col.: Events at the court of Ranjit Singh. 1811-1817, Lahore 1935.

94- Ibbetson: Punjab Casts. Lahore, 1914,

95- James Burgess: The chronology of Modern India, Lahore, 1975.

96- Khazan Singh, Hist. and Philosophy of Sikh Religion, Lahore 1911.

97- Mohammad Bagir, Dr. Lahore Past and Present. Lahore, Punjab University 1952.

98- M. Latif Syed: History of the Punjab, Lahore 1964.

99- Nazir A. Chaudhary: Development of Urdu literature as official language in Punjab 1849-1974. Lahore 1977.

ضمائم

انتخاب از تحفهٔ بکاول تصنیف مولوی بکاول چشتی

شرح احوال مؤلف

بکاول شده ام چو غنچه مشهور ۔ از خاک مقدس لهانور ۔
آجودهنم آمده ز اجداد ۔ مولد منشا که باد آباد
زان رو که پر از تبار چشتی است ۔ پنجاب زمین همه بهشت است
شاداب زمین او ز راوی ۔ از قصهٔ سلسبیل راوی
خضرش او به کمال سازد ۔ از آب حیوان خیال سازد
شیخ من واب و فخر آدم ۔ فرزند فرید و فرد عالم
آزاده و همائے دل بدامش ۔ ز اخلاق حسن، حسین نامش
چون دولت عشق شد گرمیش ۔ زد سکهٔ فنک بنام نامیش
سالی بکعبه اندرون خفت ۔ در درد حسین رفتم او گفت
شد کعبه ز مقدمش چون آباد ۔ سالش شد رحمت خدا باد
گیرم که چراغ چشتیانم ۔ نوباوهٔ باغ چشتیانم
فخر دو جهان ز فخر دینم ۔ فخر الشعرا و گل نگینم،
اندوخت دل من ز شکر گنج ۔ از گنج شکر بگنج در گنج
نی خادم بهاول خاندانم ۔ من دود چراغ دودمانم
از قافله چون تو بگذشت ۔ عمرم همه در فسوس بگذشت
لرزم ز کلام شیخ گنجه ۔ از شوخی خود نموده رنجه
گر فحص سخن بنام او گشت ۔ در شعر فلک بکام او گشت
اقرار لقا در الـ کلاهیست ۔ لیکن نه ز انبیا نبی هیست
اینجا لرزند چون اولو العزم ۔ او کیست، مگر ز مرسلین بزم
رحمت بروان شیخ شیراز ۔ رضوان بجان شیخ شیراز
از پای دو چشم کن بستان ۔ سیری و نگر سوی گلستان
من بندهٔ حضرت کریمم ۔ پروردهٔ نعمت قدیمم
گر بی هنرم و گر هنرمند ۔ لطفست امیدم از خداوند
تا آنکه لقاعتی ندارم ۔ سرمایهٔ طاعتی ندارم
او چارهٔ کار بنده داند ۔ چون هیچ (×) دستیش نماند (کذا)

سعدی ره کعبهٔ رضا گیر — این مرد خدا ره خدا گیر

بدبخت کسی که سر بتابد — این درگه در دگر نیابد

بشنو سخنم ز مهوشی مردی — من چشتی و شیخ سهروردی

فقه هندیم او ز شافعی بود — بیچاره حزن نداروت سعود

شیراز مقام او لبیا دور — من هندی و مولدم لهانور

در سکر کلام گر غنودی — آزرده نه اهل درد بودی

در یاد خدا اگرچه محو است — از سهو نگفت بلکه صحو است

یکدل تو ازین فسانه پس کن — بنده شو و ترک این هوس کن

من نام خود سیاه کردم — من عمر همه تباه کردم

خسرو که ز دیلمیم چه پیر است — چه خواجه نظام دستگیر است

~~[illegible]~~

بابا به مرا چو پیر داند — دانم که بعید ریم نشاند

من بر سر خاک او رسیدم — چون ذره بمهر او طپیدم

او در من خسته چشم وا کرد — از گنبد خود برون سر آورد

او طوطی هند نام من کرد — او دست مرا به پیر بسپرد

این قصه بر شه بیاورد — از چرخ کوکب بی بها دُر،

گفتند که آمد از لهانور — چشتی یکدل فقیر مشهور

او کرد بمن عنایت خویش — داده شرف از ولایت خویش

بهر خلعت خاص آمده بود — از فیل و فرس عنایت افزود

بارید بمن ز مهر جوشی — مانع شده از گلیم پوشی

چون دید که این فقیر هندی است — مشهور بده و عالی برنزی است

آزاد گهی بدل نشسته — از بند رسوم باز رسته

بابی ز توجهات خود خواند — در خلوت خاص خویش بنشاند

در سینهٔ من چو دست آویخت — آب لعل لبش بر دلم ریخت

از حالت وجد خود خبر داد — انعام هر آنچه بر من افتاد

افتاد چو شور وجد در هند — بخمید بخویش شیخ سرهند

نقاره وجد شاه دارا — بگذشت ز کابل و بخارا

بجواهرات گرانبها یک کرور روپیه و سه صد حلقه کمان لاهوری و پانصد بندوق ساخته و دو صد شمشیر ایرانی و بیست و یک راس اسپ عراقی و یازده زنجیر فیل زیر هوده با اوراق دولت همراه کرد .

(ورق ۳۳)

بود و باش

"چون مردم پنجاب - از ابتدای سنه یکهزار و یکصد و پنجاه و هشت که اواخر محمد شاه بادشاه و نواب زکریا خان ناظم لاهور و ملتان بود الی سنه یکهزار و دو صد و پانزده گرفتار بلیه حوادث خودسران قطاع الطریق بود از دین متین ناواقف گردیده و از احکام صلوة و صوم و ارکان ایمان و شش کلمه نیز عاری شده بودند . در این حکومت افغان بعلت مشایخ و جوانان بشرب خمر و زنا افتادند و چون رنجیت از طفلی در آن بنگی مستعد بود ، خوشحال نامی را بهمین خدمت حضور بارگاه ساخت . جمهور انام نیز همین عادت بخود گرفتند و دلمن نامی را که کوهی بود از اولاد رنجیت سنگه دیو و سوچیت و گلاب هر دو برادرانش را مختار ساخته خدمت ساقیانه باده تفویض نموده و بوشه نامی سقای را در اواخر عمر سوار کرده لوازم حسابی میگرفت ."

ورق ۱۰۳

" رنجیت از آنجا که هشتی های و قوچی حاجت نیاموس ده همراه داشت . در اجتماع خودسران پرداخت و هر یکی را بخلعت ثمین و حلقه های طلائی گوش و دست و تسبیح های مروارید و اسپ های زرین ستام ایرانی و عده ها مخلف کرد ... چون خودسران لاهور را که در دوازده گروه الی اچهره و باغبانپوره و انارکلی و میدان میان میر و گنج آباد بود ، ویران مطلق و بیچراغ کردند و محله های تهی سوداگران که وجه زکوة را بموجب حساب چهل یکی از بی نیتی و بی حمامگی در طشت ها از دست پر کرده بالای آن برنج پخته انداخته درویشان را طلب کرده ملک میکردند . چون قبول می شدند رغبت آن بریده مضاعف میدادند که بخانه ما بکار آید ، شش نقد بگیرند . خودسران آن حویلی ها را آتش میدادند . همه سوداگران حمه عیال و اطفال بر سقف ها سوختند و مال و اموال شان همه تاراج گردید و خفیه جلاوطن گردیده جریده پیاده در اکبرآباد و ملتان و بخارا و بلخ سپرده شدند . همه ساکنین لاهور گروهی بشاهجهان آباد و گروهی در لکهنو و دکن و حرمین الشریفین و کابل و پشاور و قندهار منتشر گشتند "

(ورق ۱۰۰)

رنجیت بموجب اشتهار حرامسلات محمد عاشق از اولاد عبدالله صاحب انواع فسق و محمد سلیم

عالم هفتوریح و میرزا میر بخش مشهور نمقوسته از روسای لاهور و شمر و مهر محکم از
قوم باغبانان نوکوث که نواب الواب لاهور و داروغه مستقل بر سر حاکم بود، با خوجی
از نهنگان خونخوار پانزدهم ماه صفر سنه یکهزار و دوصد و پانزده و شیر پانزدهم
خورداد ماه الهی سنه یکهزار و هشتصد و پنجاه و شش بکبر ماجیت از لوهاری دروازه
داخل و باشاره روسا بر سر حاکم گریان از قلعه مبارک برآمده فرار کردند!! ورنجیت
خود در خدمت محمد عاشق و محمد سلیم ستا منه انواع تسکین و همی فرحت گشته، مهر
محکم را از خلعت طلاء و جاگیر نوکوث وغیره راضی ساخته در ترمیم قلعه و فصیل شهر
و شاه الامار که تمام منهدم شده بود، همت گماشت . مردم لاهور از ولی کسب را که از مدت
مدید در بیکاری و فرمانداری مضمحل شده نفس شماری می کردند، جانی تازه در قالب
دمید و شبانگاه که بنوبت در هر محله بندوق بدست بوده شب بسحر آورده از خوف دزدان
روز می آسودند در عهد محفلت باستراحت پرداختند. رنجیت ملی سواره لعبه خور سفیه
لبیر اسواق صرف ده هزار روپیه بدست برآمده سرمایا حیا ساخت و هر یکی را
بلباس سفید و عمارات بیوت و دکاکین باسلوب خوش جوکه می سد . و تمام دزدان
مولیر جوق در جوق آمده نوکر شده با سبب هر سلاح و دوشاله گرانمند واسب در
وولایتی و خلعت طلاء ممتاز گردیده باعث امن و امان خلق الله شدند و ترتیب دفتر
بوضع ولایت پسندیده هر یکی از اهل قلم را بقلمدانهای سیمین و خلعت ثمین و
مشاهره کثیر ارجمند ساخت . همه اهل پیشه سرگرم کار خود سشوس و گرم جوشی و
عشرت میلی و بهار متعود شده شکرانه بدرگاه کردگار گزاردند."

(ورق ۱۰۱)

کشمیر

"کشمیر با دستهان رنگی است عشرت فزا و در ولشیانرا خلوت کده ولیست دلکشا و
چمنهای خوش و آبشارهای دلکش چنانکه نظرها رکند سبزه الست و در آن بهار روان
وگل سرخ و بنفشه و نرگس خودرو صحرا صحرا. گلهای انواع و ریاحین اقسام ازان
بیشتر که در شمار در آید. بهترین شگوفه بادام و شفتالو است بیرون کوهستان
اشیای شگوفه وغیره گلها در اسفند آرند ماه الهی میشود . و در ملک کشمیر از اوایل فروردین
و در باغات و شهر انجام شگوفه تا آغاز یاسمن کبود پیوسته است . و عمارات کشمیر همه
از چوب است . دو آشیانه ، سه آشیانه، چهار آشیانه مهیا سازد و بالش خاکپوش

گرده ببالا لاله چوغاسو می‌نشیند و سال السال در موسم بهار می‌شگفته و نهایت خوشنما
است. و اینها لقرف مخصوص اهل کشمیر است. و یاسمن کبود در باغات فراوانست و
یاسمن سپید که اهل هند چنبیلی گویند نهایت خوشبو می‌شود. و قسیم دیگر صندلی رنگ است
آن نیز غایت خوشبو و این مخصوص کشمیر است. گل سرخ چند قسم بنظر درآمده یکی
بسیار خوشبو و سرخ و رعنا و دیگر صندلی است. رنگ و بویش در نهایت لطافت
و نزاکت از عالم گل سرخ و بوترنش نیز بگل سرخ مشابه و گل سوسن دو قسم می
باشد. آنچه در باغ است بسیار بالیده و سیرزنگ و قسم دیگر صحرائی، اگرچه کم رنگ تر
است نهایتا خوشبو. گل جعفری کلان خوب می‌شود و بویش از دماغ آدمی آید. بوترش
از قامت آدمی می‌گذرد. لیکن در بعضی جا سالها وقتی که بکمال رسد و گل میگیرد، کرمی
پیدا می‌شود و برگهایش پرده از عالم عنکبوت می‌تنند و ضائع می‌سازد. و بوته اش را
خشک می‌کنند. و گلها که در ییلاق کشمیر بنظر درآمده از شمار بیرون است. آنچه نادرالعصری
استاد منصور نقاش شبیه کشیده از یکصد گل متجاوز است.

(ورق ۱۰۶).

انتخاب از بیاض بیدل

و چون سرگذشت مرا از غم کرده انداز عهد صبا که مادرم در هجر پدرم که روانهٔ پشاور
بودند و با مرزائی خان ناظم کابل در کابل و فضل احمد پیرزاده نقشبندی
مجددی پیر ابدالیان صحبت داشته و چیزی آورده با مادرم مرا بمکتب میان فضل الله
از قوم خوجه فرستادی و او در خانه بهوایند اس کلال و بشن سنگه کلال نشستی بر برکت
که مرده و دیرام سنگه و چیت سنگه و نهال سنگه و گلاب سنگه وغیره هم بخواندندی من غریب
ترین مردم و نیز مسلمان بودم اما میان فضل الله مرحوم بحرمت جدم حرمت کردی و
قرآن شریف بر قرآن غلام محمد پدر غلام علی بن دوست محمد خوانده شد مادرم محبت و
مشفقت کردی را قرآن شریف از امام بخش حافظ بن مولوی لطف الله خطاط بن
عبد الهادی گرفته داد و آن تا حال موجود است مرا چیزی می آمد و چیزی نمی آمد
سخت لاچار از ذهن نارسا بودم و مادرم برای خواندن من دعا ها کردی و سر برهنه
نمودی و مرا چون مرض آمدی جاروب بموی سر در پاخانه از دیوانگی دادی
بیگم بی بی و حبیب الله و قادر بخش و دکهی وغیره خواهران و برادران شدند
اما هیچ کس نماند الا من چون مادرم فقیره بنت عصام الدین بن عصمت الله بن محمد
رضا و اکنون برادر مادر من حاجی امام الدین که بجده بیست و پنجکرد هی مکه معظمه
مدفون است و پسران او محمد مکی و حاجی احمد موجود اند زنده باشند و مادر
مادرم رحمت النسا بنت جیوا بود و مادر من و مادر مادر من قرآن خوان و مادرم
صابره و محنت کشیده و سخیه و کریمه و رحیمه و خاشعه بوده است بر من عاشقه بود
مرا پرورش داد من او را در آسیا سائی شریک شدم و در هفده سالگی مرا بدختر محمد
بخش صحاف بن رحمة الله بن جا محمد بن رزق الله دامن چاک کرد او با من بیست
سال زیست دختران و فرزندان بر آورده عطاء حسین و عطاء الحق و غلام محی الدین

و فاطمه و اُمّة الزهرا آموزند و چون امة البتول جیّان بی بی قرآن خوان و صالحه که خدا بهفتی خانه شد اکنون
از آن باغ گُلِ رعنا نورِ چشم فلذهٔ کبدی سرمایهٔ حیات مستعار مقبول الله احمد برخوردار نور احمد چشتی
طالعمره وزاد قدرهٗ و غفر ذنوبه و ستر عیوبه و حرسه الله تعالیٰ من جمیع البلیات والآفات سال بیستم
دارد که بهفتم ذوی الحج سنه ۱۳۲۲ روز چارشنبه ولادتِ اوست الهی بعمر طبعی و صحت و اتفاق برادران
و سنتِ سنیه رسول علیه السلام سلامت باد و اورا الله تعالیٰ محتاج نکنا و من از وی راضی ام خدا از وی
راضی باد و آنچه از وی بمن رسیده بفوائے خیره وشره من الله تعالیٰ آن خیر و شر را فعل حق میدانم پس
اگر بروی برنجم بر فعلِ حق انکار کرده باشم که الله تعالیٰ بر همه چیز قادر است الله تعالیٰ او را راه
هدایت و صحبتِ شرفا و علماء کرامت کنا و بالنون والصاد و بشاه کربلا والبغداد والنبیّ وآله
الامجاد آمین آمین یا ربّ العالمین در مکتب لهوری منڈی در هفده سالگی بطفلان جوہر
گان هندو نژاد تعلیم داده ترجمه نویسی و کتابت و شعر و سخن و شورشے در دل از آن آفتاب منظر
در دلم پیدای آمد شده شده مالیخولیا کشید من دامنِ قرآن شریف مستحکم گرفته غلامی درگاه
عرشی اشتباه حضرت قدوة الله مخدوم علی گنج بخش ہجویری برگزیدم و شام هر روز بلا ناغه چه
ابر و چه صفا و چه گِل و لا و چه تاریکی و روشنائی و عشا در حرم اقدس خوانده در خانه می آمدم و
ازان باز خیر شاه سیّد طبیب در چوک جهنڈه فصد ما الجبن و شش ماه بادر نجبویه و اسطو
خودوس ۶ ماشے دو وقتی می فرمود تا الله تعالیٰ ببرکتِ قرآن شریف و حمایت جناب ہجویر و
بغداد رحمهما الله نجات داد و من گذران خود میکردم و پرورش بی بی در پیش بود مادرم وفات کرد
پانصد روپیه خرچ کردم و خدمت بیماری ششماه کردم او بر من بسیار راضی رفت و برخوردار نور احمد
زائید او شش ساله بود که مادرش وفات کرد محمد بخش مجلدی با من آنچنان کرد که جگوتم مرا ایزدی
حمایت نگهداشت حاتم با من جان دادیے و مجلدی او را معشوقهٔ من قرار دادیے آخر گذشت آنچه
گذشت سخت حیران شدم بعد از آن زنے عظیمة النسا نام مرحومه والدهٔ برخوردار محمد علی طالعمره
در حبالهٔ نکاح من آمد و باز چون آن زن وفات بعد از دو سال کرد بیگم نام از موچی دروازه
آوردم و بازا لحال بختاور بی بی مادر برخوردار محمود علی طالعمره اکنون دو سال است که الله تعالیٰ
تقصیر معاف کرده من از خانه خرابی آزار سخت برداشتم امّا حمایت ایزدی بود از لهوری منڈی
بیست سال است که برخاسته آمدم و تعلیم امرناته کردم و باز بلدی و پسران کدارو
را و سفر شاهجهان آباد و باز آن کدارو با من بدی ها کرد و امرناته شود کشے ورزید و
دیگر گونه شد و او را مرض واهمه و وسواس و فقیری و آزادگی دامن گرفت و بعد از آن من
خانه نشین شدم و شادیِ برخورداران لعبِ من شد۔

"روزِ محرم شریف ۱۲۵۰ھ یعنی دهم، رتن سنگه که عدالت لاهور تعلق اوست بحال مسلمانان سخت آزار رسانیده که سبیل های لاهور را تاراج نموده و مردم مسلمین را زد و کوفت آنقدر شده که بعض را جان هم رفته باشد۔ و مصادره بسیار رفته و گاهی شاه نیز تعزیه تیار کرده بود مثل سابق او را گرفتار برده تعزیه اندرون قلعه طلبانده و او را آنچنان زد و کوفت شده که خاطر او را مشوش ساخته حق تعالی امان بلاهد مردم لاهور را۔ شربت که تیار بود، سبوچه ها را و خم ها را شکستانیدند و سخت شورش در لاهور افتاد، روز دوم مسیح الدین قاضی ضامن شده، والدنر نجیت سنگه حکم داده بود که چون منادی کرده بودم و حکم عدولی کرده او را در خارِ خشک انداخته معه تعزیه بسوزانند"۔

عید در لاهور:

"چون درین روز با سرکار والا کوتلی را تسخیم براوقات اقبال نموده رونق افزای کوهستان بودند، مردم را در لاهور عید الضحیٰ نیز بخوبی شده بود، کاکلیان هر چند تقاضش در تنگنای تعصب نمودند، اما پیشرفت نشد"۔

گرانی در لاهور:

"در لاهور از بسکه باران بالکل نشده گرانی غلّه شد۔ سیزده آثار شده بوده، اما حاکم وقت بشدت شانزده آثار حکم داد۔ مردوزن بسیار خراب می شدند"۔

"جای پریشانی آدم یا متعین کنانید که سوای پنج آثار برنج شخصی را یکدانه می روپیه نرسد، مردم که خوکرده یک من یکمن نیم برنج و دوازده آثار پخته روغن زرد بودند بجان آمدند، تمام دیهات پنجاب و لاهور و امرت سر و کشمیر (ویران) شده و گرانی غلّه بدرجه ده آثار گندم رسید و بموجب ارشادِ سرکار در لاهور منادی بیست آثار شد۔

سیلاب شدید:

"چون درین ماه سیلاب بدرجه کمال رسیده، آزار بسیار بمردم کشت کار رسیده۔ بسیار خانه ها را بسیلاب ویرانی رو داده و بسیاری را آب به بیخ داد، و مردم مزارعین که در خریف به بلای امسال باران گرفتار بودند بلب جانی رسیده بودند۔ درین حال که جوها را

بریده خرمن کرده بودند، یک بارگی خرمن شان را آب پاک برد۔"

وبای سخت در لاهور:

وبای سخت در لاهور روز پنجشنبه اوّل جمادی الاوّل ۱۲۶۱ھ پنجم جیٹھ ۱۹۰۲ب از جانب کابل و پشاور بعد از بیست سال که در سمت ۱۸۸۴ افتاده بود داخل شد، اوّل ابتدای آن از گرد بادی سخت شد سُرخ — من هم دیواز وارد در کنج خویده نشستم و بیاره ماندگی بدست گرفتم تا از فاتحه مردمان امان یافتم ۔ و دوا سوای پلپل دراز و مرچان سیاه و اجوائین و بلیله سیاه و زرد نه کردم، سائیده خوردم ۔

ضعف در حکومت سیکهها:

امروز از ضعف حکومت معائنه شد ۔ که در شهری رفتم و دیدم که یک سپاهی سکه بر اسپ سوار است و دوان دوان می آید ۔ مردم هراسیدند پیش قربوس او صره پنجهزار دینار بود که از بچی بته از دوش صرافی دو گهری باقی مانده برداشت و اسپ دوانید ۔ و کسی باد نرسید در چار سوی تمی نشسته بودم ، بالای چوکی، همراه یکی گفتگو میکردم که ناگهان آن سوار گذشت و بدیوار مسجد در خورد و صاف اسپش صدمه خورده ، افتاد و باز خیال کردم که سوارش مرده باشد ، آن لنگور وضع بازاستاده فی الحال براسپ سوار شد ، و دستار هم نه بست دو آدم فراهم شدند که تیمارداری کنند چراکه تاحال شخص از غوغاشیان نرسیده بود ۔ گفت که این بقچه مرا بدهید ۔ چون مردم دست کردند ، سخت گران یافتند گفتند که تو از اسپ فرود آمده خود بگیر ۔ درین اثنا دو بچه گفتند که این دزد است و این صره مبالغ است که زده آورده است ۔ آن سکه فی الفور اسپ را عنان ۔ گرفت و دوانید و صره را باز گذاشت ۔ درین اثنا مردم دوان دوان بسیار ۔ رسیدند و صره را دریافتند و خیلی فرحت اندوز گشتند ۔ درین اثنا خدا بخش کوتوال رسید هرچند تا بهاٹی دروازه دوید سراغش نیافت دم شد ، مردمان بر ضعف سلطنت خیال کردند و بسیاری تعجب رو داد ۔

آئینهٔ تاریخ:

یاد دارم که چون کشتی مُغلیه و سلطنت چغتائیه غرق شد و برهم خورد جد شریف بنده و اجداد تمام شرفاد و سادات عظام و علمای کرام وغیره برگروه سفید پوشان قلم برست

چه هندو چه مسلمان جامه سوگواری پوشیدند، از آنکه مسلط شدند موسیران یعنی سیکهان دهقان مزاج، زانو برهنه و جهتکه خور و آتش زن و دزد - شده شده سلطنت شد - آن بزرگان بعضی روانه شاهجهان آباد و حیدرآباد و لکهنو و مکه و مدینه و مصر و روم و شام و بعضی بخراسان - و بها ولپور و حیدرآباد و سنده و آنانی که قوت نداشتند و شرفاء بودند - در همین لاهور بگوشه نشسته بعضی با فندگی و بعضی حله چینی و بعضی - معماری و بعضی سبد برداری و بعضی معلمی و بعضی تره فروشی و بعضی گدائی دیهات، همین طور خلق افتاده ماند و حیران و پشیمان تا که در همان غم از جهان رفتند. آن تسلط سکهان برای ایشان عزرائیل شد - و چون فرزندان ایشان پدید شدند خوب سکهان کردند - "واهگورو کا خالصه واهگورو جی کی فتح" و جهتکه و ندادن اذان و مسماری مساجد و — بعده دشنام خنازیر و هتک اسلام و غیره، بی عزتی و بی حرمتی اما خو کرده زمان و وطن شده - بعضی در نوکری این و آن مشغول شدند - طوری که اجداد ما خو بمغلیه شده بود - همان طور خو بسکهان گرفتیم و طوری که آفات - آسمانی حکومت سیکهان برای اجداد ما شده بود - همان طور آفت جان برای ما حکومت انگریزان شده - شب و روز در همین غم می باشیم - اما امید که فرزندان ما خوگیر حکومت انگریزان خواهند شد - اما ما را غم سکهان ضروری - باشد - بعد از آن الحال از ابتدای ۱۲۵۰ھ آفت نزول در پنجاب کرده و الحال ۱۲۶۳ھ شب و روز زیاده تر است - دیده شود که مردم چگونه شوند و احوال خلق چگونه گردد - الحال معلوم میشود که دلیپ سنگه را از قلعه معزول و در دنیا نافه السیر و تیغ سنگه نیز گرفتار و چوتره و دوکانهای لاهور تمام مسمار در این صورت قیامت در لاهور برپا خواهد شد - و آنقدر غلغله خواهد شد که چگونه بعد از آن انگریزان کار حکومت خواهند کرد - و بعد از بند و بست تجانب قسمت لاهور شده دیده شود که چگونه شود - الحال بر طرف که انسان برود حکومت انگریزی است - جای فراغت نیست - الله در ایران و یا در عرب خاص مکه و مدینه و بغداد و کربلا و نجف اشرف و در بن ولایات خواری شده ؟

شهر لاهور عجب رونق داشت — جلوه قدرت حق الحق داشت
ناگهان چشم بدش ویران کرد — جا بجا ساکن او حیران کرد
لولیان نقش معم ایران آشوب — داده از حسن بهجنت جاروب
حسن بی پرده کهستانی ها — ملک دل کرده لویرانی ها

۱۲

آه من کشتهٔ هندو پسران
باز غلمان جنان موسبران

چشم شان فتنه بکشمیر انداخت
در دلِ یکدل ما تیر انداخت

کوچه وسمت کمانی غمّاز
گوشهٔ زلف درازی، طنّاز

عشق و غم هر دو نقیب این شهر
حسن و عشق هر دو رقیب این شهر

یار باین عیسویان ناجنس اند
فرد وضع اند لطا هرانس اند

وعدهٔ شارو زِ قیامت کردی
بسبر فوقیت شان از فردی

انتخاب از تحقیقات چشتی

(عرس حضرت مادھو لال حسینؒ)

--- چنانچہ آج بتاریخ سلخ جنوری بروز سہ شنبہ (سن ۵۹) حضرت کا عرس مبارک بتزئین و زینت تھا۔ اور یہ کمترین بھی آستانہ بوسی کے واسطے مشرف ہوا تھا۔ کیا بیان کروں کہ کس قدر انبوہ کثیر رنگین و عاشقی رنگوڑا کا تھا۔ دہلی دروازہ سے تا لب الامار برابر خلق اللہ تھی اور تل پھینکا زمین پر نہ گرتا تھا۔

آج بندہ کو بھی یہاں سے ایک عزت خداداد بہ بدیہ حاصل ہوئی اور وہ یہ ہے کہ آگے چند سال سے جو دو سیاہ فرد بہ جیجیرز کو ہر روز عرس مبارک حضرت پیر علی گنج بخش ہجویری رحمۃ اللہ علیہ ان کی جناب سے دستار تو ہر بار کہ جس کو مراد ہاتھ لگتے ہیں ملتا ہے۔ آج اس جناب مستطاب سے بھی بندوی کو معرفت حسن علی شاہ سجادہ نشین دستار لسنتی اس دفعہ سے عطا ہوئی کہ حضرت سجادہ نشین حضرت کی خانقاہ کی بابت میں کی طرف تشریف فرما ہوئے۔ اور براہ نوازش اول دعا فرمائی۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ قبول عطا فرماویں گے۔ اور یقین کلی ہے کہ اس سال میں اگر بخت یاور ہوئے تو فرید فرزند ارجمند با عمر دراز مجھکو عطا ہوگا۔

الغرض بعد دعا سجادہ نشین صاحب نے نذر پیش کردہ فقیر قبول فرمائی اور ہزار ہا خلق اللہ میں دستار لسنتی مجھے پہنائی۔ اور میں نے فخر دو جہاں سمجھ کر اپنے سر پر باندھی۔ علاوہ بر آں یہ ایک اور لطف ہوا کہ اس وقت بعد دعا سجادہ نشین صاحب نے حضرت کے مزار کے خزانہ موجودہ سے مجھے تبرک اسطرح سے عنایت کیا کہ میں نے دامن اپنا پھیلایا۔ اور انہوں نے پھول اور کوڑیاں وغیرہ بھر ہوا میرے دامن میں ڈالا۔ جب گھر میں آکر دیکھا تو سوائے ریوڑی وگل وغیرہ کے تین آنہ کی کوڑیاں اور چونہ آنہ یعنی تین پیسے ڈبل اس میں سے نکلے۔ اب میرا یہ ارادہ ہے کہ اس کے عوض میں ایک چوانی خریدوں اور گھر میں تبرکاً رکھوں پھر جب مجھے اللہ تعالیٰ فرزند عنایت کریں تو وہ چوانی اس کے زیب گلو کروں۔

سبحان اللہ! زہے طالع میرے کہ مجھے اس قدر شرف اور عزت مع دستار حاصل ہوا۔ اس کے شکریہ میں کس دہن و زبان سے شکریہ ادا کروں۔

اگر ہر موی من گردد زبانی　　دراں رانم ہر یک داستانی
نیارم گذر شکر تو سفتن　　سر موی ز احسان تو گفتن

مجھ حسب الارادت خود آج وہ خوشی ہے کہ خدا ہی جانتا ہے۔

شجرہ عالیہ چشتیہ نظامیہ مصنفہ مولوی نور احمد چشتی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اے کہ از کنج خفی در عین اظہار آمدی
با ہمہ اسمای حسن خود نمودار آمدی
گردی از اطلاق خود در نقطۂ وحدت ظہور
با لباس میم احمد کار مختار آمدی
حسن مجمل را چو از اعیان مفصل ساختی
کسوت شیر خدا پوشیدہ کرار آمدی ۔
از تجلی جمال خود حسن بصری شدی
هم چو عبد الواحد ای واحد با انوار آمدی
از ظہور فضل خود گشتی مسمی با فضیل
بر سریر بلخ سلطان جہاں دار آمدی
گہ سدید الدین شدی در عشق از راہ سداد
گہ امین الدین امین راز دلدار آمدی
کسوت دلشاد پوشیدی لقب شان علو
شام بو اسحاق را صبح پر انوار آمدی
خود ابو احمد شدی با شدۂ دنیا و دین
ناصر حق بو محمد بخت بیدار آمدی
گاہ بو یوسف شدی و گاہ مودود جہان
با چنین جاہ و جلیس گرم بازار آمدی
در طواف کعبہ ثانی شدی حاجی شریف
هم چو عثمان مقتدای حزب ابرار آمدی
از پی هر مستعین گردی معین الدین لقب
رحمت هندوستان چون نور بر نار آمدی
مرکز عالم گرفتی در محیط وصل و جود
عین قطب الدین شدہ بر چرخ سیار آمدی

از کمال زُہد خود ہم چون فریدالدین شدی
صد ہزاران (ص ۲۳) تلخ کامان را شکربار آمدی
نام محبوب الٰہی کردی و با عز و ناز
در نظام دو جہان سلطان و سالار آمدی
کردی از رخسار نور روشن چراغ دعوی
صد کمال از علم علامہ گہربار آمدی
در شبستان دو عالم نور سراج الدین شدی
ہمچون علم الحق بعلم الدین خبردار آمدی
کسوت محمود راحن کردہ گشتی جلوہ گر
نور جمال الدین شدہ با حسن رخسار آمدی
با ہمہ خلق حسن مثل حسن کردی ظہور
واہ واہ شیخ قدر نیک کردار آمدی
از پیٔ احیای دلہا کردہ احیٰی یحییٰ لقب
قطب دار اندر مدینۂ قطب پرکار آمدی
رہبر کرامہ در دل مثل کلیم اللہ شدی
بر تماشای تجلی محو دیدار آمدی
چون نظام الدین شدی اورنگ زیب معرفت
در نظام سلسلہ لولوی شہوار آمدی
اے کہ از فخر امم لقب فخر جہان
آشکارا رحمتِ عالم پدیدار آمدی
نازنین گردیدی و ہمچون نیاز احمد شدی
واحد و واحد شدی بازیب و بازار آمدی
گہ غنی گردیدہ مسکین نام خود بنہادہ ای
از غنا مسکین و ناز و گرم بازار آمدی
با تجلی ہای شاہی نیفن حق گشتی سمر
سجدہ گاہ جن و الانس و نور و ہم نار آمدی

نوراحمد را لشائق داده بافضل عمیم
خاک راہِ چشتیاں کردہ باسرار آمدی
باکمالات شئون و جملہ اسمای صفات
آخر از فیض اتم مختار سرکار آمدی
نوراحمد معتقد با ملتب نور اقرار کرد
فیض للبی چونی در لغمہ و تار آمدی

انتخاب از یادگار چشتی۔

"مولوی غلام حسین صاحب"

اور دہم صفر کو شہر لاہور میں محلہ چابک سواراں، مسجد چینی میں عرس مبارک جناب مولوی غلام حسین صاحب چشتی کا ہوتا ہے۔ یہ مولوی صاحب بڑے معارف آگاہ اور صاحب عبادت و ریاضت تھے۔ پچیس برس حضرت نے استراحت نہیں فرمائی اور مسکینی سید السالکین اور ثانی الحسین تھے۔ صاحب رقت ایسے تھے کہ اگر کہیں نام سرور دو جہانؐ یا حسینؑ آ جاتا تھا۔ تو عالم گریہ میں بے ہوش ہو جاتے تھے۔ اور کرامات اِن کی ہزار ہا مشہور۔ سب رؤسائے پنجاب اُن کو مرشد اکبر جانتے تھے ہیں۔

اس عرس میں نان حلوہ تقسیم ہوتا ہے۔ اور چراغاں خوب روشنی سے ہوتی ہے۔ رؤسا، فقرا سب حاضر ہوتے ہیں۔ اور اس روز نذریں بھی چڑھتی ہیں اور گھنٹہ دو گھنٹہ مرثیہ خوانی بھی وہاں ہوتی ہے۔ چونکہ اس حضرت نے ۱۲۶۰ھ یعنی یک ہزار و دو صد و شصت سال ہجری میں اپنی وفات پائی ہے۔ لہٰذا خلقت بکثرت جمع نہیں ہوتی۔ اور دس گیارہ بجے تک زائرین سے فراغت حاصل ہو جاتی ہے۔

بہادر شاہ ظفر بادشاہ کی طرف سے مولوی محمد بخش بیگ ان کو خطاب
فخر الشعراء کے ساتھ عطا کی گئی مہر کا عکس ۔
عکس : صدر الدین مہر کن

بہادر شاہ ظفر بادشاہ کی لوح سے مہر کی ہوئی احمد بخش حیدری کو عطا
محفوظ رہنے والی سے ساتھ عطا کی گئی مہر کا عکس۔

مرسلہ: عبداللطیف مہر کسنا

بہادر شاہ ظفر بادشاہ کی طرف سے مولوی احمد بخش گیلانی کو خطاب فخر الشعراء کے ساتھ عطا کی گئی مہر کا عکس ۔

عمل : بدرالدین مہر کن

بہادر شاہ ظفر بادشاہ کی طرف سے مولوی احمد بخش یکدل کو خطاب
فخر الشعراء کے ساتھ عطا کی گئی مہر کا عکس ۔
یہ مہر بہاء الدین مہر کن نے کندہ کی ۔

تن گوش گشته طنین طنطنه عظمت صاحب دولتی باین مرتبه رسیده
و زینت تصنیف را بیان اوصاف دشتی گشته که ناظم سمت
اهل صورت متوجه جوان نحیفی که باجداث سخن اگر اعظم میلاد
ماضیه بوده دقایق بادشاهی و صفحات ازرای خورده
دانش استفاده نموده که صواب انجامش نسخه انیست را
مطابق رقم تقدیر ... به پیر و جوان و به تدبیر پیر سنجیده تر
سمین صاحب نهاد بدوام اقبالهم اما بعد فقیر لیتر ویراجی الی رحمت الله
الصمد نور احمد متخلص چشتی عفی عنه لاهوری بن مولوی فخر زمان
فضیلت پناه یکدلی آگاه فخر الشعرا مولوی احمد بخش یکدل اصحاب
دام ابقایهم بخدمت شایقان سیر بر درعرض نموده که گنج اینچ
مینماید که بتاریخ دهم ذی الحجه [illegible] یکهزار و دو صد و شصت و [illegible]
هجری مطابق با [illegible] ماه ستمبر ۱۸۵۰ یکهزار و هشت صد و پنجاه [illegible]
عیسوی [illegible] کان خود که واقع محله جابک سواران متصل مسجد طلائی

بیتم

([illegible] دانش [illegible])

[illegible]

منیه نواب بیکبار یخان مرحوم است نشسته بودم مجالس
رنگین که از تصانیف سعادت یار خان مغفور است بدست
میداشتم چون فروی ازان به جلیسان خود بیان کردم همه د
استبداد بدامنم زدند که بفن ظرافت نسخه نو طیار شود که بدنیا
یادگار بماند همان وقت بروز عید سعید اضحی دیباچه را قلمبند
کردم و شروع به مطلب نموده نام این مزخرفات خیالات
دانش بهادر نهاده بخدا سپردم امید از مستبصران والا
گهر آنست که چون صیادان بادیه ناکامی آهوگیر نشوند و بخدمات
صفا دوع ماکدر خیال دارند و بالله التوفیق و به نستعین

اری الاحسان عند الحر دینا	و عند النفس منکوساً و ذما
کماء المزن فی اصداف در	و فی فم الافاعی صار سما

تن گوش گشته طنین طنطنه عظمت صاحب دولتی بایں مرتبه نشنیده
و زینت تصنیف در بیان اوصاف دختی نخشبی که نامم [illegible] ست
لا موهبت توجه جوان بختی که با جداث سن اگر اعظم [illegible]
باصنیه بودندی دقایق بادشاهی دلصفت از ازای جوزده
دانش استفاده نمودندی فکر صواب ابحاس نسخه الیست را
مطابق رقم تقدیر [illegible] به نیرو جوان و به تدبیر پیر [illegible]
سملین صاحب بهادر دام اقبالهم ابعد فقیر بی تزویر راجی الی رحمت الله
الصمد نور احمد متخلص به چشتی عفی عنه لاهوری بن مولوی فخر زمان
فضیلت پناه یکدلی آگاه فخر الشعرا مولوی احمد بخش یکدل صاحب
دام اقبالهم بخدمت شایقان هنر پرور عرض نموده که نسخه اینی
منیابد که بتاریخ [illegible] ذی الحجه ۱۲۶۹ یکهزار و دو صد و شصت و نه
هجری مطابق با [illegible] ماه ستمبر ۱۸۵۳ یکهزار [illegible] هشت و پنجاه و [illegible]
عیسوی بمکان خود که واقع محله چابک سواران متصل مسجد طلائی

خیالات دلکش [illegible]

نسخه مصنف

منیه نواب بیکبار یخان مرحوم است نشسته بودم مجالس
رنگین که از تصانیف سعادت یار خان مغفور است بدست
میه افتتم چون فردی از ان به جلیسان خود بیان کردم همه د
استبداد بدامنم زدند که بفن ظرافت نسخه نو طیار شود که بدنیا
یادگار ماند همان وقت بروز عید سعید اضحی دیباچه را قلمبند
کردم و شروع به مطلب نموده نام این مزخرفات خیالات
دلکش نهادم و بخدا سپردم امید از مستبصران والا
گهر آنست که چون صیادان بادیه ناکامی آهو گیر نشوند و بخدا
صفا دوع ماکدر خیال دارند و بالله التوفیق و به نستعین

اری الاحسان عند الحر دینا — وعند النفس منکوسا دذنا
کماء المزن فی اصداف در — وفی فم الافاعی صار سما

تن گوش گشته طنین طنطنه عظمت صاحب دولتی باین مرتبه نشنیده
و زینت تصنیف در بیان اوصاف دهلی کمتر بگوش نامحرم نشست
لهذا بهوسپرست موجه جوان بختی که باجداد اش اکثر اعظم سلاطین
ماضیه بودندی دقایق بادشاهی و نصفت [illegible] جوزده
دانش استفاده نمودندی فکر صواب انجامش نسخه انیست را بیت
مطابق رقم تقدیر [illegible] به نیر جوان و به تدبیر پیر
سمعن صاحب بهادر دام اقبالهم اما بعد فقیر پر تقصیر راجی الی رحمت الله
الصمد نور احمد متخلص بچشتی عفی عنه لاهوری بن مولوی فخر زمان
فضیلت پناه یکدل آگاه فخر المتاخرا مولوی احمد بخش یکدل [illegible]
دام ابقاهم بخدمت شایقان سیر سر برود عرض نموده که شیخ راستی
منساید که بتاریخ دهم ذی الحجه ۱۲۷۱ یکهزار و دوصد [illegible]
هجری مطابق باخر ماه ستمبر ۱۸۵۵ یکهزار و هشت صد و پنجاه و پنج
عیسوی بمکان خود که واقع محله چابک سواران متصل مسجد طلائی

بینم

منیه نواب بیکبار یخان مرحوم است نشسته بودم مجالس
رنگین که از تصانیف سعادت یار خان مغفور است بدست
میداشتم چون فرودی از آن به جلیسان خود بیان کردم همه
استبداد به اهتمام زدند که بنفس ظرافت نسخه نو طیار شود که مدینا
یادگار بماند همان وقت بروز عید سعید اضحی دیباچه را قلمبند
کردم و شروع به مطلب نموده نام این مزخرفات خیالات
دلکش نهادم و بخدا سپردم امید از مستبصران والا
گهر آنست که چون صیادان بادیه ناکامی آهوی گریز نشوند و بخذ ما
صفا ودع ما کدر خیال دارند و بالله التوفیق و به نستعین

ارى الاحسان عند الحر دينا   و عند النغل منکوسا و ذما
کماء المزن فی اصداف در   و فی فم الافاعی صار سما

الی رحمة الله تعالی احمد بخش الذی تخلصه المشهور یکدل ابن غلام حسین بن محمد ابراهیم
الحنفی الچشتی الاورنگ آبادی ثم اللاهوری اللهم نور قلبه بنور معرفتک واشغله باشتغال
جمالک وجلالک وثبته علی صراط المستقیم واحسن الیه والی ابویه ولمن احب الیه که چون بر زعم حوادث
روزگار وسوانح زمان چندی از حالات جلال وجمال وقبض وبسط واصول شیخ که بدو نیز
از بحر طبع نظم ونثری که در بعض اوقات حسن رقم ارتسام یافته بود واز اغماض اشتغال بتعطیل
در زنج عقوبت افتاد و بیک گونه آفت که بعد سکر وصحو از سعودات مقارن تدریج بنا به تهذیب
وتجرید مرتب گردید وانیس حقیقت اگرچه وقعی لائق نیافته چه که استحسان صاحب رای که دلش
مشغوف بپایه مرتبه داشت خاطر را بمشارکت غیر اعتداد نداد ولیکن در اکثر این صنف وصنعت
تمیع گردید بتسمیه این نسخه ملمعات همانست ملامع گرفته وبدین حیثیت در جبه از نشئات بتبرک الحاکم
الفضل لمتقدم حسب طبع رجحان این نسخه که نوع امتیاز بهم رسانیده ما عقب که این طرز
بدیع وطرز جدید اگر عرضه این فقیر پیش نشود ومعارض استهزائش گردد که بر منوال جدید آمد جام
سیه دان یافتن ببرکت چون قطع نظر از تجشم املای که مستتبع استغلاق با طبع استحضار
مبادی هم است تدوین مسودات اشتات که بعضی بر کسرات متفرقه وبعضی بر ظهر کراس و
حواشی اوراق نوشته مرتسم بود بنهایت محال کشیده وبرخی از اوقات که به سلطان حاجات
مصروف بود موظف میشد بنابر شوق جالب صرف تصحیح گردید لازم آمد نظار نظرهم الله تعالی

(نسخهٔ یکدل بخطِ مصنف کا ایک ورق)

الی رحمة الله تعالی احمد بخش الذی تخلصه المشهور یکدل ابن غلام حسین بن محمد ابراهیم
الحنفی الچشتی الاورنگ آبادی ثم اللاهوری اللهم نور قلبه بنور معرفتک واشغله باشتغال
جمالک وجلالک وثبته علی صراط المستقیم واحسن الیه والی ابویه ولمن احب الیه که چون بنده بحکم جوامع
روزگار وسوانح زمان چندی از حالات جلال وجمال وقبض وبسط ووصول شیخ کبار ونیز
از تجربهٔ طبع نظم ونثری که در بعض اوقات حسن رقم ارتسام یافته بود واز اغماء اشتغال بتعطیل
در نسج عنکبوت افتاده بیکگونه التفات کرده بتقریب سکر وصحو از سعودات مقارن تدریج بنا بر بهجت
وتجرید مرتب کرده واز معنی بحقیقت الحمد وقعی لطایفه نداشت چه که استحسان صاحب رای که لم
مشغوف برایه مرتسوله خاطر را بسبب لطافت غیر اعتماد ندارد ولیکن چون در اکثر این صنف وصنعت
تمسع کرده بتسمیه ان ملمعات همانات تلامع گرفته وبدین جهت وجهه ازمنه بتبرکه الحاد که
الفضل للمتقدم حسب طبع رجحان انتقامیت یکنوع امتیاز بهم رسانیده صاحب که این طرز
بدیع وطور مجدد را اگر عرصه امتحان بیش نشود ومعرض آشنا آنش گردد که هر نوع […] حدت وجامع
سهمان یا مختتم بهرکیف چون از قطع نظر از تجسم املاء که تتبع استقلاق با طبع استعداد
مساوی بهم رسیده در سبب بودات آنست که بعض بر کسرات متفرقه وبعض بر ظهر کوارس و
حواشی اوراق نوشته ملتبس بود بغایت محال گشته وجه وهیچ از اوقات کریمه منظان حاجات
که مصروف بود وموظف میشد بنا بر شوق جالب صرف تصحیح گردید لازم آمد لنظاره منظم بهم اسعد

(تحفہ یکدل بخط مصنف کا ایک ورق)

الی رحمة الله تعالی احمد بخش الذی تخلصه المشهور یکدل ابن غلام حسین بن محمد ابراهیم
الحنفی الچشتی الاورنگ آبادی ثم اللاهوری العبد نور قلبه بنور معرفتک واشغله باشتغال
جمالک وجلالک وثبته علی صراط المستقیم واحسن الیه والی ابویه ولمن سبب له که چون بر زعم جوارح
روزگار و سوانح زمان چندی از حالات جلال و جمال و قبض و بسط و اصول شیخ کبار و نیز
از تجربه طبع نظم و نثری که در بعض اوقات حسن رقم ارتسام یافته بود و از اغماز اشتغال بتعطیل
در تسخیر عنکبوت افتاده و بیگانگی آفات که بی قید، سکر و صحو از سعودات مقارن تدریج بنا بر تهذیب
و تجرید مرتب کرده و از معنی بحقیقت اگرچه وقعی که شاید نداشت چه که استحسان صاحب رایی که دلم
مشعوف برایه مرتسوالات خاطر را بشکست غیر اعتماد و مدار و لیکن در اکثر این صنف و صنعت
تمسع که وجه تسمیه آن شمعات هماست لامع گرفته و بدین جهت وجیه از نفثات تبرکه الاکابر که
الفضل للمتقدم حسب مطلع رجحان انفسیت که نوع امتیاز بهم رسانیده هاغیب که این طرز
بدیع و طور بجد را اگر عرضه ابتضایش نشود و معارض استعدادش گردد که [illegible] جام
[illegible] ان [illegible] بهر کیف چون بعد قطع نظر از تحشیم املا که مستتبع استغراق [illegible]
سیاه وی بهم است تدوین مسودات است که بعض بر کسرات متفرقه و بعض بظهر کراریس و
حواشی اوراق منتشره مرتسم بود بغایت بمحل کشیده و بر بعضی از اوقات کرمه سلطان اجابت
که مصروف بود موظف میشد بنا بر شوق جالب صرف تصحیح گردید لازم آمد که انظار منظر هم آمده

(تحفۂ یکدل بخط مصنف کا دیگر ورق)

اسال اللہ ان یجعل ختامہ مسک و فی ذلک فلیتنافس المتنافسون بندہ دولت

صدسی واقف اسرار العلٰی رکبت راحلۃ الوہم فی وساع خیال سے نزد اکہ حضرت شبان

بارگاہ قبول نظر گشتہ یہ ہیچ مدان صف نعال چونکہ دیباچہ اس کتاب کے نیچے لکھا گیا بعض

تلمیع یعنی تازی دوری طبع پر پایا اب بحکم ممدوح شہاب قلم کو مضمار اردو زبان میں ہمیز

دیتا ہوں کہ یہ کتاب اس واسطے قید تدوین میں آتی ہے کہ جو مکان زیارت گاہ دار السلطنۃ

لاہور میں اونکا حال ابتدا سے انتہا تک لکھوں اور اس باب میں بہت سی تکلیفیں

اوٹھانی پڑیں گویا تیرا شگفتگی یہ دل آیا ہے یکدلا ای غنچہ فسردہ کبھی ہی ہوا لگے

اور یہ بھی خیال ہوا کہ شاید ان مساجد کا حال اور اونکے تولد اور صاحبوں کی وفات اور مدفن

کی کیفیت لکھی جاوے اور یہ بھی ہو کہ جو خاندان منسوبہ اونکا ہیں اور خوانین بندہ مکان کے

مذکور اور عمارات قدیم مساجد اور مقابر کا حال مشہور اوگا کتاب میں آدمی تو این ہیں

باب تیسری چوتھا باب عجائبات اقوال اور افعال ملکہ لکا اور فاجون کا کہ موجب

تفنن طبع ہو ترتیب پایا اور یہ کتاب نامی باسم گرامی السید شریف قبر شمس الدین

بخاری تصنیف ہوئی موسوم برسالہ شمسیہ معروف ہوئی ناظرین اسکی مطالعہ سے

خطا اوٹھاویں اور حرف گیری نکریں آدمی از سہو و خطا پاک نیست آب رواں

بجنس و خاشاک نیست والامر بید اللہ

(رسالہ شمسیہ مصنفہ [illegible])

اسال اللہ ان یجعل ختامہ مسک و فی ذلک فلیتنافس المتنافسون   بندہ درحوت
ہدسی و انقدار العذر   رکبت راحلۃ الوہم فی وساع خیال ہے نزد اہل حمد نشینان
بارگاہ قبول نظر گشتہ بہ ہیچ کاران صف نعال   چونکہ دیباچہ اس کتاب کا بعین
بجمیع معنی تازی و دری طبع ہو چکا تھا اب بحکم ممدوح منشیب قلم کو بشغار اردو زبان میں ہمیز
دیتا ہوں کہ یہ کتاب اس واسطے تہ تدوین میں آئی ہے کہ جو مکان زیارت گاہ دار السلطنۃ
لاہور میں اونکا حال ابتدا سے انتہا تک لکھوں اور اس باب میں بہت سی تکلیفیں
اوٹھائیں گئیں   تیرا شگفتگی یہ دل آہیچ نکیدلا   ای غنچہ فسردہ کبھی ہی ہوا لگی
اور یہ بھی خیال تھا کہ شاہان سلف کا حال اور انکی تولد اور جلوس اور وفات اور مدفون
کی کیفیت لکھی جاوے اور یہ بھی ہو کہ جو خاندان موجب [illegible] ہی اور خوانین بلند مکان
مذکور اور عمارات قدیم مسجد اور مقبرہ کا حال [illegible] کتابت میں آوے تو اس میں
باب تیسری جو تھا باب عجائبات اقوال اور افعال ملکوتیکا اور قابون کا کہ موجب
تفنن طبع ہو ترتیب دیا [illegible] یہ کتاب تنہا نامی باسم گرامی سید شریف قدس سرہ
بخاری تصنیف ہوئی موسوم [illegible] برسالہ شمسیہ معروف ہوئی ناظرین سے التماس ہے کہ مطالعہ
خطا او سہو دیں اور حرف گیری نکریں   آدمی از سہو و خطا پاک نیست   آب روان
بجز از خاشاک نیست   والامر بید اللہ

اسال اللہ ان یجعل ختامہ مسک و فی ذلک فلیتنافس المتنافسون بندہ دوست

صدسی واقتدار القدر رکبت راحلۃ الوہم فی وساع خیال سے بزدل صدرنشینان

بارگاہ قبول نظر گذشتہ بہ ہچمدان صدق مقال چونکہ دیباچہ اس کتاب کا بیچ

نہایت بیع بنی تازی و دری طبع ہوا پایا اب بحکم ممدوح اشہب قلم کو مضمار اردو زبان میں مہمیز

دیتا ہون کہ یہ کتاب اسواسطی تدوین میں آئی ہی کہ جو مکان زیارت گاہ و اہل سلطنۃ

لاہور میں اونکا حال ابتدا سی انتہا تک لکھون اور اس باب میں بہت سی تکلیفین

اوٹھا بیٹھن گئین تیرا شکستگی پہ دل آیا ہی بکیدلا ای غنچہ فسردہ تجھی بھی ہوا لگے

اور یہ بھی خیال ہوا کہ شاہان سلف کا حال اور انکی تولد اور جلوس اور وفات اور مدفن

کی کیفیت لکھی جاوی اور یہ بھی ہو کہ جو خاندان موجب انکا ہی اور خوانین متبرکان کا

تذکرہ اور عمارات قدیم مساجد اور معابد کا حال مشاہدہ گاہ کتابت میں آوی تو اس میں بین

باب بہتری جو تہا باب عجائبات اقوال اور افعال نیکو انکا اور فاہبون کا کہ موجب

تفنن طبع ہو ترتیب پایا اور یہ کتاب نامہ نامی باسم گرامی السید الشریف فخر الدین

بخاری تصنیف ہوئی موسوم [illegible] برسالہ شمسیہ معروف ہوئی ناظرین کی مرحمت

خطا اور تہا وین اور حرف گیری نکرین آئی ازسہو و خطا پاک نیست آب روان

بجشم وخاشاک نیست والامر بید اللہ

(شیفتہ مصنف آثار کی دیباچہ) خط ابطال

اسال اللہ ان یجعل خاتمۃ مسک و فی ذلک فلیتنافس المتنافسون بندہ دوست

حدسی وافضدار الغاز رکبت راحلۃ الوہم فی وساع خیال سے ہزوار صد نشیبات

در بارگاہ قبول نظر گسترہ بیچارہ کان صحف بقال چونکہ دیباچہ اس کتاب کا بیچ

تلمیع میں تازہی دوسری طبع ہونا پایا اب بحکم ممدوح شہب قلم کو مضمار اردو زبان میں مہمیز

دیتا ہوں کہ یہ کتاب اسواسطی قید تدوین میں آئی ہی کہ جو مکان زیارت گاہ دار السلطنۃ

لاہور میں اونکا حال ابتدا سی انتہا تک لکھوں اور اس سبب میں بہت سی تکلیفین

اوٹھانی گئیں تیرا شگفتگی پہ دل آیا ہی بکھلا ای غنچہ فسردہ تجہی بہی ہوا لگی

اور یہ بہی خیال ہوا کہ شاہان سلف کا حال اونکی تولد اور جلوس اور وفات اور مدفن

کی کیفیت لکھی جاوی اور یہ بہی ہو کہ جو خاندان موجبہ ہتی اور خواتین مبد مکانات

مذکور اور عمارات قدیم مسجد اور مقابر کا حال مشرح کتاب میں آوی تو اس میں

باب بہتر ہی جوتہا باب عجائبات اقوال اور افعال ملنگ اور فقیروں کا کہ موجب

تفنن طبع ہو ترتیب پایا یہ کتاب نامہ نامی و اسم گرامی السیر فقیر شمس الدین

بخاری تصنیف ہوئی موسوم برسالہ شمسیہ معروف ہوئی ناظرین سی امید ہی کہ مطالعہ

خطا اوٹہاوین اور حرف گیری نکرین آدمی از سہو و خطا پاک نیست آب روان

بخشش و خطا کز نیست والامر بید اللہ

(مسودہ صفحۂ تیراں کا دیباچہ - خط تیراں)